سلامٌ علیٰ آلِ طٰہٰ و یٰسٓ ؎ سلامٌ علیٰ آلِ خیر النبیین

(جامیؒ)

جز کتاب اللہ و عترۃ ز احمد مرسل نماند
یادگارے کو توان تا روزِ محشر داشتن

(حکیم سنائیؒ)

کتاب جامع حسنات و برکات تذکرہ اولادِ سید کائنات کہ موسوم است باسم تاریخی

تاریخ ساداتِ امروہہ

۱۹۳۴ء

جلد اوّل

مؤلفہ و مرتبہ

جمال احمد نقوی (عرف خصال احمد) ایم اے (ایڈنبرا)

در اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز بلدہ فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن مطبوع گردید

مولف کتاب ھذا

سید جمال احمد عرف خصائل احمد ایم اے (ایڈنبرا)
بن سید نہال احمد از اولاد دیوان سید محمود نبیرۂ سید محمد میرعدل
امیر اکبری

فہرست مضامین کتاب ہذا

الحمد للہ الذی شرف الحسن والحسین علی سائر الخلائق
بمزید الخلق والنسب والجود والاحسان واعلی درجتہما علی
الاولین والآخرین باعطاء مدارج الشہادۃ بالسر والاعلان
وافترض علینا حبہما وحب من یحبہما بالاحادیث والقرآن و
وعد لمحبہما بدخول الجنۃ والغفران واوعد لمخالفیہما بالدرک
الاسفل من النیران والصلوٰۃ والسلام علی من ارسلہ الی الخلائق
بالحجۃ والبرہان وامرنا باتباعہ وامتثال احکامہ بالجوارح والجنان
وعلی آلہ واصحابہ کانوا افضل الناس والبشروا من الرحمٰن
بالرضوان وسبقوا عن الکل حتی فاقوا الکل بالصدق والایقان

(سعادۃ الکونین)

اما بعد یہ ایک تذکرہ ہے خاندان شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت

قدس اللہ سرہ العزیز کا تاریخی نام اس کتاب کا "تاریخ سادات امروہہ" ہے جس سے سال تحریر ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء برآمد ہوتا ہے۔ مؤلف کی غرض وغایت اس سے صرف اس قدر ہے کہ اپنے خاندانی حالات محفوظ و مرتب رہ سکیں۔ ان حالات کی تحریر کے ضمن میں بعض دیگر امور بھی تحریر ہوئے ہیں۔ اور اکابر سادات و خاندان نبوی ؑ کے حالات کسی قدر تفصیل سے لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کو کوئی صاحب تاریخ امروہہ یا تاریخ جمیع سادات امروہہ تصور نہ فرمائیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا مؤلف کا مقصد محض اپنے خاندانی حالات کا محفوظ و مرتب رکھنا ہے۔ اس موضوع پر متعدد کتب پہلے بھی مؤلف کے ہم خاندان اور دیگر حضرات نے تحریر کی ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض اب بالکل کمیاب ہو گئی ہیں۔ اور بلحاظ حالات زمانہ اس کی ضرورت بھی محسوس کی گئی کہ دور حاضرہ کے حالات کے ساتھ ہی ساتھ بزرگان سادات کے حالات اور بعض دیگر متعلقہ مسائل پر کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے۔ اس کتاب کو دو جلدوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلی جلد طبع ہو کر سادات عظام کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے۔ مؤلف کو اس پر بے حد مسرت ہے کہ تذکرہ خاندان شاہ ولایت رح کی تحریر کے سلسلہ میں بعض اولیاء کرام و ائمہ عظام و خاندان نبوت اور خود جناب ختم المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ پاک پر لکھنے کی ایک تقریب ہاتھ آئی۔

غبارِ راہ گشتم سرمہ گشتم توتیا گشتم
بچندیں رنگ گشتم تا بچشمش آشنا گشتم

وکفیٰ بہ فخرا

یہ تذکرہ اگرچہ خاندان سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی حد تک محدود ہے لیکن ضمناً
بعض دیگر خاندانوں کے حالات بھی تحریر ہوئے ہیں چونکہ یہ سب حالات مقامی طور پر
سرزمین امروہہ سے متعلق ہیں۔ اس لیے بغرض تفصیل اجمال و توضیح مقال امروہہ
کی تاریخ اور اس کا جغرافیہ بھی بر سبیل اجمال بیان ہو جانا نہایت ضروری ہے۔ اور
اسی کے ساتھ بعض دیگر امور مثلاً کتب تذکرہ مقامی اور دیگر چند امور کا اظہار بھی تعارفاً
ناگزیر ہے۔ پس ہم سب سے اول ان کتب کا ذکر اجمالاً لکھتے ہیں جن میں امروہہ اور
سادات امروہہ اور متعلقات امروہہ کا ذکر ملتا ہے اور ان کتابوں کا ذکر بھی بار بار اس
کتاب میں آیا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :۔
عمدۃ الطالب فی انساب آل ابوطالب مضمون کتاب خود نام سے
ظاہر ہے۔ نویں صدی ہجری کی مشہور کتاب ہے۔ اور بمبئی و لکھنؤ میں کئی بار طبع
ہو چکی ہے۔ عربی زبان میں ہے اس کے مصنف سید جلال الدین احمدؒ الحسنی ہیں۔ اور
جن کی تاریخ وفات ۸۲۸ھ ہجری ہے **منتخب التواریخ** یہ عہد اکبری کی سب سے
بڑی اور مکمل و مبسوط و مستند تاریخ فارسی زبان میں ہے۔ مولوی احتشام الدین صاحب
مراد آبادی نے اس کا اردو ترجمہ بھی چھاپ دیا ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی جو عہد اکبری
کے علماء نامدار و مقربان شاہی میں سے ہیں اس کے مصنف ہیں۔ **ثمرات القدس
من شجرات الانس** اس کتاب میں جو قریباً ۱۰۰۰ھ ہجری میں لال بیگ بخشی شاہزادہ
مراد نے لکھی ہے اکابر اولیاء اللہ کے حالات قلمبند ہوئے ہیں۔ اسرار یہ یہ بھی تذکرہ
کی کتاب ہے جسے سید کمال بن سید لال (از اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت رح) نے
قریباً گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں مرتب کیا ہے۔ **مقاصد العارفین** یہ کتاب

تصوف میں حضرت شاہ عضد الدین محمد جعفری امروہوی نے بارہویں صدی ہجری کے اوائل میں تصنیف فرمائی ہے۔ **آئینہ عباسی** یہ ایک مختصر کتاب تاریخ کی ہے۔ جو اپنے خاندانی حالات اور امروہہ کے مختصر حالات لکھ کر مولوی محب علی خاں صاحب امروہوی ساکن محلہ کوٹ نے طبع کرائی ہے۔ تاریخ طباعت ۱۲۹۲ھ ہجری ہے اب یہ کتاب بہت کم یاب ہوگئی ہے۔ راقم الحروف نے اپنے ایک دوست سے اس کی ایک نقل حاصل کی اور اسی نقل سے کتاب ہذا میں اس کتاب کے حوالے جا بجا دیئے گئے ہیں۔ **تاریخ اصغری** یہ کتاب سادات امروہہ کے حالات میں سید اصغر حسین صاحب نقوی امروہوی ساکن محلہ گذری نے ۱۸۸۹ء عیسوی میں تحریر فرمائی ہے۔ **نخبۃ التواریخ** یہ کتاب مولوی آل حسن صاحب بخشی امروہوی نے امروہہ کے بعض خاندانوں کا حال فارسی زبان میں تیرہویں صدی ہجری کے ختم کے قریب لکھ کر طبع کرائی ہے۔ **تواریخ واسطیہ قاضی** سید رحیم بخش صاحب امروہوی نے سادات امروہہ کے تذکرہ میں لکھی اور ۱۳۲۲ھ ہجری میں طبع ہوئی۔ **تاریخ امروہہ** مضمون کتاب نام سے ظاہر ہے۔ مولوی محمود احمد صاحب ساکن محلہ ملانہ اس کے مؤلف ہیں حال ہی میں اس کی تین جلدیں جن کے نام تاریخ امروہہ۔ تذکرۃ الکرام۔ تحقیق الانساب ہیں شایع ہوچکی ہیں۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ چوتھی جلد زیر ترتیب ہے۔ ان کے علاوہ دیگر کتب مختلف مصنفین اور مختلف زبانوں کی ہیں مثلاً آئین اکبری و طبقات اکبری۔ و توزک جہانگیری۔ و ماثر الامرا و اقبال نامۂ جہانگیری و دربار اکبری و ماثر عالمگیری وغیرہ وغیرہ جن میں سادات امروہہ اور امروہہ کے حالات مل سکتے ہیں۔ ان سب کی تفصیل یہاں موجب طوالت ہے۔

شہر امروہہ ایسٹ انڈین ریلوے کا اسٹیشن مراد آباد سے ۱۹ میل بجانب غرب۔

اور دار الخلافہ دہلی سے ۱۸ میل بجانب شرق واقع ہے۔ حال میں اس کا تعلق ضلع مرادآباد وکمشنری بریلی سے ہے۔ جو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں واقع ہیں۔ یہاں کی عدالت العالیہ کا مقام بالفعل الہ آباد ہے۔ یہ ایک خوبصورت اور اوسط درجہ کا شہر اور سادات کی بستی ہے۔ دیگر قدیم شرفاء اہلِ اسلام و ہنود کے خاندان بھی آباد ہیں۔ زمانہ حال میں اس کی آبادی قریباً پچاس ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ جن میں سے پانچ چھ ہزار سادات ہیں۔ ان میں سب سے بڑی تعداد اولاد سیّد شرف الدین شاہ ولایت رح نقوی الواسطی الامروہوی کی ہے۔ بعض دیگر سادات بھی آباد ہیں۔ ان میں بعض وہ خاندان ہیں جن سے تعلقات مصاہرت حضرت شاہ ولایت رح موصوف کے خاندان سے قدیم سے چلے آرہے ہیں۔ مثلاً اولاد حضرت نصیر الدین چشتی رح محلہ نوگیان و سادات حسنی ساکن محلہ کوٹ و سادات دانشمندان وغیرہ وغیرہ۔

شرفا میں بھی بعض نامی اور قدیم خاندان امروہہ میں آباد ہیں۔ شیوخ میں عقیلی وعباسی وجعفری وعلوی خاندان وصدیقی و فاروقی وانصاری و زبیری وغیرہ مشہور ہیں۔ اور دیگر شرفاء میں افاغنہ وترکمان و مغل وغیرہ مختلف اقطاع شہر میں آباد ہیں۔

تاریخ امروہہ میں اس سے زیادہ اور کوئی افسوس کی بات شاید نہ ہوگی کہ اس بستی کی تاریخ بنا کا حال اب تک تحقیق نہ ہوسکا۔ اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ صاحبِ بنا کون شخص تھا۔ مختلف زبانی روایتیں چلی آتی ہیں اور بعض حالات و قرائن سے تذکرہ نویسوں نے اپنی اپنی رائے کے مطابق اظہار خیال کیا ہے۔ مختلف روایات میں سے بعض یہ ہیں کہ یہ بستی انبا رانی کے نام سے آباد ہے جو پرتھی سنگھ راجہ کی بہن تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ کثرت اشجار انبہ کے باعث اس بستی کا نام امروہہ رکھا گیا ہے۔ ایک روایت

جناب سید شرف الدین شاہ ولایتؒ کی آمد کے وقت آم اور روہو مچھلی کی بھی مشہور ہے کہ
ان دو چیزوں کی رعایت سے جناب سید صاحب موصوف نے اس بستی کا نام امروہہ رکھا۔
غرض کسی ایک روایت پر خاص طریقہ سے اعتماد کرنے کی کوئی وجہ پائی نہیں جاتی ہے۔
ظن غالب یہ ضرور ہے کہ اس بستی کی وجہ تسمیہ میں آم کو کچھ نہ کچھ خاص دخل ضرور ہے۔
اور اگر بقول بعض مصنفین یہ صحیح ہے کہ امروہہ ایک سنسکرت لفظ امرو ونم سے مشتق ہے
تو اس میں کوئی شبہہ باقی نہیں رہتا کہ یہ امروہہ کے حسب حال ہے۔ کیونکہ وَن (یعنی
بَن) آموں کا فی الواقع یہاں موجود ہے۔ بہرحال یہ سب قیاسات ہیں۔ ان سے
کوئی قطعی نتیجہ نکالنا ممکن نہیں ہے۔ صاحب نخبۃ التواریخ تحریر فرماتے ہیں

وجہ تسمیہ | ودر وجہ تسمیہ آن اقوال مختلف اند۔ لیکن ارباب تحقیق برآنند
کہ امروہہ لفظی سنسکرتی مرکب از امرو روہ بسکون میم بمعنی آنبہ کہ ثمر لیست
و رُوہ بمعنی جائے و حراست گاہ و روئیدگی ست۔ و چون نون با باء موحدہ
فائدہ میم می دہد۔ در بعض کتب و بعض فرمانہاء شاہان اسلام بہ انبروہہ
مرقوم گشت۔ و نیز احتمال این ترکیب است پیشتر بہ میم نوشتہ باشند۔
بہر تقدیر مناسبت پیداست کہ کثرت باغات انبہ در سواد قصبہ بحد لیست کہ
دیگر جاکم چنانچہ می آید۔ و روئیدگی اش بمرتبہ الیست کہ در چہار سال از
نشاندنش بر می آورد۔ و امر بہ بفتح میم بہ معنی دیوتا آمدہ و اندرون حصارش
بتخانہ عظیم بود۔ و آثار بہ کندیدن زمین بر می آیند۔ و گویند کہ بانی امروہہ
زنے بود۔ آنبہ نام خواہر پرتھی سنگھ راجہ ہند۔ پس بجہت کثرت استعمال
حذف مکرر و ابدال بہ وقوع آمدہ و باین ہمہ احتمال افراد و ارتجال میدارد۔

واللہ اعلم بحقیقت الحال ووقت آباد شدنش بہ تحقیق نہ پیوستہ و

تخمین اعتباری ندارد و بالجملہ از مواطن قدیمہ اہل ہند است (صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲)۔

قریب قریب یہی خیالات ہیں جن کا ذکر دیگر تذکرہ نویسوں نے بھی کیا ہے ۔ مگر کوئی ایک قطعی رائے ایسی قایم نہ ہوسکی جسے بہمہ جہت صحیح تسلیم کیا جاسکے ۔ قرائن و آثار سے البتہ یہ ضرور بدرجہ یقین کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک نہایت قدیم بستی ہے ۔ بانی شہر کا صحیح حال اور نام تحقیق نہیں ہوسکا۔ البتہ یہ امر بدرجہ یقین ثابت ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ سے قبل اس بستی کا وجود تھا ۔ اور اب تک بعض مقامات پر امروہہ میں کہیں کہیں اہل ہنود کے زمانہ کی اینٹیں اور سکے وغیرہ مدفون حالت میں ایسے مل جاتے ہیں جن سے اس بستی کی قدامت پر مُہر تصدیق لگ جاتی ہے ۔سب سے اول مُسلمانوں کی جس ترکتاز کا پتہ اس نواح میں چلتا ہے۔ وہ سلطان محمود غزنوی کا ایک حملہ ہے جس میں ہندؤں کو سلطان محمود غزنوی کے مقابل رہب ندی (رام گنگا) کے کنارے شکست ہوئی ۔ غزنوی دور میں اس طرف کوئی مستقل حکومت مسلمانوں کی قائم نہیں ہوئی۔ اس کے بعد سلطان شہاب الدین غوری نے ۱۱۹۲ء عیسوی میں تلاوڑی کے میدان میں رائے پتھورا کو شکست دے کر اسلامی حکومت کی مستقل طور پر بنا ڈال دی ۔ خاص امروہہ میں اسلامی لشکر کے داخلے اور عملداری کی صحیح تاریخ معلوم نہیں مگر روایات ہیں کہ حضرت مسعود سالار غازی رحمۃ نے سنبھل کے قریب ہنڈوں کے مقابل ایک نمایاں فتح حاصل کی تھی جس کی یادگار میں اب تک سنبھل و امروہہ وغیرہ میں نیزے کا میلہ منعقد ہوتا ہے ۔ اس کے بعد تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش نے ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں امروہہ کو ایک ولایت

قرار دے کر یہاں ایک حاکم مقرر کیا اور شاہی لشکر کی چھاؤنی بھی یہاں بنائی۔ حکومت اسلامی کی ابتدا میں بلکہ بعد میں بھی کوئی خاص تاریخی اہمیت امروہہ کو حاصل نہیں ہوئی۔ کہیں کہیں قدیم کتب تاریخ میں مثلاً تاریخ فیروز شاہی و فرشتہ وغیرہ میں مفسدین کی سرکوبی وغیرہ کے سلسلہ میں امروہہ کا ذکر آجاتا ہے۔ کتب تذکرہ سے پایا جاتا ہے کہ سلطان معز الدین کیقباد کے زمانہ سلطنت میں ملک عنبر حاکم امروہہ نے امروہہ کی جامع مسجد ۶۸۶ھ ہجری میں تعمیر کرائی جس کا کتبہ اس مسجد کے دروازہ میں موجود ہے۔ اور یہ مسجد اب شیخ سدو کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ بقول صاحب تاریخ فرشتہ و صاحب تاریخ فیروز شاہی ۱۳۰۵ء عیسوی میں مغلوں کے لشکر سے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں امروہہ کے قریب سخت معرکہ ہوا جس میں لشکر سلطانی کو فتح حاصل ہوئی۔ صاحب تاریخ امروہہ اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھتے ہیں:-

حضرت شاہ ولایت رح کی تشریف آوری | سید العارفین

سید حسن المعروف بہ شرف الدین شاہ ولایت رح قدس سرہٗ العزیز سلطان غیاث الدین تغلق کے ابتدائی عہد سلطنت میں نواح ملتان سے مع اپنے خلفا اور اعزا کے امروہہ تشریف لائے اور یہاں کے شاہ ولایت کہلائے۔

آپ کے ولد اکبر قاضی سید امیر علی جد سادات محلہ لکڑہ و حقانی وغیرہ بعہد سلطنت محمد تغلق امروہہ کے عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ عہد مغلیہ میں آپ کی اولاد امجاد بالخصوص سید محمد میر عدل ان کے اخلاف اور برادر زادگان نے سلطنت کی شاندار فوجی و ملکی خدمات انجام دیں۔ شہرت و

ناموری حاصل کی۔ تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں ملیں۔

(تاریخ امروہہ)

۷۴۱ھ ہجری میں مشہور سیاح ابن بطوطہ امروہہ میں مقیم رہا۔ اس کے بعد بھی کوئی واقعہ تاریخی اہمیت کا امروہہ سے متعلق نہیں ہے۔ کہیں کہیں کسی تاریخ میں فوج کشی کے ضمن میں امروہہ کا ذکر ادھر اُدھر مل جاتا ہے ۱۵۲۶ء عیسوی میں بابر نے ابراہیم لودھی کو پانی پت میں شکست دے کر سلطنت مغلیہ کی بنا ہندوستان میں قایم کی۔ اور تزک بابری میں تحریر ہے کہ موسیٰ معروف فرملی کی جاگیر میں امروہہ کا علاقہ دیا گیا۔ عہد ہمایون و اوائل عہد اکبری میں قطب الدین قناق خاں حاکم امروہہ رہا جس نے جامع مسجد کو جو شکستہ حالت میں تھی اور سلطان معزالدین کیقباد کے وقت میں تعمیر ہوئی تھی (جس کا ذکر اوپر ہوا) از سرِ نو تعمیر کرایا۔ مگر اس کی تعمیر سید محمدؒ میر عدل نے ۹۸۱ھ ہجری میں کرائی۔ صاحب تاریخ امروہہ تحریر فرماتے ہیں:۔

امروہہ کی ناموری اور شہرت اکبر بادشاہ کے وسط عہد حکومت سے لے کر نواب علی محمد خاں روہیلہ کے زمانہ تک تقریباً۔ دو سو برس کی مدت میں امروہہ اور اس کے نواح میں بہت کچھ امن و امان رہا۔ اور رعایا بھی شاد و آباد رہی۔ لوگوں کو ترقی کرنے کے ذرایع اور مواقع بھی زیادہ حاصل رہے۔ عہد مغلیہ میں امروہہ کے سادات و شرفا علی الخصوص اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ نے حکومت کی شاندار ملکی و فوجی خدمات انجام دیں۔ جس کے صلہ میں اعلیٰ مناصب ملے۔ تنخواہ و مدد معاش میں جاگیریں اور معافیاں عطا ہوئیں (تاریخ امروہہ)

اوائل عہد شاہجہانی میں امروہہ کا تعلق صدر مقام ضلع یعنی مراد آباد سے قائم ہوا۔ ۱۷۱۳ء عیسوی میں محمد امین خاں اعتماد الدولہ مراد آباد کے حاکم مقرر ہوئے۔ اور اس کے بعد نظام الملک آصفجاہ بہادر ۱۷۲۶ء عیسوی میں مراد آباد کے حاکم مقرر ہوئے۔ اس کے بعد رکن الدولہ وغیرہ حاکم رہے ۱۷۴۴ء عیسوی میں نواب علی محمد خاں کا تسلّط اس علاقہ پر ہوگیا۔ یہ زمانہ طوائف الملوکی کا تھا۔ بہت جلد جلد حکومت کے مُہرے بدل رہے تھے حافظ رحمت خاں صاحب کی جو حافظ الملک مشہور ہیں۔ اور نواب دوندے خاں وغیرہ کی حکومت یہاں رہی۔ بالآخر نواب شجاع الدولہ نے انگریزوں کی مدد سے حافظ الملک کے لشکر کو بمقام فتح گنج شرقی (لاہی کھیڑہ) شکست دی۔ اس کے بعد سے بموجب عہد نامۂ ۱۷۷۴ء عیسوی یہ حصّہ ملک نواب وزیر الممالک اودھ کے زیر نگین ہوگیا۔ اور نواب فیض اللہ خاں کو رام پور کی جاگیر دی گئی۔ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں جس قدر امن و عافیت تھی اس زمانہ میں اتنی ہی ابتری اور بدنظمی تھی۔ رعایا کے جان و مال محفوظ حالت میں نہ تھے۔ مرہٹے اور جاٹوں کے حملے اور کیا کیا بلائیں چاروں طرف سے آرہی تھیں۔ نتھے خانی کا حادثہ بھی اسی زمانہ میں ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حیات خاں جو نتھے خاں حاکم سنبھل کے خسر تھے امروہہ میں رہتے تھے۔ کسی بات پر سادات محلہ گذری سے ان کی ان بن ہوگئی تھی۔ اپنے خسر نتھے خاں کی فوج کی امداد سے سادات محلہ گذری اور خصوصاً میر اسد اللہ خاں صاحب کے مکانات کو خوب لوٹا۔ (تباہی سادات شدہ) اس واقعہ کا مادۂ تاریخ ہے جس سے ۱۱۹۳ھ ہجری برآمد ہوتے ہیں۔ ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) میں اس حصّہ ملک کا تعلق برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی سے قایم ہوا۔ یہ زمانہ مرہٹہ گردی کا تھا

اس زمانہ میں امیر خان پنڈارہ کا گزر امروہہ پر ہوا۔ صاحب تاریخ واسطیہ لکھتے ہیں :۔

خلاصہ ذکر میر خانی اشل فصل مذکورہ کی حادثہ میر خانی کے حکایات بھی مختلف الاقوال سماعی ہیں نیز اس کی بھی کوئی تحریر تاریخی پہلی نہیں ہے کہ جو مفصل حالات تحریر کیے جاویں البتہ اس قدر روایت اُن اشخاص کی جو اس وقت میں موجود تھے موافق ہے کہ میر خاں مع کسی قدر جماعت کے واسطے لوٹ مار کے اس شہر میں آیا۔ اور درگاہ شریف مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت میں گیا اسی وقت اُس نے خبر فوج سرکاری کے آنے کی سنی بمجرد سننے خبر وحشت اثر کے پریشان حال ہو کر اس نے کوچ کر دیا بلکہ اس اضطراب میں اس شہر کے عوام الناس نے بھیر کو اس کی لوٹ لیا۔ بعض غریب لوگ یہاں کے اس لوٹ سے مالدار ہو گئے تھے۔ اور فوج سرکاری داخل امروہہ ہو کر تعاقب میں میر خاں کے روانہ ہو گئی فقط مادہ تاریخ اس کا (میر خانی شدہ) ہے اس سے ۱۲۲۰ھ ہجری برآمد ہوتے ہیں :۔ (تواریخ واسطیہ)

اس کے بعد غدر ۱۸۵۷ء عیسوی کا واقعہ درپیش ہوا جس کا مادہ تاریخی (غدر ہندی) ہے صاحب تاریخ امروہہ نے اس کے واقعات نہایت تفصیل سے لکھے ہیں مگر ان کا کثیر حصہ تصدیق طلب ہے کوئی خاص اہم تاریخی واقعہ ۱۸۵۷ء عیسوی کے غدر میں امروہہ سے متعلق نہیں ہے بجز اس کے کہ جن چند ناعاقبت اندیشوں نے سرکار سے مخالفت کی وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے اور بعض اشخاص کی نمک حلالی کے صلہ میں ان کی عزت افزائی منجانب سرکار ہوئی۔ کوئی خاص اہم واقعہ یا کوئی مشہور قابل ذکر

امر غدر ۱۸۵۷ء عیسوی میں امروہہ میں نہیں ہوا اور چونکہ ہماری یہ کتاب تاریخ امروہہ نہیں ہے ہم نے نہایت اجمال سے امروہہ کے بعض حالات تاریخی تمہیداً و تعارفاً یہاں بیان کردئیے ہیں ۔ تفصیلی تاریخ لکھنا ان مورخین کا کام ہے جو خاص طور پر تاریخ امروہہ کی تدوین کریں ۔ پس ہمارے اس اجمال و ایجاز پر ناظرین ہمیں معذور سمجھیں :۔

غدر سے اب تک کوئی ایسا مشہور و اہم واقعہ امروہہ میں نہیں ہوا جس کا ذکر کیا جائے ۔ سوائے اس کے کہ انقلابات زمانہ کے جیتے جاگتے نمونے ہر گلی اور کوچے میں عبرت انگیزی کے لیے موجود ہیں سکتنے بڑے لوگ تھے جو اس وقت بالکل چھوٹے اور حقیر ہیں ۔ اور کتنے وہ حقیر اور چھوٹے لوگ تھے جو اس وقت بڑے اور عزت مند ہیں ۔ یہ سچ ہے کہ دولت و حشمت کسی کے باپ دادا کی جاگیر نہیں ہے اور عزت و ذلت سب منشاء خداوندی کے تابع اور حکمت الٰہی کی بموجب ان کی تقسیم عمل میں آتی ہے ۔ اس میں نہ کسی کو شکایت کا محل ہے اور نہ حکم خداوندی کے آگے چارہ ہے ۔ صاحب تواریخ واسطیہ نے اس بلندی و پستی کا حال اس طرح بیان کیا ہے :۔

فصل اول تعریف امروہہ میں

شعر

حسن تو ہمیشہ در فزوں باد   رویت ہمہ سال لالہ گوں باد

مقام امروہہ عرصہ دراز سے آباد ہے جس کا شروع آبادی مفصلاً تحقیق نہیں ہوا ۔ جملہ اقوام ہندو و مسلمان اس شہر میں آباد تھے ۔ مگر ایسا دلپذیر بے نظیر فرحت خیز رونق آمیز نہ تھا ۔ جب کہ جناب میراں سید علی بزرگ صاحب مع اپنے فرزند ارجمند جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولائیت قدس سرہ العزیز با جماعت کثیر مقام امروہہ میں تشریف فرما کر سکونت پذیر ہوئے اس روز سے یہ مقام مسکن

سادات والاصفات مثل گلستان سرسبز و شاداب دم بدم رشک دہ باغ ارم
اعقاب آنحضرت ممدوح سے ہوا کہ جس میں محلات چمن چمن گلدستہ روشن
بروش و کوچہ و بازار باغ و بہار و چاہ شیریں و بے شمار و سرایات طرز بطرز
آباد ہوئے ۔ شعر

بہر کوچہ اش گلرخاں رہ نورد　　تو گوئی گلستان شدہ کوچہ گرد

اور اولاد امجاد آنحضرت ایسی نامی منزلت و گرامی مقدرت ہوئی کہ ہر ایک
شخص اعلیٰ مراتب والامناصب بارفعت و اجلال صاحب اقبال ہر طرح سے
لائق و فائق صاحب اخلاق شہرۂ آفاق شکیل و جمیل عقیل و جلیل عالم و
فاضل عامل و کامل عابد و زاہد و سخی و جواد و حق بیں و حق پرست و شجاع
و دلیر یعنے بہمہ صفت موصوف ہوئے ۔ شعر

اے شان حیدری ز جبیں تو آشکار　　نام تو ذبح بحر کند کار ذو الفقار

اگر کلک جواہر سلک توصیف ان کی ہزار تختہ کاغذ پر ثبت کرے بھی تو
نہ لکھ سکے ۔ زبان قلم دم تسطیر اس محل پر لال ہے ۔ مصرع

در ثنائش زبان ناطقہ لال

کہ جن کے آبا و جداد طاہرین کے باب میں جناب سید المرسلین خاتم النبین
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے انی تارک فیکم الثقلین
کتاب اللہ وعترتی اهل بیتی ما ان تمسکتم بهما لن تضلوا
بعدی و انهما لن یفترقا حتی یردا علی الحوض ۔ و نیز
ارشاد فرمایا ہے :۔ مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من رکبها

نجی ومن تخلف عنہا ضل فغرق وھوا ئے ۔ قطعہ

ساداتِ افضل اند وگر قدر شان جلی — اولادِ مصطفیٰ و جگر گوشہ علیؓ

بر فعل شان نظر مکن اے دل بجاہلی — الصالحون للہ والطالحون لی

رباعی

یہ رتبے جہاں میں کس ولی نے پائے — پائے تو فقط آل نبیؐ نے پائے

مختار جنان شافع روز محشر — یہ مرتبے اولاد علیؓ نے پائے

اور عہود سلاطین تخت نشین دہلی وغیرہ میں سادات نے اپنی بہادری و دلاوری وجان بازی سے ایسے ایسے کارنمایاں کیے کہ بڑے بڑے قلعات و صدہا لڑائیاں فتح کیں اور جو مہم سخت و دشوار اس وقت میں ہوتی تھی تو سادات بارہہ و سادات امروہہ بھیجے جاتے تھے ۔ اور وہ ان مہموں کو سر کرتے تھے اور اپنی جانیں دیکر لڑائیاں فتح کرتے تھے بلکہ اکثر فرامین شاہی ان کے کام آنے اور مارے جانے کے ان کی اولاد کے پاس کچھ کچھ اب تک بھی باقی ہیں چنانچہ کتاب اقبال نامہ جہانگیری میں ہے (اس کے بعد اقبال نامہ جہانگیری وغیرہ کی عبارات صاحب تواریخ واسطیہ نقل کرتے ہیں) اور پھر لکھتے ہیں :-

سلاطین ممدوحہ نے ان کی جانبازی کے صلہ میں ان کو مراتب عالیہ و مناصب جلیلہ سے ممتاز فرمایا - اور جملہ پرگنات ضلع مراد آباد و ضلع بجنور وغیرہ سرکار سنبھل میں قریب سات سو یا آٹھ سو مواضعات معافی وجاگیر مع زمینداری کے وقتاً فوقتاً عطا فرمائے - بلکہ بہت کثرت سے مواضعات معافی وجاگیر دیگر صوبجات ہند میں مثل صوبہ کشمیر و بھکر و ملتان و لاہور و صوبجات راجستان دکن

وصوبجات علاقہ پورب مثل الہ آباد و بنارس و اودھ ان کو عطا فرمائے تھے۔
مقامات مذکورہ کے بعض بعض فرمان عطیہ سلاطین اب تک باقی بھی ہیں اور اکثر
فرمان اس قسم کے تلف ہوگئے۔ اور نیز زمینداری شہر امروہہ مع رقبہ قصبہ معافی و
خالصہ شریفہ ان کو عطا فرمائے اور یہ سب رئیس و زمیندار و مالک شہر کہلائے۔
اور مقام امروہہ بنام سادات مشہور و معروف ہوا۔ اور دیگر اشخاص شرفاء
اہل اسلام ساکنان امروہہ ان کے رفیق و دوستدار با اخلاص بسیار ہم نشین
و معتقد تھے و دیگر جملہ اقوام عوام النّاس ہندو مسلمان اس شہر کے ان کے مطیع اور
فرماں بردار ہر طرح سے اطاعت شعار یعنے بطریق رعیت و از راہ ملازمت
علی قدر مراتب ساکن تھے غرض کہ روز بروز ترقی و افزائش اس مقام کی ہوتی
رہی خاص و عام بہ عیش و آرام صبح و شام آباد و دل شاد تھے۔ کوئی صومعہ
عبادت میں بسر کرتا تھا کوئی بستر استراحت پر سحر کرتا تھا کسی کے دیدہ بینا انجم
وار سیر کتب میں شام سے واتھے کسی کی زبان و دل اخلاص منزل مصروف بدعا
تھے ہر شخص کو ہر شئے مہیا تھی کسی طرح کی کسی کو محتاجگی نہ تھی شکر خدا صبح و
مساہر زبان پر جاری تھا۔

عجب عیش کے حال میں سب کے سب ہر اک کو خوشی تھی ہر اک کو طرب

ان سب نے اس مقام جنت آرام میں جدا جدا محلے چمن چمن و مکانات تختہ تختہ
و گھیر و احاطہ گلدستہ خاندان وقار وقتاً فوقتاً آباد کیے۔ کہ جس کی آبادی
چہار جانب سے آراستہ و پیراستہ یکساں و ہموار دروازہ عالیشان بلند مکان
بنگلے و بارہ دریاں و کمرے ہر طرح سے مرتب و مصفٰی و عمارت ہر قسم سے خوش قطع

ومزین وزیبا دیوانخانے و محل سرائیں شاہی ہر طرح سے عمارت کی صفائی :۔

شعر

زہے صفائے عمارت کہ در تماشایش بدیدہ بازنگردد نگاہ از دیوار

اور اس شہر غیرت وہ گلستان کے جملہ ساکنان بعیش و نشاط لیل و نہار دل شاد دِن عید تھی تو رات شب برات ہر طرح سے یہ مقام جنت آرام دلپذیر بے نظیر تھا کہ جس میں باغات انبہ شہر کے چہار جانب قلعہ دار جن کی کثرت بہار انبہ مشہور و معروف ہے ذائقہ میں ہمہ صفت موصوف اور باغات تر شاوہ بہار دل نشاط پُر فضا ایسی سرسبز و شاداب تھی کہ جن میں ہر قسم کے پھولوں کی ہزار طرح کی بہار و درخت یک لخت میوہ دار لطیف و خوش گوار ذائقہ دار بار کے بار سے خم دار۔ شعر

در روشن حسن و ناز بود خوشنما غمزہ بطرز ستم عشوہ برنگ جفا

جس کی تعریف میں زبان قلم سے پھول جھڑتے ہیں ہر نقطہ توصیف اُس کا غنچہ نمط شگفتہ ہے اور روشنائی کتابت اس کی شب انجم کی طرح جوہر نما ہے۔ مصرع :۔

خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست

فصل دوم انقلاب کے بیان میں | انقلاب زمانہ ع

یہ بے سبب نہیں خالی گھروں کے سناٹے مکان یاد کیا کرتے ہیں مکینوں کو

حق سبحانہ تعالےٰ جل وعلیٰ نے اپنی صفت کاملہ سے اس چمنستان دیار

ناپائدار میں جملہ مخلوق کو نیستان عدم سے گلستان وجود میں خلق کر کے
گل حیات مستعار کو داغ بیم ممات سے ہم پہلوئے خار کیا :- اشعار

جہاں راہر گلی بر نوک خار یست　　خزانے درپئے ہر نو بہار یست
وصال غنچہ بے خار جفا نیست　　چراغ لالہ بے باد فنا نیست
جہاں گر گنج دارد مار با اوست　　وگر خرما نماید خار با اوست
گر از وے لطف جوئی قہر یابی　　وگر تریاک خواہی زہر یابی
نہ سروے در چمن بینم نہ شمشاد　　کہ او از ارہ دہر ست آزاد

اس دیار ناپائدار کا کیا اعتبار کوئی شجر اس چمن مستعار میں ایسا نہیں
جس کی بیخ منقطع نہ ہو اور کوئی نہال تازہ اس چمن ناپائدار میں ایسا
نہیں جس کی بہار حیات خزاں ممات سے مبدل نہ ہو اور کوئی سرو
اس تختہ عارضی پر ایسا نہیں ہے جس کی شاخ بار ہلاکت سے بر سر خاک
خم نہ ہو۔ شعر :-

کدامی سرو را دادا و بلندی　　کہ بادش خم نکرد از دردمندی

خالق ارض و سما و صانع بے چون و چرا نے بعطائے حیات خلعت
جملہ مخلوقات کو پردہ غیب سے میدان شہود میں لاکر باد فنا و زوال سے
مطمئن نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ کسی نبی و وصی و رسول و ولی و ہادیان دین
و پیشوایان شرع متین کو بھی دولت قدم سے مستغنی نہ کیا اگر گوہر بقا
مرحمت ہوتا تو ہمارے پیغمبر دُر دریائے رسالت و گوہر درج نجابت
جناب سید المرسلین خاتم النبین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ملتا۔

:: ہم کیا رہینگے جب نہ رسولؐ خدا رہے ::

اس حیرت کدہ سرائے فانی میں کوئی شئے ایسی پیدا نہیں ہوی کہ ایک حالت پر رہے ۔ ہر شخص کو لازم ہے کہ ہمہ وقت رجوع قلب بطرف رب العالمین رکھے اور خواب غفلت اور غرور سے ایاغ دماغ کو خالی کرے۔ کیسے کیسے شخص اس چمن فانی سے باغ جاودانی کو راہی ہوگئے۔ خاقان و امیر و سلطان و وزیر و منشی و دبیر و غنی و فقیر و قوی و ضعیف وضیع و شریف و ناقص و کامل و عالم و جاہل و عاقل و غافل و زاہد و فاسق غرض کہ سوائے فنا کسی کو بقا نہیں ہمہ وقت ملحوظ رہے :- شعر

در بارگاہِ حشر چہ سلطان چہ بینوا　　　بر آستانِ مرگ چہ دربان چہ بادشاہ

فلک کی کج ادائی زمانہ کی بیوفائی مشہور ہے ۔ اس دار ناپائدار کی نیرنگی فلک کج رفتار کی سرہنگی بدستور ہے ۔ شعر

دو رنگی زمانہ کی مشہور ہے　+　کبھی سایہ ہے اور کبھی نور ہے

اس زمانہ کو ایک دم آرام نہیں انقلاب ایام و اختلاف صبح و شام سے ظاہر ہے۔ شعر

بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم　+　دگرگون می شود احوال عالم

جو اشخاص شہنشاہ ہفت اقلیم صاحب گنج و خزانہ و والئی تاج و تخت تھے اب وہ یک لخت بے چارے بدبخت گردش کے مارے ایک نان شبینہ کے محتاج و مبتلائے بلاء حرمان اور وادئ غربت میں سرگردان ہیں ۔

قطعہ

چشم عبرت بین کشا وحال شاہان رانگر ✤ تاچنان از گردش گردون گردان شد خراب
پردہ داری میکند بر طاق کسری عنکبوت ✤ چغد نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

شعر

پاؤں تھرّاتے تھے جن کے سامنے جاتے ہوئے ✤ کاسۂ سران کے دیکھے ٹھوکریں کھاتے ہوئے

اور جو اشخاص اُمرا و وزرا صاحب تدبیر عدیم النظیر مشاہیر روزگار تھے اب وہ مثل فقیر ہر کس و ناکس کی نظر میں حقیر بے توقیر کو بکو دہ بدہ شہر بشہر پیادہ پا بلاسواری بہزار ذلت وخواری تلاش معاش میں بعالم بیکاری بحال ناچاری حیران و پریشان ہیں۔ اللہ العظیم جل شانہ وجل جلالہ یہ مقام دنیا عجب عبرت کدہ ہے۔ شعر:۔

عجب طرح کی یہ دنیا سرائے فانی ہے ✤ مقام عبرت وحیرت کی یہ نشانی ہے

انقلاب روزگار مشہور ہے کمال کو زوال ضرور ہے۔ شعر:۔

چو آفتاب بہ نصف النہار یافت کمال ✤ مقرر است کہ روے نہد بسوے زوال

اختصار ملحوظ ہے پچھلوں کا افسانہ منظور ہے۔ گلشن اقبال وچمن جاہ وجلال سادات عالی درجات ساکنان امروہہ پر باد زوال عرصہ زاید سو برس سے موثر ہے مگر ۱۲۷۳ہجری تک اس روشن پر نیرنگی چمن سادات رہی کہ اکثر تختہ ہائے گلزار ہزار بہار شگفتہ گل بصد ناز وتجمل سرسبز وشاداب تھے۔ وبعض تختہ ہائے گلشن پژمردہ برنج ومحن گرمی ہوائے مخالف سے مرجھائے کملائے اُداس بے حواس تھے۔ لیکن اس کے بعد ایک ایسی باد تند عالمگیر پر تاثیر برہم زن جوان وپیر چلی کہ جس کے اثر سے عقل وہوش

ہرکس وناکس کے زائل ہوگئے اور کل زمانہ کی کیفیات وحالات برعکس ہوگئے ۔ اب یہ حال ہے کہ جو شخص امیر وکبیر صاحب تدبیر تھے وہ بے چارے فقیر وحقیر ہرطرح سے بے توقیر ہیں اور اشخاص زمیندار و معافی دار اور تعلقدار رئیس صاحب اقتدار مشاہیر روزگار تھے وہ اب خراب وبرباد بعالمِ ناداری لاچار ہیں ۔ اور جو لوگ خدمتگار کارندہ ومختار وشحنہ و دوکاندار تھے اب وہ زمیندار معافیدار رئیس نامدار ہیں چنانچہ اسی طریقہ سے اکثر قضیہ منعکس ہوگئے ۔ شعر ۔ میر انیس لکھنوی ۔

مکان رہے نہ مکین طرفہ کارخانہ ہوا + زمین الٹ گئی کیا منقلب زمانہ ہوا

شعر مصحفی امروہی :۔

اے مصحفی میں روؤں کیا اگلی صحبتوں کو + بن بن کے کھیل ایسے لاکھوں بگڑ گئے ہیں

اور اگر کوئی با وقعت باقی بھی ہے تو اس کی یہ حالت ہے ۔ شعر :۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی + اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

نیرنگی زمانہ نے اب ہمارے قلوب پر وہ اثر ڈالا ہے کہ شاید رسم ورواج وتہذیب واخلاق وعادات جو اس وقت تک جاری ہیں وہ تھوڑے دنوں بعد مثل رخصت برات رخصت ہوجائینگے ۔ نظر غور سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ سلاطین ماضیہ کے عہود کی جتنی باتیں تھیں وہ اب بالکل موقوف ہوکر خواب وخیال ہوگئیں ۔ بلکہ اس وقت کی عبارتوں کے سمجھنے کے لیے جو الفاظ مختص المحاورہ وقت تھے ان کے معنی بلا استفسار خاص معلوم نہیں ہوتے ہیں جب کہ ہم اِس حالت کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے

ہیں تو کب اُمید اس قسم کی ہوتی ہے کہ بعد آنے والوں کو وہ حالات جن کا
بہت تھوڑا حصّہ ہم تک سینہ بسینہ پہنچا ان تک پورا پورا پہنچے نہیں نہیں
ہرگز نہیں اب ہم پر جو امر فرض ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی ان ٹوٹی پھوٹی
نیک نامی کی دیواروں کو جن کو ہمارے بزرگوں نے اپنی جانوں کے صلہ میں
بنا گیا تھا اپنی قوت اپنی طاقت کی بموجب جہاں تک ممکن ہو سکے قائم رکھیں
تاکہ آئندہ کے واسطے ان کے نام نامی صفحہ روزگار پر قائم رہیں (تواریخ واسطیہ)

شمالی ہند کے مختلف مقامات میں سادات عظام آباد ہیں ازان جملہ تین مقامات کے سادات خاص طور پر مشہور چلے آتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور خاندان باعتبار اپنی کثرت تعداد و اقتدار کے سادات بارہہ کا ہے۔ اس خاندان کے بعض افراد کا نام سلطنت مغلیہ کی تاریخ میں خاص طور پر مشہور و معروف ہے۔ یہاں تک کہ سلطنت مغلیہ کے دور آخر میں اسی خاندان کے دو بھائی حسن علی خاں و عبداللہ خاں بادشاہ گر کے لقب سے مشہور رہیں۔ دو باقی خاندان جو زیادہ مشہور ہیں امروہہ و بلگرام کے ہیں ان دونوں خاندانوں میں بھی امارت و ریاست و علم و فضل زمانہ دراز تک رہ چکے ہیں اور اب اس دور انحطاط و کس پرسی میں بھی بعض بعض قابل قدر ہستیاں ان میں نظر آجاتی ہیں۔ اس مقام پر ایک آزاد اور غیر جانب دار عہدہ دار سرکاری کی رپورٹ سے آزاد رائے کا نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا مسٹر اسمتھ سٹلمنٹ افسر نے ۱۸۷۰ء عیسوی میں تفصیلی رپورٹ امروہہ کے حالات کی مرتب کی تھی جس کا ترجمہ صاحب واسطیہ نے درج کیا ہے وہیں سے ایک حصّہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے:—

یہ بات ضروری ہے کہ اکبر سے بہت پہلے سید ایک جماعت تھے اور ہندوستان کے اہل اسلام میں ایک عمدہ جماعت خیال کیے جاتے تھے۔ آئین اکبری میں امروہہ کی نسبت یہ لکھا ہے کہ یہ پہلے بہت بڑا قصبہ تھا اب سرکار سنبھل کے تعلق میں ہے اس کے سید مشہور خاندانوں میں سے ہیں۔ مختلف اخبار سے جو نتیجہ میں نکال سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اکبر کے وقت میں امروہہ کے سید بارہہ کے سیدوں سے دوم درجہ پر خیال کیے جاتے تھے۔ مجھ کو انہیں کاغذات سے اس کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ حسب و نسب بارہہ کے سیدوں کا بہت مشتبہ ہے ان کی جنگی قوت سے ان کو امروہہ کے خاندان پر ترجیح تھی بارہہ کے سید اپنی بنیاد ابوالفرح واسطی سے بیان کرتے ہیں اور امروہہ کا خاندان سید شرف الدین واسطی سے .... یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سید شرف الدین نے سیدوں کو ساتھ لے کر تگون کو زیر کیا تھا جن کے قبضے میں اس وقت تک امروہہ تھا۔ تگون کی طاقت کو زوال ہوتے ہی سیدوں کی طاقت شروع ہوئی۔ اعلیٰ مرتبہ جو کہ سیدوں کو اپنے پیشوا (مورث) کے۔ بیٹے کی شادی ایک شہزادی کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوا تھا اور زنگوں کے زیر کرنے میں جو خدمات کہ انہوں نے کی تھیں ان کی وجہ سے ان کو معافیات حاصل ہوئیں جن میں کی ہنوز باقی ہیں۔ سیدوں کی عمدہ حالت شروع ہونے کی بنیاد کچھ ہی کیوں نہ ہو ان کو بہت بڑے عطیات دیے گئے تھے ممکن ہے کہ خلجی اور تغلق کے زمانہ میں کیونکہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے وہ اکبر کے زمانہ میں ہندوستان کے بڑے رؤسا میں گنے جاتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ شہر امروہہ کو تاریخ ہند میں کوئی خاص تاریخی اہمیت تو حاصل نہیں ہوئی لیکن صاحبان علم و فضل و اولیاء کرام ہمیشہ سے اِس مشہور بستی میں ہوتے آئے ہیں۔ سب سے اول ہم بعض اولیاء اللہ و بزرگان دین و مشایخ عارفین کا حال جو سرزمین امروہہ میں آسودہ ہیں یہاں کتب تواریخ سے نقل کرتے ہیں:۔

صاحب آئینہ عباسی نے اولیاء کاملین امروہہ کا حال مختصر مگر جامع تحریر فرمایا جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:۔

اول و اقدم و اسبق ایشاں جناب ولایت مآب **سید شرف الدین شاہ ولایت** خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ بہت آدمی آپ سے فیض یاب ہوئے اور اکثر کرامات آپ کی کتب سیر میں مندرج ہیں آپ کی درگاہ شبانہ روز زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ بچھو اندر حصار درگاہ بلکہ درگاہ کا بچھو اور جگہ لے جاؤ جب بھی نہیں کاٹتا آپ نے سلسلہ جناب باری سے چاہا تھا امتناع ہوا آپ نے بیعت اپنے خاندان میں موقوف کردی۔ **سید گنج رواں** اول صاحب ولایت یہاں کے تھے۔ زیارت نوبت خانہ میں ہے۔ اولاد عثمان پور میں ہے۔ جناب **سید نصیر الدین غوری** ان کا مزار جانب غرب امروہہ کنارہ بانسدیو تالاب پر ہے۔ اپنے وقت میں یہ صاحب ولایت تھے۔ جب سید شرف الدین تشریف لائے حضرت ممدوح صاحب ولایت ہوئے۔ حضرت بہاؤالدین زکریا کے خلیفہ ہیں۔ اور نبیرہ مولانا بدرالدین اسحاق خلیفہ گنج شکر اولاد نوگیان میں۔ **سید عزالدین** یہ جناب بڑے کمل اولیا سے ہیں معلوم نہیں کہ جناب

سید صاحب کے پیر بھائی ہیں یا سید صاحب سے استفادہ اٹھایا۔ ان کے
ہاں .... ان کا مزار جانب جنوب شاہ ولایت ہے۔ حاجی حرمین
شریفین اور ان کی والدہ کاملین سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سید عزالدین صاحب
کے خلیفہ ہیں۔ منجملہ مجاہدوں کے والدہ ضعیفہ کو کندھے پر لے کر حج کو گئے
تھے۔ اور کبھی پشت بیت اللہ کو نہ کی اُلٹے پھرے ہیں۔ زیارت ان کی
مشہور ہے بڑے صاحب جلال و تصرف ہیں۔ اور چند شہدا اندر شہر کے
آپ کے قرب وجوار زمانہ سابق کے محلہ چکلی اور قصابوں میں ہیں۔
شاہ عبد المجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ تین سو برس ہوئے شاہ ولایت
میں رہتے تھے۔ قطب وقت تھے بڑے صاحب تصرف قریب عیدگاہ
ان کا مزار شریف ہے بہت شخصوں کو فیض ہوا۔ شاہ علاول صاحب
جن کی زیارت گوشہ جنوب اور مشرق ان کی زیارت کے واقع ہے۔ شاہ گھاسی
جن کی زیارت مع احاطہ و باغ مشہور رہے۔ اور شیخ عبد الحکیم جن کی زیارت
روبروے مقبرہ صحن مسجد میں ہے۔ آپ کے خلفا سے ہیں سب کے
سب کامل الوجود وحید العصر تھے رحمۃ اللہ علیہم ـــ شیخ عبد اللہ معروف
بہ شیخ ابن امروہہ سے خدا کی جستجو میں نکلے اور شیخ احمد نام مجذوب سے
صحبت اٹھائی۔ ایک دن شیخ احمد نے فرمایا کہ حضرت نے تم کو دہلی جانے کی
بشارت دی ہے۔ جس منزل میں جاتے ایک شیخ احمد کو پاتے۔ دہلی میں بھی ایک شیخ احمد
ملے اور ان کے ذریعہ سے خدمت شیخ علاء الدین صاحب چشتی میں کہ فیل مست ان کو
کہتے تھے پہنچے اور مرید ہوئے اور بہت کچھ حاصل کیا۔ پھر پیر نے فرمایا کہ اکبرآباد کو جاؤ۔

ہرچند انکار کیا پھر ارشاد ہوا جب اکبرآباد گئے شیخ علاؤل ازبلاول مجذوب صاحب حال تھے انہوں نے
کہا کہ دو تلواریں ایک نیام میں نہیں رہتیں - وہاں سے امروہہ چلے آئے
اور سلوک طریقت کا قبول کیا اس میں جذبات الہٰی نے پکڑ لیا اور بڑے
سالک مجذوب ہوئے - باوجود اس قدر جذب کے کبھی کوئی امر خلاف شریعت
نہ ہوتا تھا - اور بہت کرامات ظاہر ہوئیں اور ہزارہا مرید ہوئے اور
فائدہ اُٹھائے - پندرہویں ذالحجہ ۹۹۳ھ ہجری یا ۹۹۵ھ ہجری میں وفات
پائی - تاریخ مشہور ہے (آہ - آہ - از شیخ ابن آہ آہ) اور **شیخ نور صاحب**
صاحبزادہ کلاں بسا مرد بزرگ و صاحب حال تھے - وقت سماع کے پیراہن
ان کا سینہ پر سے جل جاتا تھا - خدمت صدارت سنبھل اور امروہہ اور
مقامات اس کے ان کے تھے مقبرہ شیخ ابن گوشۂ جنوب اور شرق امروہہ
مشہور اور مزار شیخ نور بھی وہیں ہے - مخدوم عالم و غوث عالم فرزند ان شیخ نور
ہیں - صاحب سجادہ بڑے صاحب کمالات تھے لکھوکھا مرید اسی خاندان میں
تھے - اور ایسا ہجوم عرس میں ہوتا تھا کہ اس ملک میں نہیں ہوتا تھا - اب
کوئی اس خاندان میں صاحب حال و قال نہیں رہا - صاحب علم و دول چند
صاحب ہیں **سید شاہ گدا** صاحب بڑے کامل الوجود اولاد حضرت
محبوب سبحانی ہیں مزار شریف ان کا تالاب کینٹھیہ کے قریب واقع ہے
سید منعم - و سید نتھو و شاہ عبداللہ جوگ ان کے مزارات
جانب جنوب شہر بکنار تالاب نتھو والی واقع ہیں - **حکیم شہید عباسی**
ہمارے دادا ہیں بڑے صاحب جلال ہیں تین سو برس ہوئے ان کا

مزار باغ انبہ موسوم شہید والے میں ہے۔ مبارک شہید شہدائے سلف سے ہیں مزار ان کا جانب جنوب برلب سڑک ڈھکہ واقع ہے بھورے خاں شہید یہ بھی بڑے صاحب جلال ہیں ان کا مزار جانب مشرق برلب آب جول واقع ہے۔ سید الہ داد مزار ان کا مراد آبادی دروازہ برلب سڑک مراد آباد واقع ہے بڑے صاحب علم و کمال تھے۔ کتب تاریخ میں ان کا ذکر مندرج ہے۔

سید ابراہیم شہید شہداء میں سے ہیں بڑے صاحب تصرف تھے مزار شریف ان کا جانب شمال برلب سڑک تا جپور واقع ہے۔ شاہ عبدالہادی صاحب بڑے بزرگ صاحب تصرف تھے درگاہ ان کی امروہہ سے شمال میں ہے۔ معروف و مشہور ہیں ان کے گھر میں تعلیم چلی آتی تھی۔ اب میاں غلام مصطفیٰ صاحب و حکیم رحیم اللہ صاحب ان میں ہیں۔ شاہ رحمت اللہ صاحب بڑے بزرگ کامل تھے مزار ان کا جانب غرب متصل قریشیان واقع ہے۔ سید عبدالغنی صاحب ہنگام آور سکھوں کے یہاں کے صاحب خدمت تھے بڑے کامل الوجود محافظت امروہہ کی کرتے یعنے یہ فرماتے تھے کہ یا فقیر نہیں یا شہر نہیں چنانچہ بعد رفع فساد سکھوں کے انتقال فرمایا محلہ نلون پر برلب سڑک دہلی مزار ہے۔ شاہ پناہ صاحب بڑے مجذوب کامل تھے۔ صدہا کرامات بیان کرتے ہیں متصل شاہ عبدالغنی صاحب برلب سڑک دہلی زیارت واقع ہے۔ حاجی غلام علی صاحب خلفائے جناب حافظ موسیٰ صاحب چشتی صابری بڑے صاحب مجاہدہ تھے اور

ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ صدہا آدمیوں کی ذات کو فیض ہوا محلہ چلہ پر
برلب سڑک دہلی ان کی زیارت مشہور ہے جناب **سید مولوی رمضان علی صاحب**
مجاہد بڑے صاحب تقویٰ و عزم تھے جیسے علمارِ دین ہوتے ہیں۔ مزار قریب
حاجی صاحب کے ہے۔ جناب **سید مولوی امانت علی** صاحب خلیفہ
حافظ موسیٰ صاحب کے ہیں۔ بڑے صاحب تقویٰ و زاہد کامل الوجود تھے۔
اس زمانہ اخیر میں چشتیوں میں ایسا صاحب تقویٰ میں نے نہیں دیکھا صدہا
آدمیوں کو فیض ہوا۔ اُن کا مزار جانب غرب متصل شاہ عبد الغنی صاحب کے
واقع ہے۔ اب ان کے بیٹے مولوی سید انوار الحق و حافظ اسرار الحق و ابرار الحق
سلمہ اللہ تعالیٰ بڑے لائق و فائق موجود ہیں۔ **صوفی رحیم اللہ** اور
سید نور علی جڑودی بڑے صاحب حال اور قال تھے۔ بہت بزرگوں
کی خدمت کی تھی جناب **مولوی سید عبد الحی** صاحب نقشبندی مجددی
بڑے صاحب تقویٰ جناب قبلہ و کعبہ شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
کے خلفا سے تھے۔ محلہ ملانون میں مسجد بڑ تکیہ میں مزار ہے۔ جناب
مولوی سید امام الدین صاحب بھی خلفاء جناب شاہ صاحب ممدوح
رحمۃ اللہ علیہ سے ہیں۔ بڑے متقی متوکل گوشہ نشین تھے بڑا فیض ان سے
ہوا مزار ان کا تکیہ شاہون میں لب سڑک حسن پور کے واقع ہے۔ مولوی
سید شاہ ضمیف اللہ صاحب یہ بھی نقشبندی مجددی تھے خلفائے
جناب شاہ صاحب موصوف قدس اسرارہم حافظ سید مہربان علی صاحب
جناب مولوی سید امام الدین صاحب کے خلیفہ ہیں بڑے متقی اور متوکل

لطف سننے قران شریف کا آپ کی زبان سے ہے۔ سلمہ اللہ تعالیٰ حکیم محمد عنایت اللہ و حکیم محمد کفایت اللہ ان کے مرید تھے۔ جناب شاہ امین اللہ صاحب بڑے صاحب مجاہدہ و تقویٰ و کمال تھے۔ ان کے والد کو کہ جناب شاہ احسان علی نقشبندی کے خلیفہ تھے۔ مشہور بشوق الٰہی میاں پناہ شاہ مجذوب نے بشارت دی تھی کہ بٹیا شوق الٰہی گھر کو جاؤ تمہارے لال ہوا ہے مگر لال بھی لال ہی ہوا ہے۔ علوم ظاہر میں بھی مشہور تھے۔ تصوف سمجھتے تھے۔ مزار ان کا مولوی صاحب کے جانب پا ہے۔ اب ان کے صاحبزادہ محمد بہاء الدین صاحب خلیفہ جناب مرشدنا و مولانا مولوی عبدالرحمٰن شاہ جہان پوری نقشبندی مجددی صاحب مجاہدہ و تقویٰ ہیں۔ اور لوگوں کو تعلیم فرماتے ہیں۔ سلمہ اللہ تعالیٰ حافظ عباس علی خاں بڑے صاحب نسبت و مجاہدہ ہیں۔ مولوی فخر الدین احمد عرف حکیم بادشاہ الہ آبادی قادری و نقشبندی مجددی کے خلیفہ ہیں (از نقل آئینہ عباسی)

صاحب تاریخ واسطیہ ان الفاظ میں اولیاء اللہ امروہہ کے حالات تحریر کرتے ہیں:—

(فصل سوم بیان میں درگاہوں و مقبروں و روضوں کی کہ جو بزرگان دین و مشائخ عارفین کے قصبہ امروہہ میں واقع ہیں) اوّل درگاہ جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت قدس سرہٗ العزیز جانب غرب شہر سے بہت مشہور و معروف ہے۔ روز پنجشنبہ کو صبح سے تا وقت شام اکثر ساکنان شہر

اہل اسلام وہنود وغیرہ بطریق زیارت وفاتحہ خوانی سواریوں میں اور پیادہ وہاں جاتے ہیں۔ اور بوقت شام اکثر ددکاندار شیرنی وغیرہ کی بھی بیرون احاطہ درگاہ موصوف دوکانیں لگاتے ہیں اور اہل شہر شیرنی مول لے کر ان کے مزار مطہر فاتحہ دے کر باہم تقسیم کرتے ہیں اور مجاورین کو دیتے ہیں وہاں ہجوم مثل میلے کے ہوتا ہے اور اکثر اشخاص اہل اسلام بروز جمعہ بعد نماز صبح وہاں جا کر فاتحہ خوانی کا معمول رکھتے ہیں۔ بلکہ اکثر اشخاص بطور چلہ کے ہر روز وہاں جاتے ہیں اور بہت آدمی مرقد اقدس پر جاکر تلاوت قران کرتے ہیں۔ یہ امر عظمت وجلالت مراتب جناب مخدوم ممدوح پر کالشمس فی رابعۃ النہار دلالت کرتا ہے کہ اندر احاطہ درگاہ شریف کے بچھو بکثرت ہوتے ہیں۔ اندر احاطہ درگاہ شریف کے وہ نیش زنی نہیں کرتے۔ اکثر اشخاص واطفال کف دست پر رکھے ہوئے اندر احاطہ کے لیے ہوئے پھرتے ہیں۔ انشاء اللہ صراحت اس کی بحوالہ کتب تواریخ ذکر فضائل جناب شاہ ولایت ممدوح میں عنقریب بوضاحت بیان ہوگی۔ اور اندر احاطہ درگاہ شریف کے مزار جناب مخدوم ممدوح کا ایک حودہ بنا ہوا ہے۔ اندر اس حودہ کے قبر جناب شاہ ولایت و نیز اس کے برابر جانب شرق قبر ان کی بی بی عصمت مآب مکرمہ ومعظمہ بی بی فاطمہؓ کی ہے۔ اور بیرون حودہ مذکور پا انداز جانب جنوب کو جناب شاہ ولایت کے بڑے بیٹے میر علی بزرگ کی قبر اور ان کی بی بی عصمت مآب کی قبر ہے اور ان دونوں قبروں سے پا انداز جانب مذکور کو قبر سید شرف الدین جہانگیر اور میر علی بزرگ بن سید شرف الدین شاہ ولایت اور ان کی بی بی معظمہ کی

قبر ہے۔ ان قبروں سے پا انداز طرف مغرب بی بی بخوی بنت حضرت شاہ ولایت کی ایک قبر ہے یہ ناکتخدا تھیں ان کا انتقال حیات میں جناب شاہ ولایت ممدوح کے ہوا تھا۔ یہ بی بی بڑی باخدا زاہد و پارسا تھیں۔ ان کی عصمت و عظمت تمام شہر میں مشہور ہے۔ تمام شہر کی عورات خاص و عام ان کا بڑا اعتقاد رکھتی ہیں ان کی قبر پر بھی مثل مزار جناب ولایت مآب ممدوح تمام شہر کی عورات برائے حصول حاجت چلہ بندی کرتی ہیں۔ اور اکثر تقریبات شادی وغیرہ میں ان کی فاتحہ کے چاول ایک نئی تہال میں بہت احتیاط اور پرہیزگاری سے پکائے جاتے ہیں۔ غیر عورت یا کوئی مرد نزدیک اس تھال کے نہیں جاتے اور پرہیزگار عورات و پاک طاہر اس تھال کے چاول کھاتی ہیں۔ اور ایک دیوار چھوٹی مثل ٹٹی مزار جناب شاہ ولایت سے غرب کی جانب بہت نزدیک کو واقع ہے۔ زیر پشت اس دیوار کے سید راجی بن سید عبدالعزیز بن مخدوم شاہ ولایت کی قبر ہے۔ اور زیر دیوار شمالی اندر احاطہ درگاہ شریف کے چند مزار برابران صاحبوں کے واقع ہیں کہ ہمراہ جناب شاہ ولایت کے تشریف لائے تھے۔ اور متصل ہر دو دروازہ جنوب رویہ و مشرق رویہ ایک حجرہ قاضی سید خدا دیے عرف قاضی سونا برسن کا بنا ہوا ہے۔ پیش میں حجرہ مذکور کے دو قبریں ایک جناب قاضی صاحب موصوف کی دوسرے ان کی بی بی عظمت مآب کی واقع ہیں۔ اور نیز اندر احاطہ مذکور کے زیر پشت مسجد و زیر دیوار شرقی اولاد جناب قاضی صاحب موصوف کی قبریں ہیں۔ اور زیر جوتہ شمالی حجرہ مذکور ایک قبر شیخ معین الدین کی کہتے ہیں اور بیرون احاطہ

درگاہ موصوف کی جانب شمال مائل بغرب بیش دریچہ سید محمد ابدال بن سید عبدالعزیز
بن مخدوم شاہ ولایت ممدوح عرف دو دہا دھاری کی ہے۔ سابق میں اس قبر کا
احاطہ نہیں تھا۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ سید علی مظفر خاں بن سید امان علی خاں نے
ایک احاطہ وہاں بنوایا ہے۔ اور اپنے بھی قبرستان وہاں کر لیے ہیں۔ چونکہ فی
زماننا کوئی تمیز و تخصیص درگاہ شریف میں باقی نہیں رہی اس وجہ سے
بعض قبریں غیروں کی اور بعض سادات کی اندر احاطہ درگاہ شریف کے
بلا احتیاط کسی امر کے ہوگئی ہیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ اور بیرون احاطہ درگاہ شریف
کے ہزار ہا قبور ہر چہار طرف سادات کی اور اکثر عوام الناس کی ہیں۔ مگر زیادہ تر
بیرون احاطہ موصوف کی بھی قبریں اولاد جناب قاضی خدا دیئے موصوف کی
ہیں اور عرس بھی جناب مخدوم شاہ ولایت ممدوح کا تین روز ماہ رجب میں
ہوتا ہے ۱۹ تاریخ کی صبح سے ۲۱ تاریخ تک تا وقت شام بہت مجمع ہوتا ہے۔
خصوصاً تاریخ ۲۱ ماہ مذکور کو کہ یہ تاریخ وفات آنجناب ممدوح کی ہے۔ تین چار گھنٹہ دن
سے آٹھ سات بجے شب تک تمام شہر کے سادات عظام و شرفاء کرام و دیگر
جملہ خاص و عام کا بہت بڑا مجمع و میلہ رہتا ہے۔ ہر شخص علیٰ قدر مراتب و
حسب مقدرت ہر قسم کی شیرینی وہاں لے جاکر بعد ادائی فاتحہ تقسیم کرتا ہے۔
اس میں سے درگاہ شریف کے مجاوروں کو بھی دیتا ہے۔ بلکہ بعض اشخاص
مجاوروں کو وہاں کے کسی قدر نقد بھی اس روز دیتے ہیں۔ اور دوکانیں
شیرینی کی تواریخ مذکور میں وہاں بہت ہو جاتی ہیں بکثرت شیرینی وہاں
کے دوکانداروں کی فروخت ہوتی ہے۔ مگر یہ عرس جناب شاہ ولایت کی

اولاد میں سے و دیگر سادات میں کوئی نہیں کرتا سوائے سادات کے اور
لوگ کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک تاریخ میں مجاور اس درگاہ کے جو کچھ اہتمام روشنی
ونوبت وغیرہ کا ہوتاہے کرتے ہیں۔ دوسری تاریخ میں بڑہ تلے والے
کایست صرف معمولی روشنی وغیرہ کا کرتے ہیں۔ تیسری تاریخ میں تمام شہر کے
قصاب سوائے صرف معمولی کے چاول مثل پلاؤ کے پکواکر وہاں تقسیم کرتے
ہیں سوائے اس کے اور دیگر عوام الناس بھی تاریخ مذکور میں ایسا عمل کرتے
ہیں اور تاریخ ۱۲ مذکور کو اکثر حفاظ شہر بعد نماز مغرب قل پڑھتے ہیں بعد قل پڑھے جانے کے
کل مجمع وہاں کا برخاست ہوجاتا ہے انشاء اللہ فضائل حمیدہ وخصائل جلیلہ
مع ثبوت وحوالہ کتب تواریخ ایک جدا فصل میں عنقریب بیان ہونگی فقط۔
دوسرے درگاہ **سید اعزالدین** صاحب کی سامنے درگاہ سید شرف الدین
شاہ ولایت کے جانب جنوب کو واقع ہے۔ اور جس کے محاذ میں شرق کو حاجی حرمین
کا مزار ہے۔ بعض مورخین نے اسم شریف ان کا سید عبدالعزیز بھی لکھاہے۔
چنانچہ کتاب مقاصد العارفین کہ جو شیخ عضدالدین امروہوی بن شیخ چاند
بن شیخ عیسٰی ہرگامی نے سنہ گیارہ سو گیارہ میں تصنیف کی ہے۔ اس میں
اسم شریف ان کا سید عبدالعزیز تحریر ہے اور صاحب تاریخ اصغری نے بھی
اپنی کتاب میں ان کا نام موافق مقاصد العارفین کے تحریر کیاہے۔ اور صاحب
مقاصد العارفین نے حالات سید عبدالعزیز میں یہ عبارت بزبان فارسی تحریر
کی ہے:۔ مخدوم چون اول نار بامروہہ بر تودۂ ریگے بایستاد وگفت
درین جا بوئے یگانگی می آید این توده را در کنید بموجب امر ریگ آن جا

واکردند قبرے بر آمد سر در مراقبہ فرو بردو در عالم سکر رفت چون بصحو باز آمد
فرمود کہ درین قبر قطب العالم سید عبد العزیز قدس سرہ کہ یکے از خلفاء شیخ
ماست بطریق سیر درین جا رسیدہ بقضائے الٰہی شربت اجل چشیدہ سید
قدس سرہ صاحب مقامات عالیست وکرامات کاملہ دارد آنچہ کسے را دوازدہ
ماہ از من حاصل شود درین جا بچہل روز حاصل آید ۔ ہر چند سید من بولایت
این دیار مامور نیست اما ہر کہ بزیارت ما آید زیارت سید را مقدم خواہد داشت
انتہیٰ بلفظہ اور کتاب اسراریہ کہ جو ۹۵۰ھ ہجری میں سید محمد کمال بن سید لال
ساکن سنبھل نے جو اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت سے تھے تالیف کی ہے
اس میں اسم شریف آنجناب ممدوح سید عزیز الدین بحوالہ کتاب ثمراۃ القدس
تحریر ہے ۔ پس صورت مرقومہ میں کتاب مقاصد العارفین سے کتاب اسراریہ
باون برس پہلے مستند ثبوت ہو لہٰذا مؤلف نے نام سید عزالدین مطابق اسراریہ کے
تحریر کیا ہو ۔ یہ حکایت بحوالہ کتاب ثمراۃ القدس کتاب اسراریہ میں منقول ہو اور عرس
سید عزالدین ممدوح کا تاریخ یکم شوال بروز عید الفطر بڑے نلے والے کا یست ہر سال کیا کرتے ہیں
فقط تیسرے مزار **قاضی سید عبد اللطیف** صاحب کا درگاہ شریف مخدوم سید شرف الدین
شاہ ولایت کے سامنے جانب شرق واقع ہو ۔ کتاب اسراریہ میں بحوالہ ثمرات القدس و نیز کتاب
مقاصد العارفین میں خوارق عادات قاضی صاحب ممدوح کا مذکور ہو ۔ نقل عبارت کتاب اسراریہ یہ ہے :-
(در ثمرات القدس مے آرد کہ قاضی عبد اللطیف امروہہ از ملک واسطی است
اقضی القضاۃ است واز فحول علماء روزگار خود بود ۔ چون در ہندوستان
اُفتادہ دست وزبان منصب باز داشت وروئے بعبادت حق تعالیٰ آورد

وبمرتبہ کمال است چون حیات وے مختصر گردید نباشی راکہ در امرو ہہ
مشہور بود طلب داشت وبرابر بہائے کفن خود می داد وگفت زنہار
گرد قبر من نگردی وے این معنی راقبول نمود بعد ازان کہ وفات یافت و
ویرا بگور کردن آن نباش را قوت طامعہ درحرکت آمد وعہد خود فراموش
کرد ورفت وقبر وے بکند چون دست دراز کرد وخواست تاکفن برگیرد
وے دست ویرا بگرفت این بے چارہ از ہیبت در ساعت جان داد۔
صاحبش دید کہ دست وے درون است وخود بہفتاد مردم ہرچند جہد کردند
کہ دست وے را خلاص کنند نشد این خبر بہ سید شرف الدین جہانگیر کہ
ذکر وے انشاء اللہ آید رسید برسر قبر وے بایستاد وگفت قاضی را نباید
کہ باین ہمہ خود را ظاہر سازد کہ شرط این راہ نیست دست ویرا بگزار
خدمت ویرا در خواب دیدم کہ می فرمودند کہ نباشش را در جوار من
دفن نمائید کہ اللہ تعالےٰ ویرا بیامرزد۔ فرمود ہر کہ بزیارت
ما آید اول زیارت قبر وے نماید۔ اکنون قبر وے بجانب پائین اوست)
ونیز کتاب مقاصد العارفین میں قاضی صاحب ممدوح کو خلیفہ دوم جناب
مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت کا لکھا ہے۔ بطور نقل انتخاب عبارت
کتاب مذکور یہ ہے :۔

(خلیفہ دوم سید عبداللطیف است لقب وے قاضی است مقام عالی
داشت صاحب کرامت بود خارق عادات او بشتر اند یکے از خوارق
اوست چون وفات یافت ہم دران قصبہ بفاصلہ یک پرتاب تیر از

درگاہ مخدوم اورا دفن کردند دزدے درآمد نیم شب گورش کندید چون نزدیک رسید کہ دست بکفن دراز کند و بکشد لاش آن بیدار باطن بظاہر بیدار شد و دست دزد گرفت و بخفت دزد از ہیبت او بمرد چون روز درآمد مردم جمع آمدند و این ماجرا معائنہ کردند و دزد را از دست خلاص کردند و قبرش ترتیب دادند۔ آوازے از قبر شنیدند کہ این دزد را پائین ما دفن کنید و ہر کہ بزیارت ما آید اول زیارت وے کند کہ دست وے بگرفتہ ام ہمان جا دفن کردند)

چوتھی درگاہ شیخ عبد المجید کی ہے۔ یہ مقبرہ سامنے عیدگاہ کے شرق کی طرف اور مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت کی درگاہ سے غرب کو واقع ہے۔ نیز ان کا بھی ذکر کتاب اسراریہ اور مقاصد العارفین میں بصراحت درج ہے۔ تاریخ رحلت ان کی اسراریہ میں شب یازدہم ربیع الآخر ۵۰۰ھ ہجری لکھی ہے۔ اور مقاصد العارفین میں وفات ان کی یازدہم ربیع الثانی ۱۰۰ھ ہجری تحریر ہے۔ پانچویں مقبرہ جناب سید عبد الحکیم صاحب کا کہ جو اولاد جناب میر علی بزرگ بن مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت سے تھے۔ جنوب کو درگاہ شاہ عبد المجید سے ملا ہوا ہے ان کا بھی ذکر کتب مذکورہ میں بصراحت لکھا ہے لیکن مقاصد العارفین سے کسی قدر عبارت کا انتخاب کرکر بطور خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے وھو ھذا (نقل است درحرم سہ روز متواتر قوت نیافت و درون حجرہ قدم بیرون نکشید۔ شب چہارم شریف مکہ حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ را در خواب دید کہ می فرماید فرزندم سید عبدالحکیم ہندی
از سہ روز گرسنہ نشستہ پیش وے برو و تواضع کن وطعام بوے رسان
چون بیدار شد در حرم آمد و ندا کنان می گفت کہ فرزند رسول سید عبدالحکیم
ہندی کجاست سہ بار بر در حجرہ او گشت و ہیچ جوابش نداد بار چہارم لاچار
گفت عبدالحکیم ہندی یکے منم شریف بتواضع در پیش آمد و کیفیت خواب
نقل نمود گفت کسے کہ آنجناب عالی بالطاف یاد فرماید شاید آنکس دیگرے
باشد چون دیگر آنجا نبود شریف باوے گردید وخدمت وے طاعت دید
فضائل میر بروے کشف گردید رفتہ رفتہ این خبر بسمع عام افتاد و مردم
بروہجوم کردند و بہ نیاز بسیار آمدن گرفتند وشہرت وے تا مدینہ رفت
بعد زیارت حرمین شریفین شوق زیارت مزار شیخ قدس سرہ بردلش غلبہ
کرد۔ بہ ہندوستان مراجعت فرمود بوطن رسید) اور کتاب مذکور میں تاریخ
وفات ان کی بست وہفتم ماہ ذالحجہ شب جمعہ سنہ ۱۰۰۱ ہجری تحریر ہے ان کے
عقب کوئی باقی نہیں رہا۔ چھٹی درگاہ سید نصیرالدین غوری کی
متصل تالاب بالسندیو کے بہت مشہور معروف ہے ان کی درگاہ میں خر
گم شدہ پایا جاتا ہے۔ اس کا ذکر آیندہ کو بحوالہ ثبوت بیان فضائل جناب
مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت مین تحریر ہوگا۔ ساتویں شاہ ابنّ کا
روضہ شہر سے جانب جنوب واقع ہے۔ کتاب اسراریہ میں نام ان کا
شیخ عبداللہ معروف بشیخ ابن تحریر ہے۔ ونیز دیگر حکایت خوارق عادات
ان کی اور ان کے بیٹوں کی بطوالت درج ہیں۔ اور کتاب طبقات اکبری

میں بجملہ ذکر مشائخ ہندوستان کے فقط اس قدر تحریر ہے۔ شیخ ابن امروہہ
اور کتاب شرح منتخب التواریخ مطبوعہ منشی نول کشور کے صفحہ ۱۳۱۴ پر یہ
عبارت لکھی ہے۔ (شیخ ابن امروہوی یہ سالک مجذوب تھے اور باوجود
جذبہ کے کوئی دقیقہ اتباع شریعت سے فروگذاشت نہ ہوا تھا خوارق ان کے
بہت مشہور ہیں مرید بھی کرتے تھے) اور کتاب اسرار یہ مذکور میں یہ مصرع
تاریخ وفات میں ان کی تحریر ہے ع آہ۔ آہ از شیخ ابنؔ آہ آہ۔ اور
پانچ روز تک عرس بھی اولاد ان کی عمدہ طرح سے کرتی ہے فقط آٹھویں۔
شاہ اللہ داد کا مزار پانڈے کے باغ کے نزدیک جانب شرق شہر
سے واقع ہے سابق میں وہاں ایک تکیہ تھا مگر صاحب تاریخ اصغری نے
بحوالہ طبقات اکبری ان کا نام شاہ اللہ داد عرف ملا اللہ داد تحریر کیا ہے۔
حقیقت میں جن کا نام شاہ اللہ داد اور تکیہ مشہور ہے وہ اور تھے اور
ذکر طبقات اکبری میں ملا اللہ داد تحریر ہے۔ وہ اور شخص تھے چنانچہ
صفحہ ۳۹۱ پر یہ عبارت مختصر کتاب مذکور میں تحریر ہے۔ (ملا اللہ داد
امروہہ مرد خوش فہم مشرب بود) جن کا یہ ذکر ہے ان کا مزار کسی موضع
میں امروہہ کے واقع ہے ثبوت اس کے کتاب شرح منتخب التواریخ
مطبوعہ منشی نول کشور میں صفحہ ۴۶۸ و ۴۶۹ پر ذکر علمائے عہد اکبری میں
یہ عبارت تحریر ہے (مولانا اللہ داد امروہوی ملا اور مستعد خوش طبع بے
قید شیریں سخن خوش صحبت ندیم پیشہ تھے۔ ظرافت اور علم مجلسی ان میں
بہت تھا بادشاہی سپاہیوں کے زمرہ میں متعین تھے۔ کسی قدر اسباب

جمیعت انہوں نے اکٹھا کر لیا تھا۔ مصنف صاحب لکھتے ہیں کہ مجھ سے
ان کو بہت محبت تھی۔ جب لشکر اکبر کا اٹک گنگ کو جاتا تھا نواحی سیالکوٹ
میں انہوں نے وفات پائی ان کی لاش کو وہاں سے لاکر نواحی امروہہ کے
کسی گاؤں میں جہاں کی آب وہوا ان کو نہایت پسند تھی دفن کیا فقط)
ونیز کتاب مسطور میں صفحہ ۳۶۵ پر نسبت ان کی یہ عبارت مرقوم ہے۔
(سیالکوٹ سے تین کوس پر ملا اللہ داد امروہوی کا انتقال ہوا بعد اکبر نے
نواح لاہور سے صادق خاں کو حکومت بکر پر نامزد کیا فقط) ونیز کتاب مذکور
کے صفحہ ۴۲۸ و ۴۲۹ پر انہیں ملا اللہ داد کا تذکرہ لکھا ہے۔ ونیز کتاب
اقبال نامہ جہانگیری میں واقع سال بست وششم از جلوس جلال الدین
محمد اکبر بادشاہ تذکرہ ورود وموکب نصرت طراز بساحل دریائے سندھ میں
منجملہ دیگر مجاہدان صف شکن کے انہیں مولانا اللہ داد امروہہ کا نام بھی
لکھا ہے۔ نویں **شیخ گھاسی** کا روضہ درگاہ سید عزالدین کے گوشہ شرقی
وجنوب میں واقع ہے۔ کسی قدر خلاصہ ان کا مقاصد العارفین سے نقل
ہوتا ہے وھوھذا (رئیس الاولیا میر سید عبدالحکیم قدس سرہ بود ومناقب او
علیحدہ نوشتہ خلیفہ سوم مجمع کمالات معنوی عارف معارف صاحب الشرع
ولا امتاز عشاق شیخ گھاسی قدس سرہ بود صاحب کشف خوارق بودہ و
بیشتر از میر سید عبدالحکیم قدس سرہ یافتہ وآخر عمر بمقامی عالی رسیدہ تاریخ
بست ونہم رمضان المبارک ۹۰۱ھ ہجری لاولد وفات یافت قبر وے نیز
در امروہہ واقع است) دسویں **شاہ عبدالہادی** کی درگاہ شہر سے

شمال کی طرف واقع ہے۔ گیارہویں شاہ رحمت اللہ کی درگاہ متصل محلہ
قریشی جانب غرب ہے۔ بارہویں پیر بخش صاحب کی درگاہ شہر سے
شرق کو مرادآبادی دروازہ کے آگے واقع ہے۔ تیرہویں شیخ قطب صاحب
کا مقبرہ شہر سے جانب شمال متصل احمد نگر کے ہے۔ برج اس کا بہت عمدہ
اور خوبصورت بنا ہوا ہے۔ چودہویں۔ شہزادہ ابراہیم شہید کا مقبرہ
جانب شمال شہر سے واقع ہے۔ سنا گیا ہے یہ مقبرہ احمد شاہ درانی نے
ان کی قبر تلاش کرا کر تیار کرایا تھا۔ سوائے ان درگاہوں اور مقبروں کے
اکثر مزار شہیدوں اور بزرگوں کے بیرون شہر و اندرون شہر واقع ہیں
تشریح بیان ان کا موجب طوالت ہے (تواریخ واسطیہ)

ان کے علاوہ بعض دیگر اکابر کے مزار بھی ہیں مثلاً درگاہ حاجی سلیمان رح بادشاہی
چبوترہ میں شاہ شکر اللہ رح کا مزار محلہ دستار سیاہ میں مزار حضرت شاہ پیرک رح محلہ
نیازیان میں مزار حضرت شاہ عضد الدین جعفری رح محلہ نوگزہ میں۔ مزار حافظ عباس علی
خاں صاحب رح متصل روضہ درویش علی خاں مرحوم۔

ان کے علاوہ بعض دیگر اکابر کے مقبرے بھی امروہہ میں ہیں۔ مثلاً مقبرۂ
درویش علی خاں مرحوم و مقبرہ سید اسد اللہ خاں مرحوم عرف میر کلو وغیرہ وغیرہ۔

کوئی تاریخی عمارت امروہہ میں قابل ذکر موجود نہیں ہے۔ اب سے تین سو سال
قبل میراں سید عبدالماجد نبیرہ سید محمد میر عدل نے قلعہ تعمیر کرایا تھا اور اس میں اپنے
محلات وغیرہ بھی تعمیر کرائے تھے جو سب منہدم اور نابود ہو گئے۔ قلعہ کی دیوار کہیں
کہیں سے ابھی باقی ہے۔ اور قلعہ کا شرقی دروازہ بھی قریب بانہدام باقی ہے۔

ضمیمہ ۴۰

دیوان سید محمود (نبیرۂ سید محمد میر عدل امیر اکبری)
کی امارت و ثروت کا آخری نقش

تلک آثارنا تدل علینا - فانظروا بعدنا الی الآثار
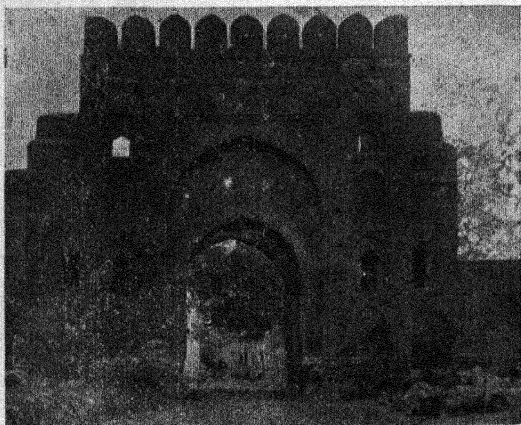
قلعہ دیوان سید محمود کا شرقی دروازہ (امروہہ)

اب تک تو قلعہ کا نام باقی ہے آیندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے
تو رہے کیونکہ یہ نام بھی دست جان نہ آخر
مدت سے اسے دور زماں میٹ رہا ہے
(تاریخ امروہہ)

اس قلعہ کی تعمیر کا آغاز میراں سید عبدالماجد مذکور نے کیا اس کی تکمیل ان کے فرزند نامدار دیوان سید محمودؒ نے کی اور یہ قلعہ اب تک قلعہ دیوان سید محمود کے نام سے موسوم ہے۔ دروازہ کی اندرونی کمان کے شمالی پایہ پر پتھر لگا ہوا ہے جس میں یہ عبارت کندہ ہے

اللہ اکبر

"در عہد سلطان عالی شان صاحب قران ثانی شہاب الدین محمد شاہجہاں غازی"

"خلد اللہ ملکہ سیادت مآب میراں سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود"

شد چو این قلعہ خورمی افزا — خوب مضبوط و خاص مستحکم

خواستم سالش از دبیر خرد — گفت بشمار قلعہ خورم

باہتمام بندہ کمال خاں خانہ زاد شہر رمضان المبارک سنہ ۱۰۵۲ھ [معماران]

صرف یہی ایک عمارت امروہہ میں ایسی ہے جسے کچھ تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ اور جس سے اس کے بنانے والوں کی دولت و ثروت کا کچھ سراغ مل سکتا ہے۔ صاحب تاریخ امروہہ کے قلب پر اس قلعہ کے شکستہ در و دیوار دیکھ کر جو اثر ہوا خود انہیں کے الفاظ میں سنئے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

اس قلعہ کے آثار کی تلاش و جستجو میں ایک دن خاکسار مؤلف چلتا پھرتا تالاب کوٹھک پر جا نکلا شکستہ بارہ دری میں آکر کھڑا ہوا تھا کہ چشم تصور نے ایک پر بہار منظر سامنے پیش کر دیا جو کبھی عہد شاہجہانی و عالمگیری میں وا قعاً یہاں ہوگا عالیشان دیوان خانے۔ وسیع محل سرائیں۔ پر فضا پائین باغ۔ آراستہ بازار۔ ہر طرف چہل پہل۔ خوشی و خرمی۔ وجیہ و شکیل باشندے۔

مہذب و باوقار مجلسیں ۔ سنجیدہ مذاق علم و عمل کا چرچا ۔ اذان کا شور تکبیر کی آوازیں ۔ پھر یکایک پردہ ہٹا ایک نیا منظر سامنے آیا ۔ مکان بھی وہی اور مکین بھی وہی لیکن نہ وہ متانت نہ وہ سنجیدگی نہ وہ علمی چرچا ۔ دن رات عیش و عشرت کے جلسے ۔ یاران بادہ پیما کے جمگھٹے ۔ طبلہ و سارنگی کے شور ۔ قہقہوں کی آوازوں سے کان کے پردے پھٹے جاتے تھے ۔ ابھی ابھی اس منظر کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھنے پایا تھا کہ ایک اور مرقع سامنے آیا ۔ اس کو دیکھ کر تو انسانیت شرمانے لگی اور شرم و حیا نے بھی نظریں نیچے کرلیں ۔ اتنے میں نہ وہ منظر تھا اور نہ وہ سماں ہی تھا اور قلعہ کے شکستہ کھنڈر ؎

امروہہ کا باغ تھا کبھی یہ — فردوس کا داغ تھا کبھی یہ
ہر غم سے فراغ تھا کبھی یہ — پُرنور چراغ تھا کبھی یہ
اب تو فقط اک کھنڈر پڑا ہے — اس گھر کو فلک بھی رو رہا ہے

یہاں سے آگے بڑھا چند شکستہ مکان نظر پڑے جو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا گلزار تھے مگر اب ۔

ہیں مکان صورت شکستہ دلاں — دو کھلے مثل دیدہ حیراں

غرض کہ قلعہ کے آثار قدیمہ ہیں اب صرف قلعہ کے دو دروازے اور فصیل کے چند ٹکڑے باقی رہ گئے ہیں جو دردمندوں کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتے اور سرائے فانی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں ۔ کل جس جگہ نوبت بجتی تھی آج وہاں زاغ و زغن کا بسیرا اور بوم کا پہرہ ہے ۔

کل جہاں پر تھا بلبلوں کا ہجوم — آج اُس جا ہے آشیانۂ بوم

کل جہاں پر شگوفہ و گُل سے تھے ۔ آج دیکھا تو خار بالکل تھے

اب تک قلعہ کا نام باقی ہے آئندہ شاید یہ بھی باقی نہ رہے ؎

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر ۔ مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

(تاریخ امروہہ)

اس قلعہ کی تعمیر سے قبل کی چند عمارات امروہہ میں موجود ہیں مثلاً مسجد جامع کیقبادی محلہ سدو میں ہے۔ اور سدو کی مسجد کے نام سے موسوم ہے ۶۸۶ھ ہجری میں ملک عنبر سلطانی حاکم امروہہ نے اسے تعمیر کرایا تھا کتبہ ذیل اس مسجد میں پتھر پر موجود ہے۔

"امر ببناء هذه العمارت المسجد المبارکة فی عهد دولة السلطان المعظم ظل الله فی العالم معز الدنیا والدین المخصوص بعباد رب العالمین القائم بتائید الرحمن ابو المظفر کیقباد السلطان خلد الله ملکه وسلطانه العبد الضعیف الراجی الی رحمة الربانی عنبر سلطانی فی الغرة من شهر المبارک رمضان سنه ست وثمانین وستمائة"

۹۶۴ھ ہجری میں یہ مسجد شکستہ ہوگئی تو قطب الدین قناق خاں حاکم امروہہ نے اس کی مرمت و تعمیر کرائی۔ ایک فارسی نظم اس تعمیر و ترمیم کے متعلق پتھر پہ کندہ مسجد میں موجود ہے۔ جس کا آخری شعر تاریخی یہ ہے:۔

تاریخ ایں خجستہ بنا بر رواق چرخ ۔ کلکِ قضا نوشت بنائے قناق خاں

اس کے بعد سید محمد میر عدل امیر اکبری نے ۹۸۱ھ ہجری میں اس کی

مرمت کرائی اور تعمیر میں بھی اضافہ کیا اس کے متعلق کتبہ ذیل مسجد میں پتھر پر کندہ ہے

به عہد اکبر غازی جلال دولت و دیں — مدار ملک و ملل بادشاہ ظل اللہ
زمانہ خادم درگاہ اوست بے تکلیف — ستارہ بندۂ میزان اوست بے اکراہ
بنا نمود در امروہہ مسجد جامع — معز دین محمد امیر خلق پناہ
سپہر مرتبہ سید محمد عادل — کہ وصف او شدہ اوراد خلق بیگہ و گاہ
دلم چو نکتۂ تاریخش از خرد پرسید — جواب داد روان مصرع خوش و دلخواہ
مگو زہائے اخیر و بگوئے تاریخش — بنائے میر عدالت پناہ عالی جاہ
قائلہ و کاتبہ عارفی ۹۸۱ھ

اس کے بعد ۱۱۶۲ھ ہجری میں عام چندہ سے اس مسجد کی مرمت ہوئی۔ شیخ سدو کے میلے اس مسجد میں مدت دراز تک ہوتے رہے ہیں جس سے مسجد کا اصل مقصد وضعی فوت ہوا اور مسلمانان شہر نے ایک دوسری مسجد کو شہر کی جامع مسجد قرار دیا جو پانباڑی کی مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ یہ مسجد سید عبدالخالق بن دیوان سید محمود نبیرہ سید محمد میر عدل امیر اکبری نے تعمیر کرائی تھی۔ اور یہیں سید صاحب موصوف کا قبرستان بھی تھا جس میں سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل و دیوان سید محمود وغیرہ کی قبریں تھیں۔ مختلف اوقات میں مسلمانان شہر نے اس میں ترمیم و اضافہ کیا۔ اور تیرہویں صدی ہجری کے اختتام پر اس مسجد میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ امروہہ کا افتتاح ہوا۔ اس کے بعد بھی توسیع عمارت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور اسی توسیع کے سلسلہ میں مسجد کے گوشۂ شمالی میں جو قبور بانی مسجد اور ان کے خاندان والوں کی تھیں منہدم کر دی گئیں۔ شہر کی اس بڑی مسجد کے علاوہ بعض دیگر قدیم مساجد بھی موجود ہیں۔

مثلاً مسجد حاجی سلیمانؒ بادشاہی چبوترہ میں ۔ شیرے کی مسجد کٹرہ غلام علی میں ۔
مسجد سید ابدال محمد لکڑون میں ۔ مسجد میر سید اسد اللہ خاں صاحب گذری میں ۔
مسجد بصری بیگم بڑے دربار میں وغیرہ وغیرہ بعض مساجد ایک صدی کے اندر
تعمیر ہوی ہیں جو قابل ذکر ہیں ۔ مثلاً اشرف المساجد شفاعت پوتوں میں جو ۱۲۸۲ھ
میں تعمیر ہوئی یہ شیعان امروہہ کی جامع مسجد ہے ۔ اور اپنی زیبائش اور فن تعمیر
کے لحاظ سے امروہہ کی مساجد میں بہترین ہے ۔ حافظ عباس علی خاں صاحب مرحوم
نے بھی ایک مسجد خوبصورت تعمیر کرائی ہے جو شارع عام پر موجودہ عمارت تحصیل
امروہہ کے قریب بجانب غرب واقع ہے ۔ بعض دیگر مساجد بھی قابل ذکر ہیں ۔
مثلاً مسجد چلہ محلہ کوٹ میں جسے سید ابو القاسم بن سید محمد میر عدل کی زوجہ محترمہ
مسماۃ زینب نے ۱۰۲۹ھ ہجری میں تعمیر کرایا اس مسجد میں حضرت محبوب سبحانی
قطب ربانی جناب غوث اعظمؓ کا ایک چلہ بنا ہوا ہے ۔ جس سے یہ مسجد چلہ
مشہور ہوئی ۔ بلکہ محلہ کوٹ کا یہ حصہ ہی محلہ چلہ سے موسوم ہوگیا ہے ۔

امروہہ قدیم سے درس و تدریس کے لیے بھی مشہور چلا آتا ہے ۔ قدیم مدارس
میں سے تو اب کوئی باقی نہیں رہا ۔ جدید مدارس میں حکومت کی جانب سے
انگریزی تعلیم کے لیے ہائی اسکول موجود ہے ۔ اس کے علاوہ انگریزی تعلیم کے
لیے دو اسکول اور بھی ہیں جن کے نام ہندو اسکول اور امام المدارس ہیں ۔
امام المدارس سادات محلہ بگلہ کی کوششوں سے قائم ہے ۔ عربی فارسی کی تعلیم
کے لیے چند مدارس ہیں ۔ از انجملہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع مسجد یا بناڑی و
مدرسہ عربی واقع مسجد چلہ و سید المدارس واقع محلہ شفاعت پوتہ و نور المدارس

واقع محلہ دانشمندان زیادہ مشہور ہیں۔ مسجد سید اسد اللہ خاں صاحب مرحوم واقع محلہ گذری میں بھی مدرسہ موجود ہے۔

آثار قدیمہ عہد ہنود میں سے امروہہ میں اب کوئی عمارت باقی نہیں ہے۔ امروہہ سے دو ڈھائی میل فاصلہ پر بجانب شمال وغرب ایک باؤلی ہے جو بائین کا کنواں مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اہل ہنود کی یادگار ہے۔ تالاب بانسدیو متصل محلہ قریشی کے متعلق بھی یہی خیال کیا جاتا ہے۔

عیدگاہ شہر بجانب غرب آبادی سے فاصلہ پر مقام مرتفع پر بنی ہوئی ہے۔ اس میں پتھر پر حسبِ ذیل قطعہ کندہ ہے:۔

ساخت بہر خدا غلام احمد — این مبارک اساس نیک بنا
بہر تاریخ این سروش زغیب — عیدگاہ خجستہ داد ندا

امروہہ میں متعدد تقریبات اجتماعی شان سے ہر سال منعقد ہوتی ہیں ازانجملہ امروہہ کا عشرۂ محرم اور تعزیہ داری دور دور مشہور ہے۔ امام باڑے خاص اہتمام سے آراستہ کیے جاتے ہیں۔ علم اور تعزیوں کے جلوس مقررہ تواریخ واوقات میں نکلتے اور مقررہ راستوں اور مقامات پر ہر سال گشت کرتے ہیں ماہ صفر میں مجالس اربعین جابجا برپا ہوتی ہیں۔ اور لکھنؤ وغیرہ سے ذاکرین ان میں بلائے جاتے ہیں۔ بیس۲۰ صفر کو چہلم کے تعزیے بھی نکلتے ہیں عیدین کی نماز اہل سنت عیدگاہ کلاں اور بعض دیگر مقامات مثلاً درگاہ پیر بخش کی مسجد متصل مراد آبادی دروازہ وغیرہ میں ادا کرتے ہیں شیعہ حضرات کی نماز عیدین اشرف المساجد واقع محلہ شفاعت پوتہ میں ہوتی ہے۔ گیارہویں کا میلہ چلہ پر ہر سال گیارہ ربیع الثانی کو لگتا ہے۔ سابق میں

اس میلہ کا نام عرس حضرت غوث اعظمؓ تھا۔ اس کے علاوہ غازی میاں کے نیزے اور شاہ مدار کی بیرق کے میلے بھی لگتے ہیں۔ ظاہر دیوان کی چھڑیوں کے میلے بھی امروہہ میں برسات کے زمانہ میں مختلف مقامات پر لگتے ہیں۔ ہندوؤں میں ہولی دیوالی جنم اشٹمی کے تیوہار حسب معمول منائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں بزرگان دین کے مزاروں پر مجالس عرس تواریخ مقررہ میں منعقد ہوتی ہیں۔

امروہہ کی صنعتوں میں ظروف گلی کی قدیم صنعت خاص طور پر دور دور مشہور ہے بنچہ کے پلنگ بھی یہاں کی مشہور صنعت ہے۔ حال میں قالین سازی کے فن کو قدرے فروغ ہوا ہے۔ سابق میں رتھ اور بھلیاں اور کشتی نما ٹوپیاں بھی بکثرت یہاں بنتی تھیں۔ اب یہ صنعتیں مردہ ہو چلی ہیں۔

اس حد تک ہم نے مختصر مختصر حالات امروہہ کے تعارفاً لکھ دیے ہیں اور بتفصیل لکھنے سے باظہار وجہ ہم نے معذرت بھی کر لی ہے۔ بعض دیگر امور کا ذکر بشرطیکہ ضروری سمجھا گیا جلد دوم میں کیا جائیگا۔ چند امور کا اظہار یہاں بھی کیا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ بستی سادات عظام کی نہایت قدیم و مشہور ہے۔ ہر مذہب اور ہر قبیلہ کے اہل اسلام یہاں کم و بیش موجود ہیں۔ لڑکی کا لین دین باہم حسب رسم و رواج برادری ہر ایک گروہ میں اپنے اپنے طریقہ سے ہوتا آیا ہے۔ سادات میں باہم لڑکی کا لین دین ہوتا ہے۔ غیر گروہ میں تعلقات مصاہرت کا قایم کرنا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ عام طور پر اس رواج کی پابندی ہر فرد خاندان پر لازم سمجھی جاتی ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اب تک کفو کریم سے سلسلہ مناکحت کے اصول پر نہایت سختی سے پابندی جاری ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اصحاب نے سادات میں بھی مختلف وجوہ کی بنا پر اس عام طریقہ و

آئین کی خلاف ورزی کا ارتکاب کہیں کہیں خال خال ضرور کیا ہے ۔ اور غیر مقامات پر مناکحت کا رشتہ قایم کیا ہے ۔ مگر ان کی تعداد بہایت ہی قلیل ہے ۔ اور ان کی اولاد بھی اپنے خاندان میں ہمیشہ ایک خاص نظر سے دیکھی گئی ہے ۔ عام قاعدہ اور طریقہ ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے کہ غیر خاندانوں میں نکاح نہیں کیا جاتا ہے ۔ اور دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس اصول کی پابندی جس سختی سے سادات امروہہ میں کی گئی ہے شاید ہی کسی دوسرے مقام پر اس کی نظیر مل سکے ۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی شاید کوئی خاندان اس کا دعویٰ نہیں کرسکتا ہے کہ سلف سے آج تک کسی جگہ اور کبھی کسی غیر خاندان میں اہل خاندان کے رشتے قائم نہیں ہوئے ہندوستان میں جن جن مقامات پر سادات صحیح النسب آباد ہیں اور بیرون ہند میں بھی سادات میں جا بجا غیر خاندان میں رشتہ داریاں قایم ہونے کی مثالیں بکثرت ملینگی ۔ جہاں تک اصالت و نجابت کا تعلق ہے دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سادات امروہہ کا نسب بفضلہ تعالیٰ سراسر مقبول انام اور دنیا کے صحیح ترین انساب سادات میں سے ہے ۔

زمانۂ حال میں اہل مغرب کی کورانہ تقلید میں جو پردہ شکن ہوا ہندوستان میں چلی ہے ۔ ہندوستان کے بڑے بڑے نجیب و شریف خاندان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ۔ یوماً فیوماً بجائے پردہ داری کے پردہ دری کے عصمت شکن طریقوں کو ترقی ہوتی جاتی ہے ۔ اور یہ کس طرح ممکن ہے کہ زمانہ میں رہ کر زمانہ کی ہوا کا اثر نہ قبول کیا جائے ۔ ہم نے بچشم خود دیکھ لیا کہ بڑے بڑے ہندوستان کے خاندانی لوگوں نے پردۂ نسوان کے قید و بند سے جو قدیم سے نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا ۔ اغیار کی

تقلید میں آزادی حاصل کرلی ۔ اور وہ بہت خوش ہیں کہ گویا ان کے آبا و اجداد جو خدا
اور رسول ؐ کے احکام کی پابندی کرتے تھے وحشی تھے ۔ اور اب اس وحشت سے انہیں
پردہ نسواں شکست کرکے آزادی ملی ہے ۔ جابجا ملک میں ترقی و تہذیب نسواں کے
دعاوی کے ساتھ مدارس کھولے جارہے ہیں ۔ روز بروز پردہ کی رسم اُٹھتی جاتی
ہے ۔ اہل مغرب نے اس نام نہاد آزادی نسواں کا جو تلخ تجربہ کیا ہے اس کے تفصیلی
اظہار کا یہ محل نہیں ۔ مختصر یہ کہ عصمت و پارسائی کا اکثر ممالک مغرب میں دیوالہ نکل چکا
ہے برہنگی بلکہ بہیمیت کے مناظر جابجا موجود ہیں ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سادات
امروہہ نے اب تک اس مسموم ہوا اور نام نہاد ترقی و تعلیم نسواں کا کوئی اثر قبول
نہیں کیا ہے ۔ بفضلہ تعالیٰ یہاں ابھی تک قرار فی البیوت کے حکم ربانی پر نہایت
سختی سے مستورات پابند ہیں ۔ اور ان مستورات پر مکشوفات کا اطلاق کسی ایک مقام پر
بھی نہیں ہوا ہے ۔ عصمت و عفت کی ضرب المثل جیتی جاگتی تصویریں سادات کی
حویلیوں میں موجود ہیں ۔ اور اگرچہ قدیم طریقے اور رسمیں بہت کچھ مٹ چکی ہیں ۔
خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک ان مستورات کی پارسائی و پاکدامنی ضرب المثل چلی آتی ہے
ہندوستان کے بعض مستند خاندانوں پر حیرت ہے کہ انہوں نے باوجودے کہ بے پردگی
کے شجر ملعونہ کے ثمرات خبیثہ کا بچشم خود اثر بد دیکھا اور دیکھتے جاتے ہیں ۔ لیکن تقلید
اور محض کورانہ تقلید نے ان نتائج کی طرف سے بے پرواہ اور ان کی حس شرافت کو
باطل کردیا ہے ۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ان مخدرات عصمت کی پارسائی کو تا
بقیام قیامت باقی رکھے ۔ اور دورِ حاضرہ کی وحشت اور بربریت سے انہیں دُور
رکھے ۔ اور یہ النساء قواماۃ علی الرجال کے سودائے خام سے باز رہ کر حدود فطرۃ

کو پامال نہ کریں۔

امروہہ میں علاوہ خاندان سادات کے دیگر شرفاء کرام کے خاندانوں میں بھی یہی آئین وقوانین پردۂ نسوان کے متعلق ہمیشہ سے چلے آتے ہیں اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ زمانہ کی اس مسموم ہوا کا اثر ابھی تک ان میں بھی نہیں ہوا ہے۔ امروہہ میں کثیر التعداد شرفا کے خاندان اب تک بھی اپنے قدیم طریقوں کی پابندی و وضع داری میں خاص طور سے نیک نام ہیں۔ اور ہمیشہ سے ذی منصب اور عالی مرتبت اشخاص ان میں ہوتے آئے ہیں بعض خاندانوں میں ارشاد و ہدایت و مشیخت کا سلسلہ بھی مدتوں جاری رہا ہے۔ غرض ہر قسم کی شرافتوں سے یہ خاندان مشرف رہے ہیں مثلاً خاندان شاہ عبدالہادی صاحبؒ قریشیوں میں۔ خاندان نواب وقار الملک بہادر بادشاہی چبوترہ پر۔ خاندان حکیم احمد علی خاں صاحب محلہ سدو میں وغیرہ وغیرہ۔ دور آخر میں نواب وقار الملک وقار الدولہ انتصار جنگ نواب مشتاق حسین صاحب کی ہستی امروہہ میں نہ صرف اہل امروہہ کے لیے باعث فخر تھی بلکہ تمام اہل ہند کو ان کی ذات گرامی پر ناز رہے۔ آپ کی ایک مستقل اور مبسوط سوانح عمری "وقار حیات" نامی طبع ہو چکی ہے۔ علاوہ ملکی اور سیاسی خدمات کے جو مملکت آصفیہ میں آپ نے انجام دیں آپ کی ملکی اور قومی خدمات نے مسلمانانِ ہند کی سیاسی رہنمائی و قیادت کے منصب عزیز و جلیل پر آپ کو پہنچایا۔ اور اقصائے ہند بلکہ بیرون ہند میں بھی آپ کا اور آپ کے تمام خاندان کا نام اور اس کے ساتھ ہی ساتھ امروہہ کا نام بھی روشن ہوا۔ آپ کے لائق فرزند مشتاق احمد صاحب بی۔ اے بیرسٹرایٹ لا اورنگ آباد کالج میں پروفیسر ہیں۔ نواب مشتاق حسین صاحب

موصوف کو خاندان سادات سے ایک خاص محبت تھی۔ اور اسی خاندان کے ایک فرد یعنے جناب مولٰنا السید رافت علی بن سید انعام علی از اولاد شاہ سید ابوالحسن بن سید محمدؒ میر عدل امیر اکبری (شجرہ نشان ۱۳) کے افادات درس سے جناب نواب صاحب ممدوح نے استفادہ فرمایا تھا۔ ۱۹۱۵ سنہ عیسوی میں نواب صاحب مذکور کا انتقال ہوا۔ خداوند عالم مغفرت کرے۔

سید و سادات سے کون مخاطب ہیں

سید بفتح اول و کسر ثانی مشدد عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے لفظی معنی پیشوا و سردار ہیں۔ اصطلاح میں البتہ باعتبار اپنے حقیقی معنی کی قربت کے باعتبار محل وقوع اس سے مختلف معنی مستفاد ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ ایک لفظ مختلف مقامات پر رب و شریعت و فاضل و حکیم و شوہر و رئیس و مقدم وغیرہ کے معنی دیتا ہے (سید القوم خادمہم) میں یہ لفظ خاص بمعنی سردار ہے۔ اور ہر قوم کے سردار کو اس قوم کا سید کہنا باعتبار معنی لغوی جائز ہے۔ اس طرح اپنے اپنے محل پر باعتبار اس محل کے اس لفظ کے معنی مستنبط ہوتے ہیں۔ (والفیا سیدہا لدالباب۔) (سورہ یوسف) یہاں یہ لفظ بمعنی شوہر ہے۔ البتہ اصطلاح انساب میں یہ لفظ انسانوں کے ایک خاص گروہ یعنے اولاد سیدۃ النساء العالمین جناب فاطمۃ زہرا کے ساتھ مخصوص ہے۔ جہاں تک نسب کا تعلق ہے سوائے اولاد جناب سیدہ کے کسی قریشی یا غیر قریشی کو سید نہیں کہا جاتا ہے۔ نہ باعتبار نسب دنیا میں کوئی غیر فاطمی عرفاً و اصطلاحاً سید مانا جاتا ہے۔

حال میں یہ بحث اٹھائی گئی ہے کہ جملہ بنی ہاشم باعتبار متحد النسب ہونے کے سید ہیں۔
اس بیان سے ہمیں کیا تمام عالم اسلام بلکہ تمام عالم کو اتفاق نہیں ہے۔ مشاہدہ سے
زیادہ کوئی قطعی دلیل اس بیان کی تردید کے لیے بہتر نہیں ہو سکتی ہے۔ آئیے اور
اقصائے عالم میں اچھی طرح چل پھر کر عوام وخواص سے دریافت کر لیجئے کہ باعتبار نسب
سید کسے کہتے ہیں۔ ہندوستان وافغانستان وعرب ومصر وشام وعراق وایران و
ترکستان وغیرہ ممالک اسلامیہ پر ہی بس نہیں اہل یورپ وامریکہ بلکہ تمام باخبر اقوام
عالم سے دریافت کر لیجئے کہ سید باعتبار نسب کے کیا معنی دیتا ہے۔ یقیناً ہر مقام سے
یہی جواب ملیگا کہ سید نسباً اس شخص کو کہتے ہیں جو آل رسول ہو بنی فاطمہ کے گروہ سے
ہو۔ ہر لفظ کے وہی اصطلاحی معنی مفہوم ہوتے ہیں جس میں اہل عالم اسے استعمال کرتے
ہیں۔ ولا غیر تمام عالم کی اس زندہ شہادت سے بڑھ کر اور کیا شہادت لفظ سید کے
باعتبار نسب بنی فاطمہ سے مخصوص ہونے کی ہو سکتی ہے۔

سوال صرف اس قدر ہے کہ سید باعتبار نسب کسے کہتے ہیں۔ یہ ایک سوال عرف
واصطلاح کی حد تک ہی ہے۔ اور بقول علماء اسلام عرف کا شرع میں کوئی اعتبار واثر
نہیں ہے۔ پس اس سوال کے حل کے لیے علماء دین ومفتیان شرع متین سے فتوے
طلب کرنا بے محل اور قطعاً نامناسب ہے۔ بالفرض یہ سوال درپیش ہو کہ مغل کسے
کہتے ہیں۔ اور مرزا ان کا خاندانی لقب ہے یا نہیں، تو ظاہر ہے کہ (چہ می فرمایند
علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں سوال کہ مغل کیست ولقبش مرزا جائز است
یا نہ) کے استفتا کو کسی طرح بھی کوئی ذی فہم برمحل نہیں کہہ سکتا ہے۔ پس اسی طرح لفظ سید
کی تحقیق کے لیے بھی علماء دین سے سوال کرنا برمحل نہیں ہے۔ ہمارے مذہب نے

سید و شیخ و مغل و پٹھان وغیرہ کی کوئی تفریق برہمن چھتری وغیرہ کی طرح نہیں کی ہے۔ اور نہ لفظ سید میں کوئی شرعی حقیقت مضمر ہے۔ بلکہ یہ صرف ایک اصطلاح ہے جو عام طور پر بولی اور لکھی جاتی ہے۔ اس کی تحقیق کے لیے علماء لغت و نسب سے البتہ سوال کیا جاسکتا ہے اور یا خود اس لفظ کے استعمال کرنے والوں کی عام شہادت قابل وقعت ہوسکتی ہے البتہ اگر یہ سوال ہو کہ سید و پٹھان وغیرہ میں کوئی ترجیح کسی کو مذہباً کسی پر ہے تو بلحاظ نوعیت سوال علماء دین سے رجوع ہوسکتا ہے۔ زندہ شہادت ہمارے بیان کی تائید میں تمام عالم کی موجود ہے۔ چہ مسلمان وچہ غیر مسلمان متفق الشہادت ہیں کہ یہ لفظ باعتبار نسب بنی فاطمہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس عینی و لسانی شہادت کی تائید میں اب ہم دستاویزی شہادت بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ لفظ سادات کی حقیقت کا انکشاف بھی ضروری ہے تاکہ دونوں کی یکجائی بحث مطالعہ سے گذر سکے۔

سادات جمع سادت است کہ در اصل سید بود۔ جمع تکسیر سائد و سائد بروزن فاعل بمعنی سید است۔ پس سادات جمع الجمع سائد باشد (غیاث اللغات) اس اصل کے تحقیق ہوجانے کے بعد ہم شہادت دستاویزی منقولی سے یہ ثابت کرینگے کہ لفظ سید و لفظ سادات ہر دو باعتبار نسب مخصوص بنی فاطمہ کے لیے ہیں اور غیر بنی فاطمہ کے لیے ان کا استعمال صحیح و درست نہیں ہے۔

لفظ سادات کا استعمال بھی لفظ سید کی طرح بنی فاطمہ کے گروہ کے ساتھ مخصوص ہے اس میں بھی کوئی غیر فاطمی ہاشمی یا قریشی یا اور کوئی بنی فاطمہ کا شریک نہیں ہے۔ بلکہ سادات اور غیر سادات میں شریفوں کی بستیوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے سادات کے مقابل شرفا کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ لفظ سادات خواہ کسی مقام پر بھی نسلی اور نسبی امتیاز کے لیے

بولا جائے ۔ اس کا حقیقی اور صحیح مفہوم بنی فاطمہ ہی ہے اسی پر اہل عالم کا اجماع ہے اور صدہا برس سے یہ اجماع علیٰ حالہ بحال اور اصطلاح بلا تغیر معنیٰ و مفہوم اپنی جگہ قایم ہے ۔ ہزارہا فرامین سلاطین وکتب و دیگر تحریرات اس کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہیں ۔ بر سبیل مثال ایک دو جگہ سے عبارات یہاں نقل کی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ اہل زبان اور باخبر اشخاص لفظ سادات کو باعتبار نسب مخصوص بنی فاطمہ کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔ اور دیگر بنی ہاشم سے اسے متعلق نہیں کرتے ہیں ۔ خواص کے علاوہ عوام بھی اس سے یہی مفہوم لیتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں :۔

چونکہ کوفہ والے **سادات** کے سوائے اور کسی خاندان کو مستحق نہیں سمجھتے تھے ۔ منصور نے ایک دوسرے دار الخلافہ کی تجویز کی (سیرۃ النعمان صفحہ ۳۶)

دوسرے مقام پر علامہ شبلی تحریر فرماتے ہیں :۔

صرف بدگمانی پر منصور نے **سادات** وعلوئین کی بیخ کنی شروع کردی ۔ جو لوگ ان میں ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں ۔ محمد بن ابراہیم کہ حسن وجمال میں یگانۂ روزگار تھے ۔ اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے ان کو زندہ دیوار میں چنوادیا ۔ ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے ۔ آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ ہجری میں انہیں مظلوم **سادات** میں سے محمد نفس زکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا (سیرۃ النعمان صفحہ ۴۴)

صاحب سیرۃ الشافعی تحریر فرماتے ہیں :۔

اصل بات یہ ہے کہ کیا خلفاء بنی امیہ اور کیا خلفاء عباسیہ **سادات** کی بیخ کنی
کے درپے رہتے تھے ۔ بنوامیہ تو جگر فاطمہ کا خون پی کر بھی سیر نہیں ہوئے تھے۔
بنوامیہ کے زوال پر جب خلافت عباسی کا دور آیا تو ان جانشینوں سے
لوگوں کو بڑی بڑی امیدیں ہوئیں مگر ان نئے جانشینوں کی نالائقیوں اور
بدکرداریوں کے آگے لوگ پچھلے ظلم بھی بھول گئے ۔ منصور نے **سادات**
مظلوم پر جو بے رحمیاں کیں ان کی دردناک داستان زمانہ کو ہمیشہ یاد رہیگی۔
امام شافعی رح کے پیدا ہونے سے چار پانچ برس پہلے خاص مدینہ میں
محمدؐ نفس زکیہ نے خروج کیا تھا ۔ بے چارے **سادات** بار بار سر اٹھاتے
تھے اور مارے جاتے تھے (سیرۃ الشافعی صفحہ ۴٦)

میرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں :۔

اگر وہ خلفاء عباسیہ کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ **سادات**
اور منصور میں کیسی مخالفت تھی ۔ وہ خلافت دبائے بیٹھا تھا اور **سادات**
اس کی شوکت و عظمت پر دانت پیستے تھے ۔ (حیات اعظم جلد اول صفحہ ۱۱)

علامہ اکبر شاہ خاں اپنی مشہور و معروف تاریخ میں لکھتے ہیں :۔

سادات کو خاندان نبوت کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان میں آنحضرت صلعم کا
خون بذریعہ حضرت فاطمہؑ شامل ہو مگر عباسیوں میں خاص آنحضرتؐ کے خون کی
آمیزش نہیں ہے ۔ لہٰذا ان کا خاندان خاندان نبوت [illegible] سکتا ہے۔

(تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۴)

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں :۔

اس وقت تک خلافت کی کوششیں **صرف سادات** اور علوئیں کی طرف سے ہوتی رہیں۔ **عباسی** خاندان اب تک بظاہر ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ علوئین میں سے عبداللہ جو محمد بن حنفیہ کے بیٹے اور حضرت علی کے پوتے تھے۔ اپنے پیروؤں کی ایک کثیر تعداد رکھتے تھے اور خراسان اور ایران میں جابجا ان کے خفیہ نقیب مقرر تھے۔ ۹۸ھ ہجری میں ان کو زہر دیا گیا اور چونکہ ان کی کوئی اولاد موجود نہ تھی اور نہ **سادات** میں کوئی صاحب اثر شخص موجود تھا اس لیے وہ محمد بن علی کو جو حضرت عباس کے پرپوتے تھے اپنا جانشین کر گئے (المامون صفحہ ۱۱)

ہم نے ان چاروں صاحبوں کی عبارات کو اس لحاظ سے نقل کیا ہے کہ یہ چاروں صاحب واقف حال اور ماہر زبان سمجھے جاتے ہیں۔ اور عالم بھی ہیں بحیثیت عالم دین و مفتی شرع متین ان کی عبارات سے استفادہ مقصود نہیں ہے۔ صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ بنی ہاشم میں ہی ایک گروہ سادات کے نام سے عرفاً و اصطلاحاً موسوم ہے۔ اور دوسرے گروہ مثلاً عباسی جو بنی ہاشم میں شامل ہیں گروہ سادات میں داخل نہیں کیے گئے یہ برسبیل مثال چند عبارات نقل کر دی گئی ہیں۔ اس قسم کی ہزار ہا مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ اور یہ اصطلاح اس قدر متعارف ہے کہ بغیر کسی ایک مثال کے بھی از خود واضح ہے۔ اردو کا مستند ترین لغت **فرہنگ آصفیہ** ملاحظہ فرمائیے جس میں سید و سادات کی تخصیص بنی فاطمہ سے کی گئی ہے۔ عربی کا مشہور ترین لغت **اقرب الموارد** جو عرب و مصر وغیرہ میں نہایت مقبول و مشہور ہے ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں لکھا ہے کہ **السید۔ لقب المسیح تبارك اسمه وعند المسلمین**

من کان سلالۃ نبیہم ۔ السیدان ۔ الحسن والحسین ابناء علی
کرم اللہ وجہہ ۔ اور یہی معنی دیگر کتب لغت مثلاً المنجد وغیرہ میں تحریر ہیں۔
انگریزی عربی فارسی کا جامع ترین مشہور لغت اسٹینگیس جو شاہی اہتمام سے مرتب کیا
گیا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ جس سے ظاہر ہے کہ یورپ میں بھی سید کا لفظ مخصوص بنی فاطمہ
کے لیے ہے۔ اسی طرح بے شمار کتب لغت وغیرہ میں سید و سادات کی تخصیص بنی فاطمہ کے
لیے ہے۔ دیگر بنی ہاشم مثلاً عباسی و عقیلی سے کوئی تعلق ان الفاظ کا کسی جگہ درج
نہیں ہے بلحاظ اختصار ہم نے معدودے چند کتابوں کا حوالہ یہاں دیا ہے۔ ورنہ
ایسے صدہا حوالے دیئے جا سکتے ہیں اور بوثوق تمام یہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے
کہ کسی مشہور و مقبول کتاب لغت میں سید و سادات کو کسی غیر فاطمی ہاشمی مثلاً
کسی عباسی و عقیلی وغیرہ سے اصطلاحاً باعتبار نسب متعلق نہیں کیا گیا
ہے۔

الغرض یہ امر مثل آفتاب نیم روز روشن ہے کہ الفاظ سید و سادات مخصوص
بنی فاطمہ کے لیے ہیں۔ اور یہ اصطلاح جو بین الانام مروج ہے کسی ایک شخص یا ایک
گروہ کی ساختہ پرداختہ نہیں ہے۔ بلکہ علم الالسنہ کے اصول کی بنا پر بوثوق تمام
کہا جا سکتا ہے کہ قبولیت عام و دوام کی بنا پر ان الفاظ کو بھی مثل دیگر
مستقل اصطلاحات کے مستقل معنی اور مفہوم اہل عالم کی طرف سے ملا ہے
اور اہل نظر اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبولیت عام کے بغیر کسی لفظ کے مستقل معنی اور مفہوم
پیدا ہی نہیں کیے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر لفظ انصار کو دیکھئے یہ لفظ نہایت درجہ
کثیر الاستعمال اور کلام اللہ و دیگر کتب میں بکثرت موجود ہے جس کے معنی یاری دہندگان

ہیں۔ لیکن تاریخ اسلام میں یہ لفظ ایک خاص مفہوم رکھتا ہے اور جب کبھی قرن اول کے مسلمانوں کے متعلق لفظ انصار کسی کی زبان سے نکلیگا اس کے مخصوص معنی وہی لیے جائینگے جیسے ہم سب جانتے ہیں اگر غور سے دیکھیئے تو کیا مہاجرین آنحضرت صلعم کے یاری دہندگان نہ تھے۔ تھے اور ضرور تھے بلکہ درجہ اولیٰ یاری دہندگان تھے لیکن لفظ انصار کے اصطلاحی اور عرفی معنی اس کے حقیقی معنی پر غالب ہیں اور مہاجرین کی جماعت کو کوئی باخبر شخص لفظ انصار سے یاد نہیں کرتا ہے ہماری زبان میں اور ہر زبان میں یہی آئین ہے کہ مسلمہ و مقبولہ اصطلاحی و عرفی معنی ہمیشہ حقیقی اور لغوی معنی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں کسی شریف بھلے مانس جائز آمدنی کمانے کھانے والے کے لیے حلال خور کہہ دیا جائے تو دیکھیئے کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کے کسب حلال میں کوئی شبہہ کرنے کی گنجایش نہیں ہے یہ سب تصرفات اہل زبان اور اہل معاملت کے ہیں۔ اس قبول عام کی سند کو کوئی فرد منسوخ نہیں کر سکتا ہے بلکہ الفاظ اپنے مفہوم و معانی کو قبولیت عام کی بنا پر ہی بدل سکتے ہیں۔ یہی حال لفظ سید اور سادات کا بھی ہے کہ یہ اپنی اصلی اور حقیقی معنی یعنی پیشوا اور سردار کا مفہوم باقی رکھتے ہوئے نسب کی حد تک محض بنی فاطمہ کے لیے بربناء قبول عام مخصوص ہو گئے ہیں۔ اس خصوصیت کی بھی خاص وجہ ہے اور اس قسم کی ہر تخصیص بعد تعمیم کوئی نہ کوئی وجہ اور فائدہ ضرور رکھتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلعم سے ہر مسلمان کو جو قلبی اور روحی محبت اور تعلق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ یہاں تک کہ حضور سے محبت جز ایمان ہے۔ پس حضور نے جن سے محبت فرمائی اور جن کی تعظیم و تکریم کی۔ بتقاضائے محبت تمام مسلمان بھی ان افراد سے

محبت کرنے اور تعظیم و تکریم کرنے پر مجبور و مجبول ہیں۔ سبحان اللہ کیا ہی خوب کہا ہے :۔

غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغول حق ہوں بندگی بوتراب میں

حضور سرور کائنات سردار دو عالم صلعم کی ذات قدسی صفات ہر قسم کی شرافت و نجامت کی جامع تھی ۔ وہ کونسی صفات حمیدہ ہیں جو بدرجہ اتم حضور میں موجود نہ تھیں۔ تمام عرب بلکہ تمام عالم اسلام نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ صلب مطہر آنحضرت صلعم جمیع اصلاب عالم سے طہارت و اصالت میں برتر اور دیگر تمام عالم کے اصلاب آپ سے درجہ میں کم تر ہیں ارشاد نبوی ہے کہ "من بہترین خلقم از روئے ذات و بہترین انسان از روئے نسب،، (مدارج النبوۃ صفحہ ۲۶۷)

اگر ایک طرف حضور کی ذات گرامی صفات سے جمیع قریش جمیع اہل عرب اور اس شجرۂ طیبہ کے تمام انبیاء سابقین ع کو فخر ہے تو دوسری طرف حضور کی اولاد امجاد و آل اطہار کے لئے بھی یہ شرف ہمیشہ کے لیے باقی ہے ۔ محدثین متفق ہیں حضور کے اس ارشاد پر کہ قیامت کے دن ہر نسب و سبب اور صہر قطع ہوگا مگر میرا نسب و سبب اور صہر قطع نہ ہوگا ۔ (الحدیث) سبحان اللہ یہ حضور ہی کی ذات ہے جو فخر عالم و عالمیاں ہے ۔ یہی وہ آفتاب عالم تاب ہے جس نے برج شرف سے طلوع ہو کر شش جہت کو نور بخشا ہے۔ ولنعم ما قیل ۔

یک چراغیست درین خانہ کہ از پرتو آن
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

اور اسی مضمون کو ہمارے ہندوستانی شاعر رسول اللہ میاں شہیدی مرحوم نے اس طرح

ادا کیا ہے۔

بڑھے آدمؑ اور ابراہیمؑ کے اس کے سبب رتبے
نہ تنہا فخر عالم۔ فخر تھا اپنے اب وجد کا

اگر حضورؐ سید اولاد آدم ہیں۔ تو حضور کی نور دیدہ جناب فاطمہ زہراؑ سیدۃ النساء العالمین ہیں (الحدیث) اور حضور کے صاحبزادےؑ سید اشباب اہل الجنہ ہیں اور حضور کے ابن عم اور داماد جناب امیرؑ سید العرب ہیں (الحدیث) یہ سب اسی آسمان ہدایت وسعادت کے شمس وقمر ہیں۔ پس ہے کوئی نسب دنیا میں جو اتنے محاسن وفضائل کا حامل ہو اور ہے کوئی ایسا خاندان جس میں اتنی سیادتیں جمع ہوں وہ کونسا خاندان ہے جو اس دودمان والاشان سے سیادت میں ہمسری اور برابری کا دعوے کرسکتا ہے۔ وہ کونسا سلسلہ نسب ہے جس کا ایک جد سید اولاد آدم ہو۔ دوسرا جد جوانان جنت کا سردارؑ تیسرا جد سید العرب ہو اور جدہ سیدۃ النساء العالمین۔ اتنی سیادتیں کسی ایک خاندان میں جمع ہولیں تو اس سلسلہ طیبہ عالیہ سے ہمسری کا دعویٰ زیب دے سکتا ہے (و ایں خیال است ومحال است وجنوں) اتنی سیادتوں کا یہ مجموعہ اتنے فضائل کا یہ اجتماع اتنی شرافتوں کا یہ قران جس سلسلہ نسب میں ہو اسے اگر سید وسادات کے لقب سے یاد نہ کیا جائے تو اور کسے یاد کیا جاسکتا ہے۔ پس اگر جمہور مسلمین نے اور ان کے ساتھ تمام عالم نے اولاد رسول کو سید وسادات کہا تو بالکل بجا اور درست ہے۔ فخر المحدثین و سند المورخین حضرت شاہ عبد الحقؒ مدارج النبوۃ میں قرابتداران رسول کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایں چار تن (علی وفاطمہ وابناہما) عمدہ ونخبہ ایں جماعت اند"

(جلد اول صفحہ ۱۰)

صاحب سعادۃ الکونین ؒ نے حضرت ابن عباس ؓ سے ایک روایت نقل کی ہے۔ جس کا ایک حصّہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :۔

پس آنحضرت صلعم خطبہ فرمود وگفت کہ خبر دہم شمارا بہ بہترین مردمان از روئے جد وجدہ ۔ حاضرین عرض نمودند کہ بلے یا رسول اللہ ۔ فرمود کہ بہترین مردمان حسن ؓ وحسین ؓ اند ۔ جد ایشان رسول خدا است وجدہ ایشان خدیجہ ؓ بنت خویلد است وآگاہ باشید ائے مردمان کہ خبر دہم بشما بہ بہترین مردمان از روئے پدر ومادر ۔ عرض نمودند کہ آری یا رسول اللہ ۔ پس فرمود کہ آن حسن ؓ وحسین ؓ اند ۔ پدر ایشان علی ؓ بن ابی طالب است ومادر ایشان فاطمہ زہرا دختر محمد رسول اللہ صلعم ۔ باز فرمود کہ خبر دہم شمارا بہ بہترین خلائق از روئے عم وعمہ ۔ عرض نمودند کہ نعم یا رسول اللہ فرمود کہ آن حسن ؓ وحسین ؓ اند کہ عم ایشان جعفر بن ابی طالب است وعمہ ایشان امہانی بنت ابی طالب است۔ وباز خبر دہم شمارا بہ بہترین مردمان از روئے خال وخالہ ۔ گفتند آری یا رسول اللہ فرمود کہ آن حسن ؓ وحسین ؓ اند کہ ماموی ایشان قاسم بن رسول اللہ وخالہ ایشان زینب ؓ بنت رسول اللہ صلعم است ۔ آگاہ باشید کہ پدر ایشان جنتی است ومادر ایشان جنتی است ۔ وجدہ ایشان جنتی وعم وعمۂ ایشان جنتی اند و ماموی وخالہ ایشان جنتی اند وایشان نیز بہشتی اند ۔ پس ہر کسے کہ دوست دارد ایشان را او ہم جنتی است ۔ وہر کسے کہ دوست دار ایشان باشد جنتی است واین حدیث بصحت رسیدہ وہمچنین طبرانی در کبیر وابن عساکر نیز

روایت کردہ برائے اختصار ترک نمودہ شد (سعادۃ الکونین صفحہ ۹۹)

اس کے بعد علامہ موصوف جو اہلسنت کے مشہور و مقبول عالم ہیں صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"اتفاق است علما را کہ آنچہ کہ فضیلت در نسب حسنین ؑ راست کسے دیگر را نیست۔"

یعنے علما کا اتفاق اس پر ہے کہ حسن ؑ و حسین ؑ کو جو فضیلت نسب میں ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں ہے۔ پس جو مسئلہ متفقہ علما ہو اور تمام عالم اسلام نے ہمیشہ سے اس کی تصدیق قولاً و فعلاً سراً و علانیۃً کی ہو اس کے اثبات کے لئے اس مقام پر بحث کو طول دینا اور کتب مقبولہ کی عبارات نقل کیے جانا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جسے اس خاندان عالی شان کی بے مثل شرافت اور لاجواب بزرگی کی تفصیلی بحث دیکھنا مقصود ہو صحاح و اخبار و آثار کی کتب ملاحظہ کرے ہماری یہ مختصر کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ اور ہم کہاں تک نقل کر سکتے ہیں۔ اب چند دیگر امور ضروری بیان کر لینے کے بعد اس بحث کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔

ایک صاحب نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ جملہ بنی ہاشم ایک ہی شجر کی شاخیں ہیں۔ اور باعتبار نسب و حرمت صدقات ان سب کے فضائل میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز بیان کیا جاتا ہے کہ اس اشتراک نسب و حرمت صدقات کی وجہ سے ہی جملہ بنی ہاشم سید ہیں۔ اور وجہ سیادت دراصل حرمت صدقات ہی ہے۔ نیز یہ بھی کہ جملہ بنی ہاشم کو سید کہا جاتا تھا۔ اور اس بیان کی تائید میں ایک مقام پر علامہ جلال الدین سیوطی کے "رسالہ زینبیہ" کی عبارت نقل کی ہوئی پائی گئی اور وہ یہ ہے:-

اسم الشریف یطلق فی الصدر الاول علی کل

من كان من اهل البيت سواء كان حسنيا ام علويا
من ذرية محمد بن الحنفيه وغيره من اولاد على ابن
ابی طالب ام جعفریا ام عباسیا ولهذا تخذ تاریخ
الحافظ ذهبی مشحونا فی التراجم بذالك يقول الشريف
العباسی الشريف العقيلی الشريف الجعفری
الشريف الزينبی فلما ولی الفاطمون بمصر قصروا
اسم الشريف علی ذرية الحسن والحسين فقط واستمر
ذالك بمصر الی الان وقال الحافظ ابن حجر فی كتاب
الالقاب الشريف ببغداد لقب لكل عباسی و
بمصر لكل علوی ولاشك ان المصطلح القديم
اولی وهو اطلاقه علی كل علوی وجعفری وعقيلی
وعباسی كما صنعة الذهبی وكما اشار اليه الماوردی
من اصحابنا والقاضی ابويعلی فرا من الحنابلة كلاهما
فی الاحكام السلطانيه ونحوه قول ابن مالك
فی الالفيه۔

ترجمہ:۔ اسم شریف کا اطلاق صدر اول میں تمام اہل بیت
کے افراد پر ہوتا تھا۔ عام اس سے کہ وہ حسنی ہوں یا حسینی ہوں یا
علوی ہوں اولاد جناب محمد بن حنفیہ کی یا سوائے ان کے دیگر اولاد جناب
علیؓ بن ابی طالب کی ہوں یا جعفری ہوں یا عقیلی ہوں یا عباسی ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم تاریخ حافظ ذہبی میں دیکھتے ہیں کہ بھرے ہوئے ہیں لوگوں
کے حالات میں یہ الفاظ کہ شریف عباسی شریف عقیلی وشریف جعفری وشریف
زینبی۔ لیکن جب فاطمیون کی حکومت مصر میں قایم ہوگئی تو انہوں نے لقب
شریف اولاد جناب حسنؓ اور جناب حسینؓ سے مختص کرلیا۔ فقط اور اب تک
یہ دستور مصر میں جاری ہے۔ حافظ ابن حجر کتاب الالقاب میں کہتے ہیں کہ
بغداد میں ہر عباسی کا لقب شریف ہے۔ اور مصر میں ہر علوی کا اس
میں شک نہیں کہ قدیم مصطلحات بہتر ہیں اور وہ یہ کہ لقب شریف کا
اطلاق ہر علوی وجعفری وعقیلی وعباسی پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذہبی نے
تحریر کیا۔ اور جس طرح ماوردی نے جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں اشارہ
کیا ہے اور قاضی ابو یعلیٰ فراتے جو حنبلیوں سے ہیں۔ احکام سلطانیہ میں
ذکر کیا ہے اور یہی قول ابن مالک کا الفیہ میں ہے۔

مخفی مباد کہ یہ عبارت اس بیان کی تائید میں پیش کی جاتی ہے کہ جملہ بنی ہاشم
چہ فاطمی وچہ عقیلی وچہ جعفری وعلوی سب سیّد ہیں ہمیں علامہ سیوطی کے
بیان کی تاریخی وقعت سے اس وقت بحث نہیں ہے۔ اور نہ اس طوالت میں جانے
کی کوئی ضرورت پائی جاتی ہے۔ اور یہ بالکل ایک علیحدہ بحث ہے کہ لفظ شریف کس کس
معنی میں اور کس کس دور میں کس کس کے لیے استعمال ہوا۔ اور اب کس کس کے لیے
لقباً باظہار نسب استعمال ہوتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے علامہ موصوف کے اس بیان کو
بے چوں وچرا صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہے کہ لفظ سید جملہ
بنی ہاشم کے لیے استعمال کیا جاتا تھا یا اب اس کا استعمال جائز ہے۔ اس عبارت میں

بار بار لفظ شریف کی تکرار ہے لفظ سید کا کوئی ذکر اس میں نہیں ہے۔ ممکن ہو کہ علامہ موصوف
کے زمانہ میں یعنے نویں صدی ہجری میں اور اس سے قبل لفظ شریف سے بغداد میں
بنی عباس مخاطب ہوں لیکن دور حاضر میں قطعاً ایسا نہیں ہے۔ جس سے یہ ثابت
ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح بھی بنی عباس کی حد تک اب مردہ ہو چکی ہے اور اس کے وہ معنی
اب باقی نہیں رہے۔ جو پانچ سو سال قبل عراق میں بقول علامہ موصوف لیے جاتے تھے
(والماضی لا یذکر والحال یعتبر) علم السنہ کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ الفاظ اور اصطلاحات
کے معنی اور محل استعمال میں خاص خاص حالات کے تحت تغیر ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔
اگر علامہ موصوف کا یہ بیان تاریخی وقعت رکھتا ہے کہ نویں صدی ہجری میں بغداد میں
عباسیوں کا لقب **شریف** تھا تو موجودہ حالات پر نظر کرتے ہوئے یہ امر بدرجۂ یقین
ثابت ہے کہ اب اس معنی میں یہ اصطلاح فنا ہو چکی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ عراق و
عرب اب یہاں سے دور بھی نہیں ہیں۔ بآسانی وہاں جاکر یا معتبر سیاحوں سے معلوم کیا
جاسکتا ہے۔ باوجود اس کے اگر کسی عقیلی یا عباسی یا جعفری کو اپنے نام کے ساتھ لفظ شریف
لکھنے کی خواہش ہو تو ضرور لکھیں۔ اور ہر معترض کو علامہ سیوطی کی اس عبارت سے مطمئن کرتے
جائیں۔ اور اپنے نام بھی اس طرح لکھیں۔ الشریف ابن عباس۔ الشریف ابن جعفر الشریف
ابن عقیل۔ بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ زمانہ اس لقب کو قبول عام کی سند عطا کرتا ہے
یا نہیں۔ صرف یہ ثابت کر دینا کافی نہیں ہے کہ اب سے پانچ سو برس پہلے یہ لفظ فلاں
جماعت سے متعلق تھا۔ بلکہ زمانہ حاضر میں اس کے متعلق شہادت پیش ہونا ضروری ہے۔
علامہ سیوطی کے زمانہ کے منسوخ شدہ رواج سے (بشرطیکہ وہ ثابت بھی ہو) زمانہ بعد کے
رواج پر استدلال کرنا اور حالات حاضرہ پر اس منسوخ رواج کو منطبق کرنا کسی طرح بھی

جائز نہیں ہے۔ نویں صدی ہجری اور اس سے قبل کے سکے کہ زمانہ حال میں بجز اس کے شوقینوں اور عجائب خانوں کے صندوقوں اور الماریوں کی زینت بنیں اب بازار میں سکہ رائج الوقت کے مقابل چلن میں نہیں آسکتے ہیں۔ اسی طرح اُس عہد ماضی کے القاب اور مختلف اصطلاحات کتابوں کے اوراق کی زینت ضرور ہوسکتے ہیں۔ مگر ان کا چلن اب نہیں ہے۔ بحث یہ ہے کہ اب ۱۳۵۲ھ ہجری میں لفظ شریف کسی عباسی یا عقیلی سے متعلق ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اس کے اثبات میں ۸۵۲ھ ہجری کے واقعات اور منسوخ القاب سے استدلال کرنا تقویم پارینہ سے استدلال کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ اور سید کی بحث ہی شریف سے علیحدہ ہے۔

ہمارے یہ تمام بیانات اگرچہ محتاج شہادت نہیں ہیں۔ اور ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ سید اور سادات سے کون افراد مراد ہیں۔ اور کون نہیں ہیں۔ لیکن بمزید اطمینان ناظرین کتاب ہذا ہم نے عہد حاضر کی ایک مشہور و عزیز ترین ہستی سے تحریری استفسار کیا اور اس کا تحریری جواب بھی حاصل کرلیا ہے۔ جسے ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ یہ شہادت نہایت درجہ قابل اعتبار علامہ فہامہ فرید عصر سید محمد بغدادی (ساکن محلہ سلطان پورہ حیدرآباد دکن) کی ہے۔ حضرت علامہ موصوف خاص بغداد شریف کے متوطن۔ ممالک اسلامیہ کے سیاح اور سلسلہ عالیہ رفاعیہ کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ مدت دراز سے آپ حیدرآباد میں اقامت فرما ہیں۔ خزانہ صرف خاص مبارک اعلیٰحضرت تاجدار آصفیہ سے پانسو روپیہ ماہوار جناب ممدوح کی ذاتی وجاہت و علم و فضل کی قدردانی کے طور پر ۱۳۳۰ف فصلی میں جاری ہوئے اور بالفعل آنجناب مسند ارشاد و ہدایت پر متمکن اور عروس البلاد حیدرآباد میں نہایت مشہور و معروف ہیں۔ آپ کے فرزند اکبر

سید فصیح اللہ الحسنی الحسینی درگاہ حضرت خدا نما واقع چنچولی ضلع گلبرگہ شریف کے سجادہ نشین ہیں۔ اور اس کی بڑی جاگیر بھی انجناب کے نام بجال ہو چکی ہے۔ حضرت علامۂ بغدادی (سلمہم اللہ تعالیٰ) سے ہم نے جو سوال تحریری کیا اور اس کا جواب جو علامہ موصوف نے تحریراً عنایت فرمایا ہے۔ یہاں خاص اس غرض سے درج کیا جاتا ہے کہ ناظرین کو اچھی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ لفظ سید و شریف کا استعمال ممالک اسلامیہ میں تمام افراد ہاشمی کے لیے ہوتا ہے یا مخصوص بنی فاطمہ کے لیے۔ بحیثیت عالم دین و مفتی شرع متین حضرت علامہ ممدوح سے ہم نے یہ سوال نہیں کیا بلکہ محض اس خیال سے کہ آنجناب ممالک اسلامیہ کے متوطن وسیاح و واقف حالات ہیں۔ اور آپ کی ذات والاصفات بہمہ جہت لائق اعتبار ہے۔ سوال و جواب کی عبارت یہ ہے:۔

سوال:۔ ما تولکم ایہا العلماء الواقفون ان لفظ السید و الشریف لدی الناس یستعمل فی مملکۃ العرب والشام ومصر ھل یستعمل لبنی فاطمہ ام یستعمل لکل بنی ھاشم۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ما سمعنا فی بلاد العراق والعرب ولا فی غیر ذالک من البلاد الاسلامیہ ان لفظ السید والشریف یستعمل لغیر بنی فاطمہ۔ واللہ اعلم بالصواب (السید محمد البغدادی الرفاعی القادری)

سوال کا مطلب یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں سید و شریف کا استعمال تمام بنی ہاشم کے لئے ہوتا ہے یا بنی فاطمہ کے لئے۔ جواب کا مطلب یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں ہم نے سید و شریف کا استعمال غیر بنی فاطمہ کے لیے نہیں سنا۔

یہ بھی علامہ سیوطی کی توضیح لفظ شریف کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ لفظ سید و لفظ شریف ۔ مترادف المعنی ہیں ۔ لہٰذا بجائے شریف کے سید بھی لکھا جاسکتا ہے ۔ اگر یہ تاویل کوئی وقعت رکھ سکتی تو ضرور تھا کہ خود زمانہ اسے قبول عام کی سند دیتا ۔ لفظ سید اور سردار ہم معنی ہیں ہم بجائے سید کے سردار لکھنا شروع کردیں تو ظاہر ہے کہ یہ توجیہ کسی کام کی نہیں ہے ۔ محض کسی لفظ کا مترادف المعنی ہونا ہی کافی نہیں ہے ۔ بلکہ بعض الفاظ اپنی ظاہری شکل کے اندر اپنے محل کے اعتبار سے کچھ نہ کچھ خصوصیات ایسی رکھتے ہیں کہ ان کے مترادف الفاظ سے ان کی جگہ کام نہیں لیا جاسکتا ہے ۔ ایسا ہر لفظ اپنے محل پر ہی وضع الشئی فی محلہ کا مصداق ہوتا ہے ۔ ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بجائے سید کے سردار اور پیشوا کے الفاظ تمام سادات کے ناموں کے ساتھ بحیثیت مترادف المعنی ہونے کے استعمال نہ کیے جاتے اور نہ آج اس کے لیے کوئی آمادہ ہوسکتا ہے کہ اپنے خاندانی لقب سید کو چھوڑ کر اس کے مترادف لفظ سردار یا ایسے ہی کسی لفظ کو اختیار کرے ۔ سرسید مرحوم سے اگر استدعا کی جاتی کہ جناب اپنا نام نامی بجائے سید احمد کے سردار احمد یا شریف احمد رکھ لیں کیونکہ سید اور شریف مترادف ہیں ۔ تو وہ اسے ہرگز منظور نہ فرماتے ۔ اس نامنظوری کی وجہ اہل عقل سے ہرگز پوشیدہ نہیں ہے ۔ اور اسے اجمالاً سطور ماسبق میں ذکر بھی کردیا گیا ۔ پس اگر علامہ سیوطی کا یہ بیان صحیح بھی ہے کہ کسی زمانہ میں عقیلیوں یا عباسیوں کو بغداد میں لفظ شریف سے مخاطب کیا جاتا تھا اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ اب بھی کیا جائے ۔ تو وہ حضرات جو اس بیان سے مستفید ہونا چاہیں لفظ شریف بطور خاندانی لقب کے اظہار نسب کی غرض سے استعمال کریں اور زمانہ کی قبولیت عام کے منتظر رہیں (فانتظروا انی معکم من المنتظرین)

یہاں جو کچھ بھی بحث ہے وہ یہ ہے کہ لفظ **سید و سادات** کا استعمال اظہاراً للنسب غیر فاطمی کے لیے اب اصطلاحاً جائز ہے یا نہیں۔ علامہ سیوطی کی عبارت منقولہ بالا اس کے جواب سے قطعاً ساکت ہے۔ اور اس سے کسی طرح بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا ہے کہ لفظ سید کا استعمال اظہار نسب کے لیے غیر فاطمی کو اصطلاحاً جائز ہے۔

رسالۂ زینبیہ کی بحث ہو لینے کے بعد اب یہ بحث باقی رہتی ہے کہ جملہ بنی ہاشم باعتبار نسب مساوی ہیں۔ پھر ان میں سید و غیر سید کی تفریق کس طرح جائز ہو۔ بے شک بنی ہاشم باعتبار نسب مساوی ہیں۔ بلکہ تمام قریش مساوی ہیں۔ اور اگر زیادہ وسیع النظری کو کام فرمایا جائے تو:۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند — کہ در آفرینش زیک جوہر اند

اس میں انکار کی کوئی گنجایش نہیں ہے لیکن قانون قدرت جسے الہامی زبان میں فضلنا بعضہم علیٰ بعض سے تعبیر کیا گیا ہے یہاں بھی کارفرما ہے۔ بے شک علوی و فاطمی و عقیلی و عباسی و جعفری پنج انگشت ایک ہی ہاتھ کی ہیں۔ ولیکن خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد اور ان میں سے ہر گروہ باعتبار اپنے مورثوں کے نسب و حسب و دیگر فضائل کے اپنی اپنی خصوصیات کا حامل ہے۔ یہ کسی طرح بھی تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ باعتبار فضل و شرف یہ سب شاخیں مساوی ہیں۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ باپ اور بیٹا۔ زوج و زوجہ۔ ماں اور بیٹی مساوی المرتبت ہوں۔ بلکہ تفضیل و عدم تفضیل کے لیے اُن میں سے ہر ایک کے منفرد حالات پر غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ بقول حضرت محدث دہلوی رح:۔

"و بسا کہ پسر فاضل تر از پدر باشد" (مدارج النبوۃ)

پس اس عالمگیر اصول کی بنا پر بھی افراد بنی ہاشم کے منفرد حالات کی بنا پر غور کیے بغیر سب کو محض متحد النسب ہونے کی بنا پر مساوی المرتبت قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔ ماننا پڑیگا کہ بعض خصوصیات عباسیوں میں ہیں جو عقیلیوں میں نہیں ہیں۔ بعض ان میں ہیں جو دوسروں میں نہیں اسی طرح سب کا حال ہے۔ بنی ہاشم کو جو نسبی افتخار و اعزاز حاصل ہوا وہ جناب رسالت مآب صلعم کی قرابت قریب کی وجہ سے ہے۔ اور ان میں سے جو فرد حضور اقدس کی ذات سے زیادہ قریب ہے وہ امت میں اسی قدر زیادہ مستحق اعزاز و اکرام ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بنی ہاشم میں جو شرف جناب امیرؑ کو جناب سیدۃ النساء العالمین کی تزویج سے حاصل ہوا وہ کسی دوسرے ہاشمی کو حاصل نہیں ہوا۔ دیگر تمام بنی ہاشم اس شرف عظیم سے محروم ہیں۔ یہ ایک بڑی وجہ اس خاندان عالی شان کی سیادت نسبی کی ہے جسے شیعہ وسنی اکابر و اصاغر۔ اعالی و ادانی۔ علما و صوفیا۔ مورخین و متکلمین۔ محدثین۔ و مفسرین۔ غرض ہر جماعت کے محبان آل رسول ہمیشہ سے تسلیم کرتے آئے ہیں۔ یہ وہ شرف ہے جو بنی فاطمہ ہی سے مخصوص ہے۔ بر سبیل مثال ایک دو تحریریں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی اپنی مشہور و معروف تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں :-

> بنو عباس بنو ہاشم تو ضرور ہیں لیکن وہ آنحضرت صلعم کے چچا کی اولاد ہیں۔ آنحضرت صلعم کی بیٹی کی اولاد نہیں ہیں جیسے سادات کو خاندان نبوت کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان میں آنحضرت صلعم کا خون فاطمہؓ کے ذریعہ شامل ہے۔ لیکن عباسیوں میں خاص آنحضرت صلعم کے خون کی آمیزش نہیں ہے۔ لہذا ان کا خاندان خاندانِ نبوت نہیں کہا جا سکتا۔ (تاریخ اسلام جلد (۲) صفحہ ۴)

غیر فاطمی اکابر بنی ہاشم بھی اس شرف کو جو بنی فاطمہ کے لیے مخصوص ہے ہمیشہ سے تسلیم کرتے آئے ہیں (ملاحظہ ہو علامہ سیوطی کی تاریخ الخلفا)

ترجمہ :۔ صولی اسحٰق ہاشمی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک روز رشید کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ۔ رشید نے کہا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ عوام الناس کا میری طرف یہ خیال ہے کہ مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے بغض و عداوت ہے۔ اور واللہ میں کسی کو حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے زیادہ محبوب نہیں رکھتا۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ ہم سے بغض رکھتے ہیں اور ہم پر طعنہ کرتے ہیں اور ہماری سلطنت میں فساد پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ وہی لوگ ایسی باتیں مشہور کرتے پھرتے ہیں ۔ اور محض اس لیے کہ میں نے ان کو سزائیں دی ہیں ۔ اور وہ لوگ بنی امیہ کی طرف مائل ہیں ۔ رہے جناب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے صاحبزادگان تو وہ **اہل سادات اور افضلیت میں سب سے مقدم ہیں** ۔ مجھ سے میرے باپ مہدی نے بوساطت اپنے آبا و اجداد کے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا ہے کہ جس نے ان دونوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی جس نے ان دونوں سے بغض رکھا مجھ سے بغض رکھا ۔ (ترجمہ تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۳۰۷)

بنی عباس اس امر کو اچھی طرح جانتے تھے کہ جمہور کا میلان طبع بہ نسبت ہمارے بنی فاطمہ کی طرف زیادہ ہے ۔ اور قرب رسول جس کی بنیاد پر ہم نے خلافت حاصل کی ہے ۔ اس میں ان کا رتبہ ہم سے بڑھ کر ہے (تاریخ الامت)

علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :-

ولا شك ان فاطمہ وعليا والحسن والحسين كان التعلق بينهم وبين رسول الله صلى الله عليه وسلم اشد التعلقات وهذا كالمعلوم بالنقل المتواتر فوجب ان يكونوا هم الآل۔

اور یہ امر اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ چنداں محتاج ثبوت نہیں ۔ اکابر امت کی ہزار ہا بلکہ بے شمار تحریرات اس کی تائید میں پیش ہوسکتی ہیں ۔

ماحصل اس تمام بحث کا صرف اس قدر ہے کہ لفظ سید بغرض اظہار نسب مخصوص ہے ۔ بنی فاطمہ کے ساتھ اور اس لفظ کو بلحاظ اس نسبی شرف و اعزاز کے جو بنی فاطمہ سے مخصوص ہے ۔ جمہور اہل اسلام نے عرفاً و اصطلاحاً اظہاراً للنسب بنی فاطمہ اور صرف بنی فاطمہ ہی کے لیے استعمال کیا ہے ۔ قران و حدیث نے عامہ مسلمین میں کوئی تفریق شیخ و سید وغیرہ کی اظہار نسب کے لیے نہیں کی ہے ۔ اور نہ لفظ سید کی حد تک بحث پر کسی مذہبی بحث کا اطلاق ہوسکتا ہے ۔ یہ بحث صرف عرف و اصطلاح کی حد تک ہے ۔ البتہ قران کریم نے تفریق شعوب و قبایل کی غرض و غایت لتعارفوا بیان فرمادی ہے (ولا مناقشة فى الاصطلاح) مقصد اس عرف و اصطلاح کی وضع کا اظہار اس بزرگی و سرداری کا ہے جو سادات کے مورثوں کے لیے مسلمۂ جمہور مسلمین ہے ۔ اور جملہ قرابت داران رسول میں جو نمایاں اور اعلیٰ حیثیت جناب علی و فاطمہ و ابناہم علیہم السلام کو حاصل ہے ۔ اس کے متعلق فخر المحدثین مدارج النبوۃ میں اقربائے رسول کا ذکر کرتے ہوئے فرما گئے ہیں :- (و این چہار تن عمدہ و نخبہ این جماعت اند)

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حرمت صدقات میں سب بنی ہاشم یکساں ہیں ۔

اور یہی وجہ سیادت ہے۔ ہم یہاں اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ حرمت صدقات کے کیا کیا وجوہ ہیں۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ تمام بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے۔ یہ کسی طرح نہیں کہا جاسکتا کہ چونکہ ان پر صدقہ حرام ہے لہذا یہ سید اصطلاحی معنی میں ہیں بے شک حرمت صدقہ بھی ایک شرف مخصوص ہے لیکن اصطلاحی اور عرفی سیادت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ہمارے مذہب نے کہیں یہ تعلیم دی ہے۔ کہ جن اشخاص پر صدقہ حرام ہے انہیں سید کہا جائے۔ ایسا کوئی حکم قرآن و حدیث وفقہ سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ حرمت صدقہ ایک خالص شرعی مسئلہ ہے اور وضع اصطلاح سید سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں بحث سیادت نسبی سے عرفی معنی میں ہے۔ اور بقول علما شریعت میں عرف کا اعتبار نہیں ہے آج تک کوئی ایسا حکم قرآن وحدیث وفقہ سے پیش نہیں کیا گیا کہ جن افراد پر صدقہ حرام ہے اور وہ مستحق خمس بھی ہیں نسباً سید کہلائے جائیں۔

امروہہ میں بعض ایسے شرفا کے خاندان آباد ہیں جو اپنے کو غیر فاطمی بنی ہاشم کہتے ہیں۔ مثلاً عقیلی وعباسی وغیرہ دیکھنا یہ ہے کہ ان خاندان والوں نے بھی اپنے کو گروہ سادات میں ہمیشہ سے شامل سمجھا ہے یا نہیں۔ اس مقام پر دو دستاویزوں کی نقل کرنا نامناسب نہ ہوگا جن کی اصل ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اگر کوئی صاحب معائنہ فرمانا چاہیں تو قیام گاہ راقم الحروف پر اس غرض سے قدم رنجہ فرما سکتے ہیں۔ یہ دستاویزیں ان اشخاص کی طرف سے ہیں جن کی جماعت امروہہ میں عقیلی مشہور ہے۔ اور ان کا شجرہ نسب بھی تاریخ واسطیہ میں درج کیا گیا ہے۔

(۱) سوال می کند وگواہی حق می خواہد اضعف العباد مولوی محمد اسمٰعیل و محمد اسد اللہ وجان محمد پسران ابو محمد بن شیخ رکن الدین حاذق و مسمی

اشفاق رسول وعلی بخش پسران عبدالوہاب بن ابومحمد مذکور، ومحمد مسعود بن خالقدیہ
بن شیخ غوث محمد حاذق وسماۃ زینب بنت ہدایت اللہ بن شیخ عبداللہ حاذق
وغیرہ بنائران خالقدیہ حاذق مذکور ساکن قصبہ امروہہ من اعمال سرکار سنبھل
از سادات عظام وقضاۃ اہل اسلام وچودھریاں وقانون گویاں راسخ الکلام
وجمہور انام از خواص وعوام سکنہ قصبہ مذکور بریں وجہ کہ موازی سی بیگہ پختہ زمین
زرعی در موضع حسن پور کٹیہ عملہ پرگنہ مذکور بموجب اسناد پروانہ بہر مغفرت پناہ
سید عبدالماجد وحکمنامہ بمواہیر قاضی عبدالرسول .... الخ

(۲) سوال می کند و گواہی حق می خواہد اضعف العباد خادم العلما مولوی
محمد اسمٰعیل بن شیخ ابومحمد بن شیخ رکن الدین حاذق وغیرہ ساکن قصبہ امروہہ
تابع سرکار سنبھل از سادات عظام وقضاۃ اہل اسلام .... الخ

یہ دونوں دستاویزات بارہویں صدی ہجری کے ختم پر تحریر ہوئی ہیں۔ اور مشاہیر ومعززین وقت کے علاوہ قاضی شہر سید الٰہ بخش صاحب کی مہر بھی ان پر موجود ہے۔

یہ دونوں دستاویزیں اس امر کو بطور قطعی ثابت کرتی ہیں کہ عقیلی جماعت کے افراد اپنے کو شیخ لکھتے تھے۔ اور گروہ سادات میں ان کا شمار نہ تھا۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ صاحب واسطیہ نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ ان کی تاریخ واسطیہ میں سوائے سادات کے اور کسی قبیلہ کے حالات نہیں لکھے گئے ان کو درج تاریخ کر دیا ہے۔ اور اس خاندان کے افراد کے ناموں کے ساتھ لفظ سید بھی تحریر کیا ہے۔ ہم یہاں تاریخ واسطیہ کی عبارت نقل کرتے ہیں :-

”چونکہ سوائے سادات بنی فاطمہ کے اولاد حضرت خامس آل عبا علیہ التحیۃ والثنا

بموجب احادیث کے لفظ سید کا اختصاص و مصداق نہیں ہے۔ اس لیے
اس باب میں اوروں کی اولاد کا حال بیان نہیں ہوا۔ مگر حکیم سید احمد حسین صاحب
ڈپٹی محکمہ سنیٹری کمشنر مقام آگرہ تھے جواب پنشن پاتے ہیں۔ اور ان کے
والد حکیم سید اشفاق رسول بحکم نواب گورنر بہادر کونسل وکیل مقرر تھے۔
حسب فرمایش ان کے کسی قدر حال ان کا بوجہ سکونت اس محلہ کے شامل
کیا جاتا ہے" (تاریخ واسطیہ)

جاے غور ہے کہ وہ غیر فاطمی کو سید بھی نہیں کہتے۔ اور عملاً اس کے خلاف عقیلی۔ خاندان کے افراد کے ناموں کے ساتھ لفظ سید تحریر کرتے ہیں۔ صاحب تاریخ امروہہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس گروہ کے جملہ اشخاص نے شیعہ مذہب اختیار کرلیا ہے۔ اس لیے ان کو زمرہ سادات میں صاحب واسطیہ نے شمار کیا ہے۔ بہرحال اس کی وجہ کچھ بھی ہو صاحب واسطیہ اس لغزش کا کوئی جواب نہیں پیش کرسکے اور جو عذر انہوں نے اس موقع پر تحریر فرمایا ہے وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ اگر بنو عقیل کے ناموں کے ساتھ لفظ سید لکھنا جائز ہے تو دیگر بنی ہاشم کو بھی گروہ سادات میں شمار کرنے سے کیا امر مانع ہے۔ صاحب واسطیہ کی اس غلطی پر تمام بزرگان سادات کو ہم نے معترض پایا۔

ان دو دستاویزات کے علاوہ جن کا ذکر اُوپر گزرا بے شمار شہادتیں ایسی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امروہہ کے بیینہ غیر فاطمی بنو ہاشم نے اپنا شمار گروہ سادات میں بغرض اظہار نسب نہیں کیا ہے۔ ازانجملہ ایک شہادت یہاں مولوی محب علی خاں صاحب مرحوم مصنف آئینہ عباسی کی نقل کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے:۔

اور جو کہ یہ جگہ بود باش سادات کی ہے یعنے سادات بہت ہیں اور شرفا
تھوڑے ہیں - لہذا یہ قصبہ امروہہ سادات مشہور ہے - قریب سات سو
موضع معافی وجاگیر تصرف میں یہاں کے سادات اور شرفا کی تھی - اسناد حکمہ
حکام وقتی سے ظاہر ہے - سلاطین سابق کے سادات میں صدہا فرمان اور
عباسیوں میں دس بارہ - اور گروہوں میں دو دو چار چار موجود ہیں
(از نقل آئینہ عباسی)

جناب مولوی محب علی خاں صاحب مرحوم اپنی جماعت کے ایک عالم باخبر اور باوقار شخص تھے - ان کی تحریر دلیل قطعی اس امر کی ہے کہ وہ اپنی جماعت کو گروہ سادات میں شامل نہ فرماکر یہ تحریر فرماتے ہیں کہ سادات کے علاوہ ہماری جماعت کے پاس بھی دس بارہ فرامین شاہی موجود ہیں جناب مولوی صاحب مرحوم نے صرف دو ہی جماعتوں کا ذکر معززین اہل اسلام میں سے کیا ہے - جو امروہہ میں آباد ہیں - یعنی گروہ سادات وشرفا اور چونکہ جناب ممدوح اپنے گروہ کو سادات میں داخل نہیں فرماتے - بلکہ اس سے علیحدہ اپنی جماعت کو نمایاں طور پر ظاہر فرماتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ان کا شمار اسی جماعت میں ہے جسے شرفا سے موسوم کیا گیا ہے - تمام آئینہ عباسی میں کسی ایک مقام پر بھی ذی علم مصنف نے اپنے یا کسی دوسرے عباسی کے نام کے ساتھ لفظ سید کا استعمال نہیں کیا ہے - کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان کا شمار گروہ سادات میں نہیں ہے - جن لوگوں کا شمار ہمیشہ سے سادات میں تھا اور ہے انہیں کو جناب مولوی محب علی خاں صاحب مرحوم نے بھی سادات میں لکھا ہے - اور ان کے ناموں کے ساتھ تمام آئینہ عباسی میں لفظ سید حسب دستور لکھا گیا ہے - مگر جن کا شمار سادات میں

نہ تھا ان کے ناموں کے ساتھ تمام آئینہ عباسی میں کسی جگہ بھی لفظ سید تحریر نہیں ہے۔
اور خلاف آئین ورواج کیوں تحریر ہوتا۔ اور اس کی مزید تائید جناب مولوی محمود احمد صاحب
مؤلف تاریخ امروہہ کے شایع کردہ بعض قدیم کاغذات کے چربوں سے بھی ہوتی ہے۔
مثلاً ملاحظہ ہو دستاویز صورت حال کا چربہ متعلق صفحہ ۲۶۱ جس کی عبارت اس طرح ہے۔

سوال می کند گواہی حق می خواہد اضعف العباد شیخ علیم اللہ بن شیخ عبدالرحیم
بن شیخ عنایت اللہ عباسی از وارثان شیخ محمد صالح مرحوم ساکن قصبہ امروہہ
تابع سرکار سنبھل از سادات عظام و قضاۃ اہل اسلام............. الخ

اسی طرح ملاحظہ ہو۔ پروانہ موسومہ شیخ عبدالرحیم عباسی جس کا چربہ صفحہ ۲۶۲ سے متعلق
ہے۔ اس کی عبارت اس طرح ہے۔

گماشتہائے جاگیرداران وکروریان........ بدانند کہ بموجب فرمان عالی شان
...... از پرگنہ مذکور دروجہ مدد معاش شیخ عبدالرحیم وغیرہ ورثہ مولانا ی
بابن مقرر است........ الخ

الغرض ہزار ہا قدیم وجدید شہادتیں اس کی پیش ہوسکتی ہیں کہ غیر فاطمی بنی ہاشم کو بغرض
اظہار نسب سید وسادات سے نہ کبھی مخاطب کیا گیا اور نہ اب کیا جاتا ہے۔ ان سب کے
خلاف جناب مولوی محمود احمد صاحب سلمہم اللہ تعالےٰ مولف تاریخ امروہہ نے اس بیان کی
تائید میں کہ تمام بنی ہاشم اصطلاحاً وعرفاً سید ہیں اپنی تاریخ امروہہ کی جلد چہارم
تحقیق الانساب صفحہ ۲۲۰ پر یہ عبارت تحریر فرمائی ہے۔

"پس اگر اپنے بزرگوں کی اس تحریر کے خلاف شاہ ولایت رح کی نسل میں سے
کوئی صاحب سیادت کے امین بٹوارہ بن کر بنی ہاشم میں سے جس کو چاہیں

سیادت کا سرٹیفکٹ عطا فرمائیں۔ اور جن سے ناراض ہوں ان کو محروم فرمائیں۔
اور کتب تاریخ و انساب کے اوراق کو بھی پیمائش کے گز سے ناپنے لگیں تو کون
صحیح العقل ان کے مہملات کو قابل توجہ قرار دے سکتا ہے"۔

بجواب ہذا جناب محترم کی خدمت میں التماس ہے کہ اپنے مسلمہ اصول کی بنا پر جناب بھی کاربند ہوں۔ اور اپنے بزرگوں کی تحریر کے خلاف جس کا ذکر بحوالہ آئینہ عباسی وغیرہ ابھی ہوا راستے قائم فرمانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائیں۔ اب رہا یہ امر کہ سیادت کا امین بٹوارہ کون ہے۔ عرض ہے کہ اس کا امین بٹوارہ وہی (الامینؐ) ہے جس کی امانت و دیانت و سیادت و صداقت و نجابت و شرافت و اصالت و فخامت پر تمام عالم نے گواہی دی ہے۔ اور جس نے (سیدا شباب اهل الجنۃ) و (سید العرب) و (سیدۃ النساء العالمین) و (سید اولاد آدم) اور کیا کیا القاب اعزاز و اکرام اپنے بٹوارہ میں دیگر بنی ہاشم سے الگ محض بنی فاطمہ کے مورثوں کے حصّہ میں بلحاظ عظمت نسب و شوکت حسب کر دیئے ہیں۔ اتنی سیادتیں یا اس سے زیادہ کسی میں یک جا جمع ہو لیں۔ تو امید رکھنی چاہیے کہ جمہور مسلمین سے اسے بھی سید کا لقب بغرض اظہار نسب مل سکیگا۔ جیسا کہ بنی فاطمہ کو ملا اور تمام عالم نے اسے تسلیم بھی کر لیا حتیٰ کہ یہ ایک مستقل اِصطلاح بغرض اظہار نسب بنی فاطمہ قرار پاگئی ۔" و اتفاق است علما را کہ آنچہ کہ فضیلت در نسب حسنین راست کسے دیگر را نیست (سعادۃ الکونین) این سعادت بزور بازو نیست۔ وذٰلك فضل الله یؤتیه من یشاء و الله ذو الفضل العظیم۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ایک اور بات بھی توجہ طلب ہے۔ اور وہ یہ کہ بیان کیا جاتا ہے کہ لقب سید کو مصر کے فاطمی خلفا نے سب سے پہلے اپنے لیے مخصوص کرلینا چاہا۔ مگر یہ رواج مصر تک محدود رہا اور ہندوستان میں ہمایون کے عہد حکومت سے شیعہ مذہب کو تقویت حاصل ہوئی اور مشائخ وصوفیہ کی امداد سے جو تفضیلیہ عقاید رکھتے تھے لفظ سید بنی فاطمہ سے مخصوص ہوگیا۔ ان بیانات کی تائید میں کوئی منقولی حوالہ نہیں ہے۔ اور یہ تمام بیانات تاریخی حقیقت سے بالکل خالی ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے مان بھی لیا جائے کہ فاطمئین مصر نے اس لقب کو اپنے سے مخصوص کرنے کی کوشش کی تھی تو اب جب کہ انہیں اور ان کے حریف بنی عباس کی حکومت کو فنا ہو کر بھی صدہا برس گزر گئے۔ کیا وجہ ہے کہ سید کا اطلاق تمام ممالک اسلام میں الآن کما کان مخصوص بنی فاطمہ پر ہوتا ہے۔ اور وہ کونسی قوت بنی فاطمہ میں تھی اور ہے کہ اس لقب عزیز وجلیل سے گروہ بنی فاطمہ ہنوز مخاطب ہے۔ اور شاید ہمیشہ کے لیے یہ لقب ان کے ساتھ مخصوص ہوگیا۔ اور دیگر بنی ہاشم کو جمہور مسلمین نے اس سے محروم کردیا۔ یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ فاطمئین مصر میں کوئی ایسی مافوق الفطرۃ قوت جذب وکشش تھی۔ کہ ان کے خاتمہ سے سیکڑوں برس بعد اب تک بھی تمام دنیائے اسلام اس جذب وکشش سے متاثر ہے۔ اور ان کے احکام وخیالات کا اثر ابھی تک زائل نہیں ہوا ہے۔ یہاں تک کہ بنی عباس کے پانصد سالہ دبدبہ قیصری وشوکت جمی کے اثر کو ان کے جذب وکشش نے اس قدر جلد زائل کردیا کہ ان کی اولاد اور ہم قبیلہ افراد کو زمانہ میں اب کوئی بھی سید سے مخاطب نہیں کرتا۔ اور نہ ان کا شمار سادات میں ہوتا ہے یہ سب باتیں جب تک کہ زبردست تاریخی شواہد موجود نہ ہوں ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ اب رہا ہندوستان۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے

کہ سلطنت مغلیہ میں کسی وقت بھی مذہب شیعہ کو ایسا رسوخ حاصل نہیں ہوا جس سے اصطلاحات قدیم کے محل استعمال میں نمایاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہوں۔ سلاطین مغل میں ایک سے زیادہ ایک بادشاہ اپنے مذہب کا پابند تھا۔ اور تمام سلطنت میں فقہ حنفی کی بموجب احکام وقوانین نافذ تھے۔ عالمگیر اورنگ زیب اور دیگر راسخ العقیدہ بادشاہوں کی اس دور میں کمی نہیں۔ ہزارہا علما، راسخین و اولیاء کاملین اس دور سلطنت میں ہوئے۔ اور انھیں میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دہلوی اور خاندان شاہ صاحبان کے تمام جلیل القدر افراد اور بے شمار ایسی قابل فخر ہستیاں علما وصوفیا میں ہوئی ہیں۔ جن پر اہل سنت کو ناز ہے۔ کسی طرح بھی یہ باور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ سلطنت مغلیہ میں شیعوں کو اس قدر قوت حاصل ہوگئی تھی کہ انھوں نے تفضیلیہ عقاید کے صوفیوں سے مل کر حکومت وقت اور جمہور مسلمین سے لفظ سید کو محض بنی فاطمہ سے مخصوص کرا دیا۔ فاطمئین مصر ہوں یا شاہان ہندوستان کسی طرح بھی بغیر مخصوص وآزاد شہادت کے یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اس لقب سے دیگر بنی ہاشم کو محروم کیا گیا۔ تمام کتب تاریخ وتذکرہ شاہد ہیں کہ لفظ سید و سادات بنی فاطمہ ہی سے مخصوص رہے ہیں۔ اور ابھی تک ہیں۔ ہمایوں اور اکبر کا عہد سلطنت بلا فصل ہے۔ ہزارہا فرامین اور کتابیں اس عہد کی اور اس سے قبل وبعد کی موجود ہیں۔ ان سب میں لفظ سید و سادات کا جو مفہوم ہے وہ ہم میں سے کسی ایک پر بھی مخفی نہیں ہے۔ اور آج تک ان الفاظ سے وہی مفہوم لیا جاتا ہے۔ جو سینکڑوں سال قبل لیا جاتا تھا۔ وہ کونسی تاریخ یا تذکرہ کی کتاب ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ بنو عقیل سید کے لقب سے فلاں دور میں محروم کیے گئے اور عباسی فلاں دور میں یہ خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ ہماری یہ بحث صرف

لفظ سید و سادات کی حد تک ہے۔ کسی دوسرے لفظ مثلاً شریف وغیرہ سے ہماری اس بحث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آلِ رسول اسی طرح ایک بحث یہ بھی ہے کہ آل رسول کون ہیں اور سلسلۂ نسب ماں سے لیا جاتا ہے۔ یا باپ سے۔ آل بمعنی اولاد ہے مجازاً اس کا استعمال دوسرے طریقہ پر بھی ہوتا ہے مثلاً کلام اللہ میں ہے۔ (واغرقنا آل فرعون) یہاں آل سے مراد فرعون کے متبعین وغیرہ ہیں مگر آل رسول سے عرفاً و اصطلاحاً بغرض اظہار نسب بنی فاطمہ ہی مراد لئے جاتے ہیں۔ لفظ سید و آل رسول و آل محمد و آل احمد سے عرف میں بغرض اظہار نسب وہی اشخاص سمجھے جاتے ہیں جو حسنین کی نسل سے ہیں بے شمار اکابر نے اولاد حسنین کو ہمیشہ سے ابن رسول اللہ و آل رسول ہی کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ کسی دوسرے ہاشمی یا غیر ہاشمی کو اس طرح خطاب کرنا ثابت نہیں ہے۔ عارف شیراز حضرت شیخ سعدی رح فرماتے ہیں۔

خدایا بحق بنی فاطمہ ۔۔۔ کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ

اگر دعوتم رد کنی ور قبول ۔۔۔ من و دست و دامان آل رسول

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب شیخ رح نے جن کی جلالت قدر و عظمت شان محتاج تعارف نہیں ہے۔ آل رسول کی تخصیص بنی فاطمہ کے ساتھ کی ہے۔ مصرعہ آخر میں لفظ آل رسول مفسر ہے۔ لفظ بنی فاطمہ کا جو مصرعہ اول میں ہے۔ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آل رسول بنی فاطمہ کیوں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلعم کی نسل جناب سیدۃ النساء العالمین کے بطن مطہر ہی سے چلی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علی ابن ابی طالب) یعنے ہر نبی کی ذریت کو اللہ نے اس کے صلب میں رکھا ہے۔ اور میری ذریت کو علی کے صلب میں۔ نیز ملاحظہ ہو حدیث جسے ابن عمرؓ

سے۔طبرانی نے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:۔

ترجمہ: آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تمام لڑکیوں کی اولاد اپنے باپوں کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے اولاد فاطمہ کے کہ ان کا باپ میں ہوں (صواعق محرقہ)۔

اب اگر اس پر کسی کو اعتراض ہو کہ یہ نسل لڑکی سے کیوں چلی دراں حالیکہ (وماکان محمد آبا احد من رجالکم) نص موجود ہے تو اس کا جواب دینے والے نے ہم نہیں ہیں بلکہ خود ذات گرامی جناب سرور کائنات کی ہے۔ پھر تمام صلحا و علما و خواص و عوام امت جواب دہ ہیں۔ جو حسنین اور ان کی ذریت طاہرہ کو آل رسول کہتے آئے ہیں۔ جس معنی اور جس مطلب سے خود رسول اور جمہور مسلمین نے ہمیشہ اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ ہم بھی وہی معنی و مطلب اس کا لیتے ہیں۔ بیشمار اقوال اس بیان کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے حسنین کو اپنا بیٹا فرمایا۔ اور تمام امت نے ان کو رسول اللہ کا بیٹا سمجھا ہے۔ اکابر مفسرین و مورخین و متکلمین ہمیشہ سے حسنین کو ابن رسول اللہ سے یاد کرتے آئے ہیں۔ اور غایت وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بنی ہاشم یا غیر بنی ہاشم میں سے یہ شرف کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا۔ دوسرے کسی شخص کو نہ جناب رسول اللہ صلعم نے اپنا بیٹا فرمایا اور نہ تمام امت میں کسی نے بجز حسنین اور ان کی ذریت طاہرہ کے کسی کو رسول کا بیٹا کہا یہ ایک شرف مخصوص ہے جو قسام ازل نے حسنین کے حصہ میں رکھا تھا۔ تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون الرشید عباسی جناب امام رضا کو ہمیشہ ابن رسول اللہ سے مخاطب کرتا تھا ملاحظہ ہوں شواہد النبوۃ وغیرہ۔ مگر کسی تاریخ میں یہ نہیں دیکھا گیا ہے کہ جناب امام ہمام نے مامون کو ابن رسول اللہ کہہ کر مخاطب کیا ہو۔

فرزدق جناب امام زین العابدین کی مدح کرتے ہوئے صحن حرم میں ہشام ابن عبدالملک خلیفہ اموی کے سامنے فی البدیہ یہ کہتا ہے:۔

هٰذا ابن خیر عباد اللہ کلھم   ھٰذا التقی النقی الطاھر العلم

بلبل شیراز جناب سعدیؒ بغداد کا مرثیہ لکھتے ہوئے بنی عباس کا نام اس طرح لیتے ہیں

خون فرزندان عم مصطفیٰ شد ریختہ

یہاں آل مصطفیٰ تحریر نہیں کرتے۔ اور نہ کر سکتے تھے۔ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سرالشہادتین میں لکھتے ہیں:۔

ثبت بطرق متعددہ عن النبی صلعم قال ھما ابنای۔

علامہ فخرالدین رازی اپنی مشہور و معروف تفسیر کی جلد دوم میں فرماتے ہیں کہ۔ آیہ مباہلہ سے حسنین کا فرزند رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہی آنحضرت صلعم سے قرارداد کی صورت تھی کہ بیٹوں کو بلایا جائے گا پس آنحضرت صلعم نے بیٹوں کو یعنے حسنینؑ کو بلایا پس لازم ہوا کہ حسنینؑ آنحضرت صلعم کے فرزند ہیں اور اس کی تائید سورہ انعام کی اس آیت سے ہوتی ہے۔ جس میں ارشاد باری ہے کہ ابراہیم کی ذریت میں یحییٰ اور عیسیٰ ہیں۔ حالانکہ جناب عیسیٰ صرف اپنی والدہ کی طرف سے حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ اولاد دختری کو بھی بیٹا کہا جا سکتا ہے۔

یہی علامہ امام فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر کی جلد اول میں بروایت شعبی لکھتے ہیں۔

ابن یعمر فقیہ خراسان کو پابجولاں حجاج کے پاس لایا گیا۔ حجاج نے دریافت کیا کیا تم حسنینؑ کو ذریت رسول سمجھتے ہو یحییٰ نے کہا بے شک اور پھر یحییٰ نے آیہ مباہلہ کو قصداً ترک کر کے سورہ انعام سے آیہ ونوحاً ھدینا ...... عیسیٰ کی تلاوت کی اور حجاج سے دریافت کیا کہ حضرت عیسیٰ کا باپ کون تھا۔ حالانکہ وہ بموجب اس آیت کے ذریت نوح میں داخل ہیں۔ (ترجمہ)۔

بہرحال ہر لفظ اپنے محل پر اسی معنی میں سمجھا جاتا ہے جس میں اہل زبان اسے عام طور پر بولتے ہیں جب آل رسول یا آل نبی بغرض اظہار نسب بولا جائے تو اس کے معنی مفہوم یہی ہوں گے کہ آنحضرت صلعم کی اولاد طاہرہ یعنی بنی فاطمہ کا ذکر ہے۔ اور یہی مطلب اس محل پر یعنی بغرض اظہار نسب علماء و فقہائے عظام و خواص و عوام نے لیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔

سنہ ۲۰۱ھ میں مامون نے ایک دربار جس میں تمام اعیان سلطنت و ارکین دربار موجود تھے منعقد کیا اور سب سے خطاب کرکے کہا آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں ان کی لیاقت کا اندازہ کر چکا ہوں نہ ان میں نہ آل نبیؐ میں۔ آج ایسا کوئی شخص موجود ہے جو حضرت علی رضا کے ساتھ ہمسری کا دعوی کر سکے۔ (المامون صفحہ ۴۳)

حضرت امام شافعی کا تفقہ فی الدین ضرب المثل ان کی دینداری و تقوی شعاری مسلّم ہے آنجناب آئمۂ مجتہدین میں نہایت درجہ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں کی شان میں ابن خلکان نے تحریر کیا ہے۔

مثل الشافعی فی العلماء مثل البدر فی النجوم السماء کان واللہ معدن العلوم سید الناس افقہ الفقہا اقتدی بالنبی فی حسن قول و امام البوار للسفہا۔

یعنی امام شافعی کی مثال علماء میں بدر کی سی ہے آسمان کے باقی ستاروں میں قسم خدا کی کہ وہ علم کے معدن لوگوں کے سردار فقہا تھے میں تمام فقہا سے بڑے ہوئے تھے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمدہ باتوں میں اقتدا کی اور سفہا کے لیے ہلاکت قائم کی

الغرض یہ وہی مجتہد اعظم ہیں جن کی ہدایت پر عرب و بر و بحر و مصر و شام وغیرہ کے کروروں مسلمان شب و روز عامل ہیں۔ مناسب ہے کہ امام موصوف نے جو کچھ آل محمدؐ کے

متعلق نظماً بیان فرمایا ہے امام الہند مولنا ابوالکلام آزاد کی توضیحی عبارت کے ساتھ یہاں نقل کر دیا جائے۔ تاکہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تشہد میں آل محمدؐ سے مراد تمام امت کے افراد ہی ہیں۔ اس پر غور کر سکیں۔ فرماتے ہیں مولانا ابوالکلام آزاد:۔

الحمد للہ۔ اہل بیت نبوت کی محبت سے قائش المرام و ایمان اندوز ہوں اور اس عالم میں ہوں کہ جب خدا کے حضور میں عبادت کے لیے جاتا ہوں تو میری نماز بھی اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک آل محمد پر درود و سلام و تحیۃ کا ہدیہ پیشکش بارگاہ حضرت تبارک و تعالیٰ نہ کر لوں کہ اللھم صل وسلم علیٰ سیدنا محمد وَ علیٰ آل محمد کما صلیت وسلمت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انک حمیدٌ مجید۔

یا اھل بیت رسول اللہ حبکم ۔۔۔ فرض من اللہ فی القرآن انزله

کفاکم من عظیم القدر انکم ۔۔۔ من لم یصل علیکم لا صلوٰۃ له (شافعیؒ)

میں تشہد میں درود کو اصطلاحی واجب نہیں بلکہ حقیقی واجب یعنی فرض سمجھتا ہوں۔

فنسال اللہُ تعالیٰ ان یجعلنا علی اتباع الکتاب و قرنائہ اھل بیت النبی الکریم علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (الہلال جلد ۳۲)

یہی امام یہی مجتہد اعظم یہی خادم آستانہ رسولؐ یہی فدائے اولاد بتولؑ جناب امام شافعیؒ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا مرثیہ اس طرح تحریر فرماتے ہیں

تاوب قلبی والفواد کئیب ۔۔۔ وارق عینی والرقاد غریب

تزلزلت الدنیا لآل محمد ۔۔۔ وکادت لھم صم الجبال تذوب

فمن مبلغ عنی الحسین رسالة ۔۔۔ وان کرھتھا انفس وقلوب

قتیل بلاجرم کان قمیصہ — صبیغ بماء الارجون خضیب

یصلی علی المختار من آل ہاشم — و تعزی بنوہ ان ذا العجیب

لان کان ذنبی حب آل محمد — فذلک ذنب لست منہ اتوب

ھم شفعائی یوم حشری وموقفی — وحبھم للشافعی نصیب

ترجمہ ۔ میرا قلب آہیں بھرتا ہے ۔ اور میرا دل غمگین ہے ۔ میری چشم بے خواب ہے اور نیند ناپید ہے آل محمد کے لیے دنیا زلزلہ میں آگئی اور قریب ہے کہ سخت پہاڑ اس غم میں پگھل جائیں ۔ کوئی ہے کہ حسین کو میری طرف سے یہ پیغام پہونچادے اگرچہ لوگوں کے دلوں کو ناگوار ہی کیوں نہ گذرے حسین وہ قتیل بلاجرم ہیں ۔ جن کی قمیص خون میں رنگی گئی ۔ درود بھیجا جاتا ہے ۔ برگزیدۂ اولاد ہاشم پر اور ان کی اولاد و صاحب عزا بنی ہوی ہے ۔ دیکھو تو یہ کس قدر عجیب بات ہے ۔ اگر دوستی آل محمد میرے لیے جرم قرار دیا جائے تو یہ ایسا گناہ ہے کہ میں اس سے توبہ کرنے والا نہیں ۔ بیشک آل محمد روز قیامت میرے شفیع ہوں گے ۔ اور ان کی محبت میں شافعی کو حصہ ملا ہے ۔

یہ عبارات محض بربیل مثال اس لیے نقل کی گئی ہیں کہ اکابر فقہا و رجال علم کی رائے آل محمدؐ کے مفہوم کے متعلق معلوم ہو سکے ۔ ہمارا یہ کام ہرگز نہیں کہ مذہبی نقطۂ نظر سے کسی بحث کا تصفیہ یہاں کیا جائے بلکہ محض تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ بعض الفاظ کو علمائے امت اور خواص و عوام نے کس کس معنی میں لیا ہے ۔ جن حضرات کو ان مباحث سے دلچسپی ہو ۔ کتب مناظرہ و تواریخ کے اوراق کا مطالعہ فرمائیں ۔ ہم نے یہاں قصداً نہایت اختصار سے کام لیا ہے اور نہ اپنے ذاتی خیال کا اظہار یہاں مذہباً کیا ہے ۔ بلکہ محض بعض الفاظ کی معنی

ومحل وقرینہ ہی سے بحث ہے ۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور وہ بھی محض اس غرض سے کہ بعض الفاظ کثیر الاستعمال کے صحیح مفہوم ومحل کے سمجھنے سمجھانے میں بعض حضرات نے غلطی کی ہے اور جو تاویلات بیان میں آئی ہیں وہ ایک طرف تاریخی حقیقت سے معرا ہیں۔ اور دوسری طرف لسانی نقطۂ نظر سے بھی لائق اعتراض ہیں ۔ جو لوگ آل فرعون کے الفاظ سے استدلال کرنے کے عادی ہیں۔ ان سے دریافت کیا جائے کہ متبعین محمد و لشکر اسلام وغیرہ کے واسطے لفظ آل رسول بھی کہیں استعمال ہوا ہے یا نہیں۔ ہزاروں مقامات پر ہم نے بھی لکھا دیکھا ہے ۔ مدرسہ مسلمانان۔ دار الاقامہ مسلمین لشکر اسلام ۔ جیوش مسلمین۔ وہمچنین ہزار ہا الفاظ لیکن ان کی جگہ پر یہ الفاظ کبھی لکھے ہوئے نہ دیکھے ۔ مدرسہ آل رسول ۔ دار الاقامہ آل رسول ۔ لشکر آل رسول وغیرہ ۔ مسلم یونیورسٹی کا نام بدل کر اگر مسلمان یونیورسٹی یا محمڈن یونیورسٹی یا اسلامی یونیورسٹی رکھ دیا جائے تو کوئی قباحت لازم نہیں آتی لیکن اس کا نام بجائے مسلم یونیورسٹی کے آل رسول یونیورسٹی ہرگز نہیں رکھا جا سکتا ۔ کیونکہ آل رسول کا مفہوم ہی جداگانہ ہے ۔ اور جب کبھی سلسلۂ نسب میں آل رسول کا ذکر آئے گا ۔ ممکن نہیں کہ اس سے بنی فاطمہ کے علاوہ کسی سے بھی مراد لی جائے ۔

اس بیان کی تائید میں نہایت آسانی سے ممکن ہے کہ اکابر متقدمین ومتاخرین کے ہزار ہا اقوال پیش کر دیئے جائیں لیکن یہ الفاظ بجائے خود اس قدر متعارف ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی ان کے مفہوم ومحل کے اچھی طرح سمجھنے سے قاصر نہیں ہے ۔ لہذا ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں ۔ ہر بچہ کو جو فارسی کا مبتدی ہو مکتب میں یہی سبق دیا جاتا ہے کہ آل رسول یہی بنی فاطمہ ہیں جن کا توسل عارف شیرازی رحمہ نے جناب باری عز اسمہ میں کس قدر نیاز مندانہ اصرار سے کیا ہے ؎

اگر دعو تم رد کنی ور قبول　　　من و دوست و دامان آل رسول

سچ ہے کہ یہ مقام شرف بنی ہاشم میں جناب رسول کریم کے بیٹوں ہی کو حاصل ہوا۔ آخر نسبت کتنی بزرگ ہے کیا اکا براست و رجال علم وفضل سے کسی دوسری جگہ دیگر بنی ہاشم سے عاقبت بخیر ہونے کے لیے ایسا توسل دکھایا جاسکتا ہے۔ آج بھی عالم اسلام کے در و دیوار اس دودمان والاشان کی بزرگی و دستگیری کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ بغرض حصول برکت و دفع و باو بلا آپ دروازوں پر لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔

لی خمسۃ اطفی بھا حر الوباء الحاطمہ　　　المصطفی والمرتضیٰ وابناھما والفاطمہ

اصلی اور حقیقی عقیدت مندانہ مدح وثنا کی یہی شان ہوتی ہے۔ ہزاروں بادشاہان ظالم وجابر کی مدح ومنقبت میں دنیا طلبی کے لیے شعرا نے فصیح و بلیغ قصائد لکھے۔ مگر آج انھیں کوئی نہیں پوچھتا۔ اور ایک یہ مقبول انام ہستیاں ہیں کہ ان کے نام نامی سے آج بھی عالم اسلام کے در و دیوار آراستہ ہیں۔

اہل بیت اہل بیت کا لفظی ترجمہ اردو میں گھر والے ہیں۔ قرآن شریف میں سورہ احزاب میں یہ لفظ اس طرح واقع ہے:-

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔

حضرات شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد چہار معصومین (علی و فاطمہ و ابناہما) ہیں اہل سنت کے علما اس مسئلہ میں باہم مختلف الخیال ہیں۔ اکثر اکابر علمار اہل سنت بھی اہل بیت رسول اللہ کی تعیین و تشخیص میں علمار شیعہ کے ہم خیال ہیں اور یہی تسلیم کرتے ہیں کہ آیۂ مذکورہ میں اہل بیت سے مراد یہی چہار تن نامدار ہیں۔ کوئی اور فرد سوائے ان چاروں کے یہاں مخاطب نہیں ہے۔ اہل سنن کے اکثر علما کا یہی خیال ہے بعض علمار اہل سنت نے یہ بھی

بیان فرمایا ہے کہ ازواج نبی بھی اہل بیت میں داخل ہیں۔ جیسا کہ آیت کے سیاق و سباق سے مترشح ہوتا ہے اس سلسلہ میں جو روایت متواتر نقل ہوتی آئی ہے۔ اور جس پر سب متفق ہیں یہ ہے کہ جناب نبی کریم نے جناب علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام پر رداے مبارک ڈالی اور ان کے حق میں فرمایا کہ یا اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اور پھر ان کے حق میں دعا فرمائی حضرت ام سلمہ نے جو وہاں موجود تھیں جناب رسول کریم سے اپنے متعلق دریافت فرمایا۔ تو ارشاد ہوا کہ تم خیر پر ہو (یا بروایت دیگر تم اپنی جگہ پر ہو) یہی ایک روایت ہے جو مختلف طریقوں سے مختلف الفاظ میں بے شمار کتب احادیث و تفاسیر و تواریخ و مناظرہ وغیرہ میں علی التواتر نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ اور اسی سے مختلف علما کرام نے اپنے اجتہادی اختلاف کی بنا پر ازواج نبی صلعم کے داخل اہل بیت ہونے نہ ہونے کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے از انجملہ صاحب مدراک نے جو اپنی تفسیر میں ارقام فرمایا ہے، اس کا ترجمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے :-

پیغمبر نے چادر میں لپیٹا علی و فاطمہ و حسنین کو خود بھی اس چادر کے اندر رہوئے اور فرمایا کہ یہ ہیں اہل بیت میری یا خدا تو طاہر رکھ انھیں پس حضرت جبریلؑ یہ آیت خدا ے تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے اور تبرکاً چادر میں داخل ہوے (اور صاحب مدارک یہ بھی لکھتے ہیں کہ) عکرمہ کہتا ہے مراد ازواج ہیں بموجب ظاہر تفسیر کے کہ گھر میں ازواج رہتی ہیں لیکن خدری اور انس اور ام المومنین ام سلمہؓ اور عائشہؓ سب کہتی ہیں کہ یہ آیت حق میں علی و فاطمہ و حسنین کے ہے۔ اور اگر ازواج مراد ہوتیں بسبب سکونت نبی کے گھر کے تو البتہ خدا تعالیٰ فرماتا (لیذھب عنکن) یعنی ضمیر مونث سے ذکر فرماتا۔

اسی طرح دیگر کتب احادیث و تفاسیر و سیر میں مختلف روایتیں اور اقوال اس خیال کی

تائید میں موجود ہیں کہ اہل بیت رسول سے مراد اس آیت میں یہی چار تن نامدار ہیں مثلاً ملاحظہ ہو مسلم جلد دوم شرح نووی صفحہ ۲۷۸ کتاب وہ باب علامہ دولت آبادی و تفسیر در منثور جلد پنجم (ینابیع المودۃ) و تفسیر نزل الابرار و بین المعانی و مواہب لدنیہ وغیرہ وغیرہ یہاں تمام عبارات کی نقل ہو کر مخالف و موافق آرا پر تفصیلی تبصرہ کرنا ہماری غرض نہیں۔ نہ یہ ہمارا موضوع ہے۔ نہ ہم اس بحث کی تفصیلات میں پڑنا چاہتے ہیں مقصود اس بیان سے صرف اس قدر کہ شیعہ اس پر متفق ہیں کہ آیہ تطہیر مخصوص ہے ان چہار تن نامدار کی شان میں۔ اور بقول جناب محدث دہلوی رح اکثر علمار اہل سنن بھی عقیدہ شیعہ سے اس حد تک متفق ہیں لیکن بعض سنی علما نے اس سے اختلاف فرما کر ازواج نبی صلعم کو بھی اس میں داخل فرمایا ہے۔ آیہ تطہیر میں ازواج نبی صلعم کا شمول مابین علما اہل سنت متفقہ نہیں ہے۔ اور نہ تمام بنی ہاشم کے شمول پر اتفاق ہے بلکہ بعض مسائل کی طرح یہ بھی ایک زبردست اختلافی مسئلہ اہل سنت کے علمار میں مدت دراز سے چلا آرہا ہے۔ اور اپنے اپنے خیال و اعتقاد کی بموجب مختلف علما نے بسیط مقالات معقولی و منقولی دلائل کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں۔ اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ جمہور علمار اہل سنن تمام بنی ہاشم کو آیہ تطہیر کے تحت اہل بیت نبوی میں شامل سمجھتے ہیں تو یہ اس کی غلطی ہے۔ البتہ بقول صاحب نزل الابرار بنی ہاشم اس پر متفق ہیں کہ آیہ تطہیر پنجتن پاک سے مخصوص ہے۔ اس مقام پر ہمارا یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اپنے موضوع سے ہٹ کر مذہبی معتقدات پر نکتہ چینی کریں۔ یا اپنے خیال کی تائید میں اور مخالف خیال کی تردید میں دلایل و شواہد پیش کریں عیسیٰ بدین خود موسیٰ بدین خود۔ ہم اس تحقیق کو تاریخی حد تک رکھنا چاہتے ہیں۔ کسی خاص خیال اور اعتقاد پر اعتراض اور تردید ہمارا منشا ہرگز نہیں ہے۔ پس اس مقالہ کو ہم جناب فخر المحدثین سند المتکلمین مولانا شاہ عبدالحق صاحب دہلوی رح کا کلام نقل کر کے ختم کرتے ہیں جس سے ناظرین کو اچھی طرح

معلوم ہو جائے گا کہ اہل سنت میں اہل بیت رسول اللہ کے افراد کا تعین کس طرح کیا گیا ہے اور اس تعین پر علماء اہل سنت متفق ہیں یا نہیں:۔

واختلاف است در آنکہ مراد باہلبیت درین آیہ کریمہ کیست اکثر بر آنند کہ مراد با آن فاطمہؓ و حسنؓ و حسینؓ و علی است سلام اللہ علیہم اجمعین۔ چنانکہ اکثر روایات دال بر انست وانصاف آنست ونساء مطہرہ نیز داخل اند از جہت نداے سیاق وسباق کلام در آن ونزول آیت در ایشان چنانکہ امراۃ ابراہیم علیہ السلام در قول وے رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت وچنانکہ در حدیث آمدہ است کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ثمن ندار دما راکہ اہل بیتم ہیچ یکے مگر آن کہ در آرد او را خدائے تعالیٰ در آتش وخواندن آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم این چہار تن را ونشاندن ایشان در کساء مبارک۔ وپوشانیدن کسا وقول وی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰہم ان ھؤلاء اھل بیتی (الحدیث) منافات ندارد بدخول نساء مطہرہ در آن شمول وبعضل اذہاب رجس وثبوت تطہیر مر ایشان را در روایت چریر از ام سلمہ آمدہ است کہ گفت گفتم من اما یا رسول اللہ من اھلک۔ پس فرمود آن حضرت وانت من اہلی ودر روایتے وانت علی خیر۔

(مدارج النبوۃ)۔

اس کے بعد جناب شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دوسری روایت بھی نقل فرمائی ہے جس کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:۔

فرمود آن حضرت روزی بعباس رضؓ ای عم من در منزل خود باش بیرون مرو۔ با پسران تو فردا تا بیایم من پیش شما کہ مرا حاجتی ہاست۔ در شما پس چون آمد آن حضرت فرا گرفت بر ایشان رداے مبارک خود۔ ودر روایتے پوشانید رسول خدا کسا شریف خود را

فرمود خداوندا این عم من است وصنو پدر من و این پسران وے اہل بیت من اند بپوش ایشان را از آتش دوزخ۔ چنانکہ پوشیدم من ایشان را برداے خود پس آمین کردند در و دیوار خانہ گفتند آمین آمین۔ و در روایتے باقی نماندہ در خانہ سنگی و کلوخے مگر کہ آمین کرد۔ و در روایت ترمذی از ابن عباس آمدہ کہ گفت پوشانید ما را آنحضرت کساء مبارک خود را پس فرمود (اللھم اغفر للعباس وولدہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ لا تغادر ذنبا اللھم احفظ فی ولدہ) و فرمود ترمذی حسن غریب در شان حضرت عباس و پسران شریف و اولاد وی گفتہ کہ بعد از وے باشند و اخبار بخلافت ایشان و مدح ایشان بلبس سواد و اعزاز دین و تقویت ملت و ترغیب بر محبت ایشان احادیث نقل کردہ اند کہ در میان روات ان ضعفا و متروکانند بلکہ مظان کذب و وضع اند و ظاہر اوضع روایات آن اخبار و آثار در زمان خلافت ایشان است۔ واللہ اعلم (مدارج النبوۃ)۔

ان عبارات کے مطالعہ سے ہمارے ناظرین نے اچھی طرح اندازہ کرلیا ہوگا کہ آیہ تطہیر میں بخیال اہل سنت کون کون افراد داخل ہیں خلاصہ کلام یہ کہ شیعہ و اہل سنت کا اتفاق اس پر ہے کہ یہ چہار تن نامدار یقیناً اہل بیت نبی ہیں۔ اور بقول بعض علمار اہل سنن ازواج نبی صلعم بھی داخل ہیں اور اس کے بعد جناب عباسؓ اور ان کے پسران ذی وقار کے داخلہ کے متعلق بھی روایات ہیں جو بقول جناب سید المحدثین احسن المورخین حضرت شاہ صاحب قبلہ رح مظان کذب و وضع ہیں۔ اور ایسی روایات بظاہر خلفاء بنی عباس کے عہد سلطنت میں خلفا کی محبت کی ترغیب کے واسطے وضع کی گئی ہیں۔ جناب محدث دہلوی نے جو کچھ بنی عباس اور وضع روایات کے متعلق تحریر فرمایا ہے اس کی تائید میں علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں تحریر فرماتے ہیں

فن تاریخ و درایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانے میں ہوی جنہوں نے پورے نوّے برس تک سندھ سے ایشیا کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کی مدح میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں بھی ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں لیکن نتیجہ کیا ہوا عین اسی زمانے میں محدثین نے علانیہ منادی کرادی کہ یہ سب جھوٹی روایات ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے۔ اور **بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے۔ اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے تھا**۔ ایک دفعہ ایک شاعر نے ماموں الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ امیر المومنین اگر تو انحضرت کے انتقال کے وقت موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا پیدا نہ ہوتا۔ دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے یہ سن کر سر دربار ایک شخص نے اٹھکر کہا۔ تو جھوٹ بولتا ہے امیر المومنین کا باپ حضرت عباسؓ وہاں موجود تھا۔ اس کو کس نے پوچھا۔ ماموں کو اس گستاخانہ لیکن معقول جواب کی تحسین کرنی پڑی (سیرۃ النبی جلد اول)۔

غرض مسلمانوں کا سواد اعظم (جس میں شیعہ و سنی شامل ہیں) اس پر متفق ہے کہ سادات کے اجداد امجاد علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اہل بیت نبی ہونے کا شرف عزیز و جلیل حاصل ہے اور بقول جناب سند المحدثین حضرت شاہ صاحب رح علماء اہل سنت کی اکثریت اسی طرف ہے۔ کہ یہی چہار تن نامدار علیہم السلام اہل بیت نبوی ہیں۔ اور یہی عقیدہ شیعہ بھی ہے۔ اہل بیت نبی

ہیں تمام بنی ہاشم کا شمول علماء اہل سنت کا متفقہ مسئلہ ہرگز نہیں ہے۔ نہ آج تک کسی نے متفقہ کہا ہے۔ بقول محدث دہلوی رح اکثر کی رائے اس کے خلاف ہیں ہے۔ پس جب اکثریت اس کے خلاف ہے تو یہ مسلمہ و متفقہ مسئلہ کہاں رہا۔

سادات کی فضیلت دیگر بنی ہاشم پر

بے شک یہ صحیح ہے کہ بنو ہاشم بلحاظ نسب ایک ہی دادا کی اولاد ہیں بلکہ جمیع بنی آدم ایک ہی دادا کی اولاد ہیں لیکن ان میں اپنے مورثوں کے فضائل و محامد کے لحاظ سے فرق مراتب قائم ہے اور ہمیشہ سے سادات کرام یعنی بنی فاطمہ کو تمام بنی ہاشم میں امتیازی اور خصوصی شان بلحاظ اپنے مورثوں کے حسب و نسب کے حاصل رہی ہے۔ خود آنحضرت کا ارشاد ہے کہ خدا نے اولاد اسمٰعیل کو جمیع اقوام عالم سے برگزیدہ کیا۔ اور ان میں سے قریش کو برگزیدہ کیا۔ اور قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا۔ واصطفانی من بنی ھاشم (الحدیث) یعنی بنی ہاشم میں مجھے برگزیدہ کیا۔ اور بے شک کیوں نہ برگزیدہ ہو وہ ذات ارفع و اعلیٰ جس پر تمام عالم کی خوبیاں ختم ہوگئیں۔ وللہ در ما قال ؎ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

حضور کا ارشاد ہے من بہترین خلقم از روئے ذات و بہترین ایشان از روئے نسب (مدارج النبوہ) پس کوئی شک نہیں کہ آپ کی اولاد بھی از روئے نسب و ذات اقدس حضور صلعم بہترین بنی آدم ہے اور یہ شرف مخصوص ہے۔ جناب سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہرا کی اولاد امجاد سے بنی ہاشم میں سے کسی دوسرے کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

خود حضور کا ارشاد ہے کہ اے فاطمہ میں نے اپنے خاندان میں افضل ترین شخص سے تیرا نکاح کیا ہے۔ (ازالہ و طبقات ابن سعد و سیرۃ النبی وغیرہ) پس اب کسی

دوسری شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہی ۔ اور خود جناب مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ کر دیا کہ بنی ہاشم میں افضل ترین شخص جناب اسداللہ الغالب علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔ اور بے شک آپ نے خدا و رسولؐ کی جو شاندار خدمات انجام دی ہیں اور جن کا اعتراف خود جناب باری تعالیٰ اور افضل ترین بنی آدم یعنی جناب سرور کونین صلعم اور تمام امت نے کیا ہے۔ وہ کسی دوسرے فرد بنی ہاشم سے ظہور میں نہیں آئیں۔ تمام علما اس پر متفق ہیں کہ باسانید حسنہ جس قدر احادیث جناب علی مرتضیٰ کرم کے حق میں ہیں ۔ وہ کسی دوسرے ہاشمی کے حق میں نہیں ہیں اور فی الواقع دیگر تمام بنی ہاشم میں کوئی شخص ان فضائل میں جناب علیؓ کا ہمسر نہیں ۔

اتفاق است علما را کہ انچہ کہ فضیلت در نسب حسنینؓ را است کسے دیگر را نیست ۔ (سعادۃ الکونین) پس حسنین کی نسبی فضیلت علماء امت کی متفقہ قرار پائی ہے۔ دیگر بنی ہاشم حسنینؓ اور ان کی اولاد امجاد سے فضیلت نسب میں ہمسر نہیں قرار دئے جا سکتے اور اس میں کسی چون و چرا اور حجت کی گنجایش نہیں کیونکہ یہ مسئلہ متفقہ علما ہے۔ اور تمام امت نے قولاً و فعلاً تحریراً و تقریراً سراً و علانیۃً غرض ہر طرح سے ہر زمانہ اور ہر زمین میں ہمیشہ سے تسلیم کیا ہے۔

فرق مراتب کے اظہار کے بھی مختلف طریقے متفقہ عمل سے قائم ہو چکے ہیں۔ مثلاً انبیاء علیہم السلام کی جماعت جو تمام عالم میں سب سے برگزیدہ جماعت ہے باتفاق مسلمانان الفاظ علیہم السلام سے یاد کی جاتی ہے۔ انبیا کی جماعت کے علاوہ یہ الفاظ عظمت و تمجید کسی دوسری جماعت سے متعلق قرار نہیں دئے گیے لیکن اس میں صرف ایک ہی استثنار ہے وہ جماعت دنیا میں صرف سادات عظام کے اجداد کرام کی ہے یعنی جناب علیؓ و جناب فاطمہؓ اور ان کی اولاد امجادؑ کے اسمار گرامی کے ساتھ باوجود منصب نبوت پر فائز نہ ہونے کے الفاظ علیہ السلام و علیہم السلام

عام طور پر علما و غیر علما سب ہی استعمال کرتے ہیں اور بے شک کسی دوسرے ہاشمی سے یہ الفاظ تمجید و تعظیم آج تک کبھی متعلق نہیں کئے گیے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ یہ شرف حسب و نسب بنی ہاشم میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ اکابر بنی عباس بھی جن کی نسبی مفاخرۃ اور نسلی فوقیت کے دعاوی سے تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جناب حسنین علیہما السلام کی نسبی فضیلت کے معترف رہے ہیں۔ ہارون الرشید کا قول ہے کہ **حسنین اہل سادات اور فضیلت میں سب سے مقدم ہیں۔** (تاریخ الخلفاء سیوطی) ہم نے خاص طور پر یہاں بنی عباس کی مثال اس لیے دی ہے کہ دنیاوی جاہ و جلال کے اعتبار سے یہ تمام بنی ہاشم میں ممتاز اور نسبی فوقیت کے دعاوی میں تاریخ میں سب سے زیادہ مشہور ہیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کے مقابل بھی نسبی مفاخرہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے امین الرشید عباسی نے اپنے بھائی مامون کے مقابل جو برتری کا دعوی کیا ہے وہ تاریخ میں درج ہے۔ ان اشعار کا ترجمہ ہم تاریخ الخلفاء سیوطی سے نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے

تو اپنے اوپر ہرگز فخر نہ کر فخر تو نجیب الطرفین کے واسطے ہے۔ جب لوگ فخر کرنے لگیں تو تو الگ ہٹ جا کیونکہ تو اس قابل نہیں ہے۔ تو منبر پر روزانہ بڑائی مارتا ہے۔ مگر میرے بعد تخت خلافت پر نہ آئے گا۔ جو تیری فضیلت بیان کرتا ہے۔ وہ تجھے عیب لگاتا ہے۔ اور تو میرے حق میں مقال باطل کرتا ہے۔

اللہ اللہ یہ وہی امین الرشید عباسی ہاشمی ہے کہ جب اس پر قاتلانہ حملہ ہوا تو قتل ہونے سے چند لمحے قبل تکیئے کو اپنی سپر بنا کر بے اختیار چلا چلا کر اس نے کہنا شروع کیا :۔

"انا ابن عم رسول اللہ۔ انا ابن ہارون۔ انا اخو المامون۔ اللہ اللہ فی دمی۔ اللہ اللہ فی دمی"۔ اسی امین کا باپ ہارون ہے جو حسنین کے اہل سادات اور فضیلت میں سب سے مقدم ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اور ہارون و مامون وغیرہ

ہی نہیں۔ تمام عالم اس سیادت و بزرگی پر شہادت دیتا آیا ہے۔ کیا یہ نسبی فضیلت دیگر بنی ہاشم میں ثابت کیجا سکتی ہے۔

اس سیادت اور بزرگی کا اعتراف امت محمدی نے ایک دوسرے طریقہ پر اپنے عمل سے بھی کیا ہے اعتراف لسانی و اعتقادی کے بعد اعتراف عملی سے تصدیق بالائے تصدیق اس بزرگی اور محبت کی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اشخاص کے نام ہمیشہ وہ رکھے جاتے ہیں جو محبوب و مرغوب ہوں نہ کہ مردود و مبغوض۔ ہرچند کہ خدا کے گھر محض اعمال کی پرسش ہے۔ اور خدا کے نزدیک اکرم وہی ہے جو اتقیٰ ہے۔ نام کچھ بھی کسی شخص کا ہو خدا کے گھر اعمال ہی دیکھے جائیں گے لیکن متفقہ عمل تمام عالم کا یہ ہے کہ مکروہ ناموں سے احتراز واجبی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ابلیس و فرعون و ہامان و شداد وغیرہ ناموں سے احتراز کیا گیا ہے کہ یہ سب خدا کے دشمن تھے۔ کیا دنیا میں کسی مسلمان کا کوئی نام ان ناموں پر رکھا جاتا ہے ہرگز نہیں۔ نام وہی رکھے جاتے ہیں۔ جو عزیز و محبوب ہوں۔ جن بزرگوں کے ناموں کی بقا مقصود ہو انہیں کے ناموں پر ہمیشہ نام رکھے جاتے ہیں کہ اس تقریب سے اس بزرگ کا نام بار بار زبان پر آنے کا ایک بہانہ ہاتھ آتا ہے۔ جس سے بقاء نام بھی مقصود ہے۔ اور اس محبت کا اظہار بھی مقصود ہوتا ہے جو اس بزرگ کی ذات سے ہے۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ تمام عالم میں اسی طرح عمل رہا ہے اور اب بھی یہی عمل ہے اور آیندہ بھی یہی رہے گا۔ یہ ایک ایسا متفقہ عمل تمام دنیا کا ہے جس سے نہ آج تک کسی نے انکار کیا ہے۔ نہ اب کسی کو مجال انکار ہو سکتی ہے اسی عمل کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں فرعون شیطان۔ و ابوجہل وغیرہ نام قطعاً معدوم ہیں۔ برخلاف اس کے جو ہستی سب سے زیادہ عزیز و محبوب ہے۔ اس کے نام پر مسلمانوں کے جس قدر نام ہیں اتنے کسی دوسری ہستی کے ہرگز نہیں۔ یعنی وہ محبوب ترین اور عزیز ترین ہستی جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے جس قدر نام احمد و محمدؐ کے نام پر رکھے گئے ہیں اور جس کثرت سے یہ نام نامی مسلمانوں کی جماعت میں پایا جاتا ہے کوئی دوسرا نام اس کثرت سے نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ ہستیاں ہیں جن سے حضور صلعم کی قرابت قریبہ اور محبت و الفت کا تعلق ہے اور جو الین خادم خدا و رسول و سابقون الاولون میں ہیں۔ اس دعوت کی صداقت پر تمام عالم اسلام گواہ ہے کہ ہر اس مقام پر جہاں چند مسلمان بھی پائے جائیں ناممکن ہے کہ ان اسمار گرامی میں سے سب یا چند کے نام نہ پائے جائیں۔

دنیائے اسلام کا کوئی شہر کوئی گاؤں کوئی محلہ کوئی گلی حتیٰ کہ کوئی گھر ایسا نہ نکلے گا جس میں ان ناموں کا وجود نہ پایا جائے کہ جن اشخاص کے یہ نام ہیں خود رسول کریم صلعم کو ان سے بے حد الفت تھی اور بارگاہ رسالت میں بھی ذات مکرم تھی۔ اسی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ سادات عظام کے اجداد کے اسمار گرامی جس کثرت سے دنیائے اسلام میں ملتے ہیں دیگر بنی ہاشم کے بزرگوں کے نام نہیں ملتے دنیائے اسلام اس پر گواہ ہے کہ علیؑ و فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ کے نام جس کثرت سے ہیں عقیل و حارث و جعفر و عباس و ابن عباس کے نام اسی قدر قلت سے ہیں۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ یہ چار تن علیہم السلام اپنی حسبی و نسبی خصوصیات میں دیگر بنی ہاشم سے اعلیٰ و افضل مانے جاتے ہیں۔ اور جو بزرگی بنی ہاشم میں ان چہار تن سے وابستہ ہے دیگر افراد سے ہرگز نہیں ہماری اس تحریر سے ہرگز یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم دیگر اکابر بنی ہاشم کی (معاذ اللہ) توہین یا تنقیص کر رہے ہیں حاشا ثم حاشا یہ تمام اکابر بنی ہاشم ہمارے نزدیک نجوم ہدایت و سرچشمہ سعادت ہیں۔ مگر فرق مراتب کے اعتبار سے ان میں کوئی شمس ہے اور کوئی قمر ہے۔ اور ہر فرد اپنے فضائل و محاسن کا حامل و جامع ہے اور کیوں نہ ہو کہ انہیں میں وہ فدائے اسلام جناب سید الشہدا حمزہؓ شہید احد کی ذات اقدس ہے جن کی شہادت پر بار بار جناب رسول اللہ صلعم نے گریہ فرمایا۔ یہ وہی جناب حمزہؓ ہیں جو حضور کے خیر اعمام ہیں۔ (الحدیث)۔

مقصد اس تحریر سے صرف اس قدر ہے کہ بنی ہاشم میں جو امتیازی شان بنی فاطمہ کو حاصل ہے اس کا اظہار عالم اسلام میں منجملہ دیگر طریقوں کے اس طریقہ سے بھی کیا گیا ہے کہ ان کے ناموں پر جس کثرت سے امت محمدی میں نام رکھے گئے ہیں کسی دوسرے ہاشمی کے نام نہیں رکھے گئے۔ اور بیشک اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلحاظ حسب و نسب امت محمدی میں یہ ہستیاں جس قدر عزیز و محبوب ہیں۔ دیگر بنی ہاشم کی ہستیاں اس قدر عزیز و محبوب نہیں ہیں۔ تمام عالم اسلام کی اس متفقہ شہادت عملی سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کی تائید دوسرے طریقے پر عالم اسلام کے متفقہ ترک عمل سے بھی ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ جن افراد نے ان چہار تن نامدار سے عداوت رکھی اور مخالفت کی یا ان کے یا ان کی اولاد کے دشمن کہلائے ان کے نام پر باوجود ان کی عظمت و شوکت و شہرت کے کوئی شخص اپنا یا اپنے متعلقین کا نام رکھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ کیونکہ ایسی تمام ہستیاں جو سادات کی مخالفت میں مشہور ہیں امت محمدی کے نزدیک مبغوض و نامحمود ہیں اور جس طرح مقبول و محمود ہستیوں کے نام پر نام رکھنے کا عمل جاری ہے۔ اسی طرح مبغوض و نامحمود ہستیوں کے ناموں کے متعلق ترک عمل اور مقاطعہ کا سلسلہ بھی موجود ہے۔ یزید و شمر وغیرہ کے نام کیوں نہیں رکھے جاتے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ یہ ہستیاں سادات کرام کی دشمنی میں خاص طور پر بدنام ہیں۔ کیا کوئی مثال ایسی بیان کی جا سکتی ہے کہ فلاں مقام پر اس وقت محمد شمر یا یزید احمد وغیرہ نام رکھے جاتے ہیں۔ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بخلاف اس کے ان چہار تن نامدار کے ناموں سے کوئی گوشہ خالی نظر نہ آئے گا۔ اس وقت نو دس کرور مسلمان سرزمین ہند پر بھی آباد ہیں اور ان میں ہر خیال اور ہر طبقہ کے مسلمان کم و بیش موجود ہیں۔ لیکن غور طلب یہ ہے کہ ان نو دس کروڑ میں سے کسی ایک کا نام بھی ان مشہور مگر نامقبول ہستیوں

یں سے اتفاقاً کسی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ سب سے بڑی جماعت جو اس وقت ہندوستان
میں قرآن و حدیث تعلیم کی علمبردار ہونے کی مدعی ہے۔ وہ اہل دیوبند کی ہے۔ اور عقیدہ
تسنن میں اشد و شدید ہونے کیلئے خاص طور پر مشہور بلکہ وہابی جماعت کہی جاتی ہے۔ دیکھیے کہ اس
جماعت میں محمود حسن (شیخ الہندؒ) و اشرف علی و حسین احمد و مرتضیٰ حسن و شبیر احمد وغیرہ اس
جماعت کے اکابر کے نام موجود ہیں۔ اور بکثرت و بتواتر موجود رہے ہیں لیکن آج تک کسی
بندہ خدا کا نام ہم نے بجائے محمود حسین وغیرہ کے محمود یزید و اشرف یزید و یزید احمد و محمد شمر وغیرہ
ہرگز نہیں سنا۔ بلکہ ان نامقبول ناموں کا یونہی ان متبرک ناموں کے ساتھ سامعہ خراش
معلوم ہوتا ہے۔ ان چہار تن نامدار کے نام جس قدر مقبول ہیں اسی قدر ان کے اعدا کے
نام نامقبول و مردود ہیں اور بے شک بنی ہاشم میں سے یہ شرف صرف سادات ہی کو حاصل
ہوا ہے۔ کہ ان کے بزرگوں کے نام امت محمدی میں اس قدر عزیز و محبوب و مقبول ہیں کہ
کسی دوسرے ہاشمی کے نہیں ہیں۔ اور اسی قدر ان کے اعدا کے نام مبغوض و نامقبول
بھی ہیں۔ دیگر ہاشمی جماعتوں کا عمل بھی قابل دید ہے کہ ان میں بھی سادات کے ناموں کی
کثرت ملے گی۔ شاذ ہی عباسیوں میں ایک دو کے نام ہارون الرشید و مامون الرشید کے
نام پر پائے جائیں لیکن سادات کے مورثوں کے ناموں پر اس جماعت میں بھی بکثرت و تواتر
نام ملیں گے۔ انیسویں صدی عیسوی میں امروہہ کی مشہور ترین ہستی اس جماعت میں جو عباسی
کہی جاتی ہے صاحب آئینۂ عباسی کی ہے ان کا نام نامی محب علی خاں ہے لیکن ان میں
سے شاذ ہی کسی کا نام محب منصور خاں یا محب متوکل خاں نظر آئے۔ اور کیوں نظر آئے کہ
یہ سلاطین اولاد رسول کے قتل و خوں ریزی کی وجہ سے خاص طور پر تاریخ اسلام میں نیک
نام نہیں ہیں۔ اکابر اہل اسلام ان خون ریزیوں اور اولاد رسول کے ظالمانہ قتل پر خون کے

آنسو روتے آتے ہیں۔ اب تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور شاگردان مظلومین کے خون ناحق پر محبان آل رسول قیامت تک آنسو بہاتے رہیں گے۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہم یہاں ایک دو راسخ العقیدہ اور مستند و مقبول زمانۂ حال کے مصنفین کے کلام کی نقل پر بس کرتے ہیں۔ ورنہ ان کے مظالم کے تفصیلی حالات سے کتب تاریخ و سیر کے دفتر بھرے پڑے ہیں ہم کہاں تک ان کی نقل کر سکتے ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی منصور کے مظالم کا حال نظماً بیان فرماتے ہیں:۔

مدتوں حضرت عباس بھی تھے شامل کفر
کم سے کم یہ کہ رسالت پہ تھا ان کو تیقین

بدر میں آکے لڑے اور گرفتار ہوئے
بس کہ تقدیر میں تھی خانہ زنداں کی زین

قیدیوں کے لیے جو گھر کہ ہوا تھا تیار
اتفاقات سے تھا خانہ مسجد کے قرین

رات کو حضرت عباس کراہے اکثر
قید کرتے ہوئے لوگوں نے جو کشیں تھیں کسیں

دیر تک سرور عالم کو رہی بے خوابی
کروٹیں لیتے تھے اور نیند نہ آتی تھی قرین

وجہ پوچھی جو صحابہ نے تو یہ فرمایا
آتی ہے کان میں عباس کی آواز حزین

جب سنا یہ تو وہیں کھول دیئے ہاتھ انکے
چین سے حضرت عباس نے راتیں کاٹیں

تھا انہیں حضرت عباس کا پوتا منصور
جو کہ ایوان خلافت میں ہوا تخت نشین

ایک دن حکم دیا اس نے کہ اولاد رسول
ایک جا جمع کئے جائیں جو مل جائیں کہیں

پھر دیا حکم کہ ان سب کو پنھا کر زنجیر
کہہ دو ان سے کہ بنیں خانۂ زنداں کے مکین

ایک دن سیر کو اس شان سے نکلا منصور
پا بہ زنجیر تھے سادات یسار اور یمین

ساتھ ساتھ آتے تھے پیدل جگر و جان رسول
اور منصور تھا زیب حرم خانۂ زین

ایک نے مجمع سادات سے بڑھ کر یہ کہا | گرچہ اس لطف کے ممنون ہیں ہم خاک نشین
غزوہ بدر میں لیکن جو کیا ہم نے سلوک | وہ تو کچھ اور تھا ہے یاد بھی تم کو کہ نہیں

زمانہ حال کے ہندوستان کے سب سے بڑے اور مستند زندہ مورخ اسلام اکبر شاہ خاں نجیب آبادی مدظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں :-

منصور نے اس تحریر کو پڑھتے ہی محمد بن عبداللہ عمرو بن عثمان کو قید خانے سے بلا کر جلاد کے سپرد کیا اور ان کا سر اتروا کر خراسان بھیجدیا اس سر کے ساتھ چند آدمی ایسے بھیجے گئے جنہوں نے جا کر قسم کھا کر شہادت دی کہ یہ سر محمد بن عبداللہ کا ہے اور ان کی دادی کا نام فاطمہ بنت رسول اللہ تھا۔ اس طرح اہل خراسان کو دھوکا دیا گیا کہ محمد مہدی قتل ہوگئے اور یہ انھیں کا سر ہے۔ پھر منصور نے محمد بن ابراہیم بن حسن کو زندہ ایک ستون میں چنوا دیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن حسن بن حسن بن علیؓ اور علی بن حسن بن علی کو قتل کیا گیا۔ پھر ابراہیم بن حسن بن حسن بن علیؓ اور عباس بن حسن بن حسن بن علیؓ وغیرہ کو سخت اذیتوں کے ساتھ قتل کیا گیا منصور کی یہ سنگدلی اور قساوت قلبی نہایت حیرت انگیز ہے۔ بنو امیہ علویوں کے مخالف اور دشمن تھے۔ اور عباسی تو اب تک علویوں کے ساتھ شیر و شکر چلے آتے تھے۔ بنو امیہ کی علویوں سے کوئی قریبی رشتہ داری نہ تھی لیکن عباسیوں اور علویوں کا تو بہت ہی قریبی رشتہ تھا۔ علویوں نے بنو امیہ کی سخت مخالفت کی تھی اور بارہا بنو امیہ کے خلاف تیر و تلوار کا استعمال کر چکے تھے لیکن بنو عباس کے خلاف ابھی تک انھوں نے کوئی جنگی مظاہرہ بھی نہیں کیا۔ ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھو اور سوچو کہ بنو امیہ نے کسی علوی کو محض

شبہ میں گرفتار کر کے قتل نہیں کیا۔ بلکہ ان کے ہاتھ سے وہی علوی قتل ہوئے جو میدان
جنگ میں لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مگر منصور نے بالکل بے گناہ اولاد حسن کے کتنے افراد
کس قساوت قلبی اور بے دردی کے ساتھ قتل کئے ہیں منصور کا یہ قتل سادات جرم
وگناہ کے اعتبار سے یزید بن معاویہ کے قتل حسین سے بڑھ چڑھ کر نظر آتا ہے۔ شاید اسی کا
نام دنیا ہے۔ جس کی ہوس میں انسان اندھا ہو کر ہر ایک ناشدنی کام کر گذرتا ہے۔
(تاریخ اسلام اکبر خانی)

یہ وہی منصور خلیفہ عباسی ہیں جن سے محمد مہدی نفس زکیہ الحسنی سے مشہور تاریخی مراسلت
ہوئی ہے۔ ہم اسے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے یہاں تاریخ اسلام اکبر خانی سے نقل کرتے ہیں۔ جس سے
معلوم ہوگا کہ کس طرح منصور نے اولاد رسول کی اہانت و ایذا پر کمر باندھ رکھی تھی۔ جب اولاد
رسول کے بے گناہ قتل اور منصور کے مظالم کی کوئی حد باقی نہ رہی اور اولاد رسول کی عافیت ہر طرح خطرہ
میں پڑ گئی تو آخر یہ بیچارے کیا کرتے انھوں نے بھی بمصداق تنگ آمد بجنگ آمد باوجود اپنی
بے کسی اور بے بسی کے تلوار ہاتھ میں لی اور عزت کی موت کو ذلت اور خدشہ کی زندگی پر ترجیح
دی۔ منصور نے ابتداً مہدی نفس زکیہ سید حسنی کو یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ انما جزاء الذین یحاربون اللہ و
رسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا ویصلبوا او تقطع
ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ذلک لھم خزی
فی الحیوۃ الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم الا الذین تابوا
من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ غفور رحیم۔

میرے اور تمہارے درمیان اللہ اور اس کے رسول کا عہد و میثاق اور ذمہ ہے

میں تم کو تمہارے خاندان کو اور تمہارے متبعین کو جان اور مال و اسباب کی امن دیتا ہوں۔ نیز اتنک تم نے جو خونریزی کی ہو یا کسی کا مال لے لیا ہو اس سے بھی درگذر کرتا اور تم کو ایک لاکھ درم اور دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ جو تمہاری اور کوئی حاجت ہوگی وہ بھی پوری کر دی جائے گی جس شہر کو تم پسند کروگے اسی میں مقیم کئے جاؤ گے۔ جو لوگ تمہارے شریک ہیں۔ اس امن دینے کے بعد ان سے کبھی مواخذہ نکروں گا۔ اگر تم ان باتوں کے متعلق اطمینان کرنا چاہتے ہو تو اپنے معتمد کو میرے پاس بھیجکر مجھ سے عہدنامہ لکھوالو اور ہر طرح مطمئن ہو جاؤ۔

یہ خط جب محمد مہدی نفس زکیہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ:۔

طسم۔ تلك آيات الكتاب المبين نتلوا عليك من انباءِ موسىٰ و فرعوٰ بالحق لقومٍ يومنون ان فرعون علا فى الارض وجعل اهلها شيعاً يستضعف طائفة منهم يذبح ابناء هم ويستحي نساء هم انه كان من المفسدين ونريد ان نمن على الذين استضعفوا فى الارض ونجعلهم ائمة ونجعلهم الوارثين ونمكن لهم فى الارض و نري فرعون وهامان وجنودهما منهم ما كانو يحذرون۔

ہم تمہارے لیے ویسا ہی امان پیش کرتے ہیں جیسا کہ تم نے ہمارے لئے پیش کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہمارا حق ہے۔ تم ہمارے ہی سبب سے اس کے مدعی ہوے اور ہمارے ہی گروہ والے بن کر حکومت حاصل کرنے کو نکلے اور اسی لیے کامیاب ہوے۔ ہمارا باپ علی وصی اور امام تھا۔ تم اس کی ولایت کے وارث کس طرح ہو گئے۔ حالانکہ ان کی اولاد موجود ہے۔ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم جیسے شریف و صحیح النسب لوگوں نے حکومت کی خواہش

نہیں کی ہم ملعونوں اور مردودوں کے بیٹے نہیں ہیں۔ بنو ہاشم میں کوئی قرابت وسابقیت وفضیلت میں ہمارا ہمسر نہیں ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ہم فاطمہ بنت عمرو کی اولاد میں سے ہیں اور اسلام میں فاطمہؓ بنت رسول اللہ کی اولاد میں ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے ہم کو تم سے برتر و بہتر بنایا ہے۔ نبیوں میں ہمارے باپ نبی صلعم ہیں جو سب سے افضل ہیں اور سلف میں علی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اور ازواج مطہرات میں سب سے پہلے خدیجۃ الکبریٰ نے قبلہ کی طرف نماز پڑھی۔ لڑکیوں میں فاطمہ سیدۃ النسأ دختر رسول اللہ ہیں جن کو تمام جہاں کی عورتوں پر فضیلت ہے۔ مولودین اسلام میں حسن وحسین ہیں جو اہل جنت کے سردار ہیں۔ ہاشم سے علیؓ کا دوہرا سلسلۂ قرابت ہے۔ اور حسن کا عبدالمطلب سے دوہرا سلسلۂ قرابت ہے۔ میں باعتبار نسب کے بہترین بنی ہاشم ہوں۔ میرا باپ بنی ہاشم کے مشاہیر میں سے ہے۔ مجھ میں کسی عجمی کی آمیزش نہیں۔ اور نہ کسی لونڈی یا باندی کا اثر ہے۔ میں اپنے اور تمہارے درمیان خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ اگر تم میری اطاعت اختیار کروگے تو میں تم کو تمہاری جان ومال کی امان دیتا ہوں۔ اور ہر ایک بات سے جس کے تم مرتکب ہو چکے ہو درگذر کرتا ہوں مگر کسی حد کا حدود اللہ سے یا کسی مسلمان کے حق یا معاہدہ کا میں ذمہ دار نہ ہوں گا۔ کیونکہ اس معاملہ میں جیسا کہ تم جانتے ہو میں مجبور ہوں۔ یقیناً میں تم سے زیادہ مستحق خلافت اور عہد کا پورا کرنے والا ہوں۔ تم نے مجھ سے پہلے بھی چند لوگوں کو امان اور قول دیا تھا پس تم مجھے کونسی امان دیتے ہو۔ امان ابن ہبیرہ کی یا امان اپنے چچا عبداللہ کی۔ یا امان ابو مسلم کی۔

منصور کے پاس مہدی نفس زکیہ کا یہ خط پہونچا تو اس نے بہت پیچ وتاب کھایا اور اس کا یہ جواب لکھ کر نفس زکیہ کے پاس روانہ کیا:۔

میں نے تمہارا خط پڑھا۔ تمہارے فخر کا دارومدار عورتوں کی قرابت پر ہے جس سے بازاری لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو چچاؤں۔ اور ولیوں کی طرح نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے چچا کو باپ کا قائم مقام بنایا ہے۔ اور اپنی کتاب میں اس کو قریب ترین ماں پر مقدم کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ عورتوں کی قرابت کا پاس و لحاظ کرتا تو آمنہ (مادر رسول اللہ صلعم) جنت میں داخل ہونے والوں کی سردار ہوتیں۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی مرضی کے موافق جس کو چاہا برگزیدہ کیا۔ اور تم نے جو فاطمہ ام ابی طالب کا ذکر کیا ہے تو اس کی حالت یہ ہے کہ خدا نے اس کے کسی لڑکے اور کسی لڑکی کو اسلام نصیب نہیں کیا۔ اگر اللہ تعالیٰ مردوں میں سے کسی کو بوجہ قرابت برگزیدہ کرتا تو عبد اللہ بن عبد المطلب کو اور بیشک وہ ہر طرح بہتر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے جس کو چاہا اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ انك لاتهدى من احببت ولكن الله يهدى من يشآء وهو اعلم بالمهتدين۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو مبعوث کیا تو اس وقت آپ کے چار چچا موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آیۂ کریمہ وانذر عشيرتك الاقربين نازل فرمائی چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو عذاب سے ڈرایا۔ اور دین حق کی طرف بلایا۔ ان چاروں میں سے دو نے اس دین کو قبول کیا۔ جن میں سے ایک تو میرا باپ تھا۔ اور دو نے دین حق قبول کرنے سے انکار کیا ان میں سے ایک تمہارا باپ ابو طالب تھا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا سلسلۂ ولایت آپ سے منقطع کر دیا اور آپ میں اور ان دونوں میں کوئی عزیز داری اور میراث قائم نہ کی۔ حسن کی بابت جو تم نے لکھا ہے کہ عبد المطلب سے ان کا دوہرا سلسلہ قرابت ہے اور پھر تم کو رسول اللہ سے دوہرا رشتہ قرابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم خیر الاولین والآخرین میں

ان کو ہاشم اور عبد المطلب سے صرف ایک پدری تعلق تھا۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بہترین بنو ہاشم ہو۔ اور تمہارے ماں باپ ان میں زیادہ مشہور تھے اور تم میں عجمیوں کا میل اور کسی لونڈی کا لگاؤ نہیں ہے میں دیکھتا ہوں کہ تم نے کل بنو ہاشم سے اپنے آپ کو زیادہ مفتخر بنا دیا ہے۔ ذرا غور تو کرو تم پر تف ہے۔ کل خدائے تعالیٰ کو کیا جواب دوگے۔ تم نے حد سے زیادہ تجاوز کیا اور اپنے آپ کو اس سے بہتر بنایا جو تم سے ذات و صفات میں بہتر ہے یعنی ابراہیم بن رسول اللہ بالخصوص تمہارے باپ کی اولاد میں کوئی بہتر و اہل فضل سوائے کنیزک زادوں کے نہیں ہے۔ بعد وفات رسول اللہ صلعم تم میں علیؓ بن حسینؓ یعنی امام زین العابدین سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ اور وہ کنیزک کے لڑکے ہیں۔ اور وہ بلاشبہ تمہارے دادا حسن بن حسن سے بہتر ہیں۔ ان کے بعد کوئی شخص پیدا محمدؐ بن علی کے مانند نہیں ہوا۔ ان کی دادی کنیزک تھیں۔ اور وہ تمہارے باپ سے بہتر ہیں۔ اور ان کی دادی کنیزک تھیں۔ تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ ہم محمدؐ رسول اللہ صلعم کے بیٹے ہیں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے (ماکان محمد ابا احد من رجالکم) اور ہاں تم ان کی لڑکی کے لڑکے ہو اور بیشک یہ قرابت قریبہ ہے۔ مگر اس کو میراث نہیں پہنچ سکتی اور نہ یہ ولایت کی وارث ہو سکتی ہے۔ اور نہ اس کو امارت جائز ہے۔ پس اس قرابت کے ذریعہ تم کس طرح وارث ہو سکتے ہو۔ تمہارے باپ نے ہر طرح اس کی خواہش کی تھی۔ فاطمہ کو دن میں نکالا ان کی بیماری کو چھپایا اور رات کے وقت ان کو دفن کیا۔ مگر لوگوں نے سوائے شیخین کے کسی کو منظور نہ کیا۔ تمام مسلمان اس پر متفق ہیں کہ نانا۔ ماموں اور خالہ مورث نہیں ہوتے۔ پھر تم نے علی اور ان کے سابق بالاسلام ہونے کی وجہ سے فخر کیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے وفات کے وقت دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا

بعد ازاں لوگ ایک کے بعد دوسرے کو امام بناتے گئے اور ان کو منتخب نہ کیا۔ حالانکہ یہ بھی
ان چھ شخصوں میں تھے۔ لیکن سبھوں نے ان کو اس امر کے قابل نہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور اس
معاملہ میں ان کو حقدار نہ سمجھا۔ عبد الرحمنؓ نے تو ان پر عثمان کو مقدم کر دیا اور وہ اس معاملے
میں متہم بھی ہیں۔ طلحہؓ و زبیرؓ ان سے لڑے سعدؓ نے ان کی بیعت سے انکار کیا۔ بعد
ازاں معاویہ کی بیعت کی۔ بعد اس کے تمہارے باپ نے پھر خلافت کی تمنا کی اور لڑے۔
ان سے ان کے ساتھی جدا ہو گئے۔ اور حکم مقرر کرنے سے پہلے ان کے ہوا خواہ ان کے
مستحق ہونے کی بابت مشکوک ہو گئے۔ پھر انھوں نے رضامندی سے دو شخصوں کو حکم مقرر کیا
ان دونوں نے ان کی معزولی پر اتفاق کر لیا۔ پھر حسنؓ خلیفہ ہوئے۔ انھوں نے خلافت کو
معاویہ کے ہاتھ کپڑوں اور درہموں کے عوض فروخت کر ڈالا۔ اور اپنے ہوا خواہوں کو
معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اور حکومت نااہل کو سونپ دی پس اگر اس میں تمہارا کوئی حق
بھی تھا تو تم اس کو فروخت کر چکے اور قیمت وصول کر لی۔ پھر تمہارے چچا حسینؓ نے ابن مرجانہ
(ابن زیاد) پر خروج کیا۔ لوگوں نے تمہارے چچا کے خلاف اس کا ساتھ دیا۔ یہاں تک
کہ لوگوں نے تمہارے چچا کو قتل کیا۔ اور ان کا سر کاٹ کر اس کے پاس لے آئے پھر
تم لوگوں نے بنو امیہ پر خروج کیا۔ انھوں نے تم کو قتل کیا۔ خرما کی ڈالی پر سولی دی۔
آگ میں جلا دیا۔ شہر بدر کر دیا۔ یحییٰ بن یزید کو خراسان میں قتل کیا۔ تمہارے ذکور کو قتل
کیا۔ لڑکوں اور عورتوں کو قید کر لیا۔ اور بغیر پردہ کے اونٹوں پر سوار کر کے تجارتی
لونڈیوں کی طرح شام بھیج دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے ان پر خروج کیا۔ اور ہم نے تمہارا
معاوضہ طلب کیا۔ چنانچہ تمہارے خونوں کا بدلہ ہم نے لے لیا۔ اور ہم نے تم کو ان کی
زمین و جائداد کا مالک بنایا۔ ہم نے تمہارے بزرگوں کو فضیلت دی اور معزز بنایا کیا

تم اس کے ذریعہ ہم کو ملزم بنانا چاہتے ہو۔ شائد تم کو یہ دھوکا لگا ہے کہ تمہارے باپ
حمزہؓ و عباسؓ و جعفر پر مقدم ہونے کی وجہ سے ہم ذکر کیا کرتے تھے۔ حالانکہ جو کچھ تم نے سمجھا
ہے وہ بات نہیں ہے۔ یہ لوگ تو دنیا سے ایسے صاف گئے کہ سب لوگ ان کے مطیع تھے
اور ان کے افضل ہونے کے قائل تھے۔ مگر تمہارا باپ جدال و قتال میں مبتلا کیا گیا۔ بنو امیہ
ان پر اس طرح لعنت کرتے تھے۔ جیسے کفار پر نماز فرائض میں کی جاتی ہے پس ہم نے جھگڑا
کیا۔ ان کے فضائل بیان کئے۔ بنو امیہ پر سختی کی اور ان کو سزا دی۔ تم کو معلوم ہے کہ
ہم لوگوں کی بزرگی جاہلیت میں حجاج کے پانی پلانے کی وجہ سے تھی۔ اور یہ بات تمام بھائیوں
میں صرف عباس ہی کو حاصل تھی۔ تمہارے باپ نے ان کے متعلق ہم سے جھگڑا کیا عمر فاروق
نے ہمارے حق میں فیصلہ کیا۔ پس اس کے مالک جاہلیت اور اسلام میں ہم ہی رہے جن
دنوں مدینہ میں قحط پڑا تھا تو عمر فاروقؓ نے اپنے رب سے پانی مانگنے میں ہمارے ہی باپ
سے توسل کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے پانی برسایا تھا۔ حالانکہ تمہارے باپ اس وقت
موجود تھے۔ ان کا توسل نہیں کیا۔ تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی ہے تو بنی عبد المطلب
میں سے کوئی شخص سوائے عباس کے باقی نہ تھا۔ پس وراثت چچا کے طرف منتقل ہو گئی۔
پھر بنی ہاشم میں سے کئی شخصوں نے خلافت کی خواہش کی مگر سوائے عباس کی اولاد کے
کوئی کامیاب نہ ہوا۔ سقایت تو ان کی تھی ہی۔ نبی کی میراث بھی ان کی طرف منتقل ہو گئی
اور خلافت ان کی اولاد میں آ گئی غرض دنیا و آخرت و جاہلیت و اسلام کا کوئی شرف
باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث عباسؓ نہ ہوئے ہوں۔ جب اسلام شائع ہوا ہے تو
عباس اس وقت ابوطالب اور ان کی اولاد کے کفیل تھے۔ اور قحط کی حالت میں ان
کی دستگیری کرتے تھے۔ اگر بدر میں عباس کو بآکراہ نہ نکالا جاتا تو طالب بھوکے مرجاتے

اور عتبہ وشیبہ کے برتن چاٹتے رہتے لیکن عباس ان کو کھانا کھلا رہے تھے۔ انھوں نے ہی تمہاری آبرو رکھی غلامی سے بچایا۔ کھانے کپڑے کی کفالت کرتے رہے۔ پھر جنگ بدر میں عقیل کو فدیہ دیکر چھڑایا۔ پھر تم ہمارے سامنے کیا تفاخر جتاتے ہو۔ ہم نے تمہارے عیال کی کفر میں بھی خبرگیری کی تمہارا فدیہ دیا۔ تمہارے بزرگوں کی ناموس کو بچایا۔ اور ہم خاتم الانبیا کے وارث ہوئے۔ تمہارا بدلہ بھی ہم نے لیا۔ اور جس چیز سے تم عاجز ہوگئے تھے اور حاصل نہ کرسکتے تھے۔ اس کو ہم نے حاصل کرلیا۔ والسلام۔

دنیا میں بفضلہ تعالیٰ اب بھی بکثرت رجال علم وفضل موجود ہیں۔ اور محمد مہدی نفس زکیہ کی یہ ایک تحریر اور منصور کی یہ دو تحریریں پڑھ کر بجائے خود رائے قائم فرماسکتے ہیں۔ کہ منصور کا یہ جواب کس قدر واقعات اور حقائق پر مبنی ہے ہم اپنی طرف سے اس پر زیادہ لکھنا لحاظ حالات مناسب نہیں سمجھتے۔ اور نہ اس کی کوئی خاص ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ بارہ سو سال کے زمانہ میں عالم اسلام نے منصور اور مہدی نفس زکیہ کے دعاوی وبیانات پر کافی غور وخوض کے بعد قولاً وفعلاً اچھی طرح اظہار رائے کردیا ہے۔ اور دنیا کو اچھی طرح معلوم ہے کہ منصور کا یہ جواب تلخ وترش بھی ہے۔ اور واقعات اور حقائق پر بھی مبنی نہیں ہے۔ عالم اسلام بلکہ تمام عالم میں بنی فاطمہ ہی سید وسادات سے نسباً مخاطب ہوئے۔ قرابت رسول اللہ صلعم میں بنی فاطمہ ہی جناب رسول کریم سے قریب ترین قرار پائے۔ جس کا اعتراف خود اکابر بنی عباس نے بارہا کیا ہے۔ ہارون الرشید کا قول ہے کہ حسنین اہل سادات اور افضلیت میں سب سے مقدم ہیں (تاریخ الخلفا) اور بنی عباس اچھی طرح جانتے تھے کہ جمہور کا میلان طبیع بہ نسبت ہمارے بنی فاطمہ کی طرف زیادہ ہے کیونکہ قرب رسول جس کی بنیاد پر ہم نے خلافت حاصل کی ہے اس میں ان کا رتبہ ہم سے بڑھ کر ہے (تاریخ الامت) وراثت اور خلافت کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے دو بڑے

گروہوں نے یعنی شیعہ وسنی نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے فیصل کر لیا شیعوں کا جو عقیدہ ہے وہ عیاں ہے سُنی لانرث ولا نورث کے ارشاد نبوی کو نافذ وجاری سمجھتے ہیں۔ خلافت غیر راشدہ اور ملک عضوض سنیوں اور شیعوں کے معیار پر کامل العیار نہیں ہیں۔ جن خلفاء غیر راشدین نے بڑے بڑے دعوے وارث رسول اور جانشین رسول ہونے کے کیئے۔ وہ سب اسی جگہ نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے (سیرۃ النبی) اہل سنت کے نقطۂ نظر سے خلافت راشدہ کا شرف بیشک ایک شرف عظیم ہے۔ اور بحمد اللہ اس میں بھی سادات کو دوہرا حصہ ملا جو کسی دوسرے ہاشمی کو نہ ملا سقایت حجاج جس کا ذکر زور وشور کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کلام اللہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو آیہ کریمہ اجعلتم سقایۃ الحاج .... الخ اس پر جو کچھ صاحبان تفاسیر ودیگر اکابر نے تحریر فرمایا ہے۔ اس غرض کے تصفیہ کے لیے کافی ہے۔ یہاں تفصیل کی حاجت نہیں منصور نے حضرت عباس کا یہ عمل آل علی علیہ السلام کے مقابل طنزاً بیان کیا ہے۔ کہ حضرت عقیل کی پرورش حضرت عباس نے کی۔ مگر منصور کو یہ لکھتے وقت خیال نہ رہا کہ چند قدم آگے چل کر بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ اگر حقیقی برادروں اور برادرزادوں کے یہ تعلقات باہمی زبانوں پر آنے لگیں تو اغیار واجانب کیا رائے قائم کریں گے خود شہنشاہ کونین وسبلتنا ذی الدارین رسول الثقلین صلے اللہ علیہ وسلم کی پرورش وکفالت کا شرف عظیم بھی آخر کسی ہستی کو حاصل ہوا ہے یا نہیں اور خود جناب ختم المرسلین۔ افضل النبیین۔ رحمۃ للعالمین نے بھی اپنی آغوش رحمت وشفقت میں کسی کی کفالت وپرورش کی ہے یا نہیں۔ جاننے والے سب جانتے ہیں۔ مگر ان باتوں کو بے محل زبان پر لانا مناسب نہیں سمجھتے۔ کہ یہ سب مقدس ہستیاں یک جان وچند قالب کی مصداق ہیں۔ اس قسم کے طعنے دینا یقیناً حضرت عباسؓ جیسے عالی ظرف کی سخت ناگواری کا باعث ہوتا اور اگر آنجناب کو اپنے اخلاف کے ایسے بیانات کا علم ہوتا

تو یقیناً اظہار ناراضی فرما کر بیان کرتے کہ حضرت عقیلؓ کے فدیہ ادا کرنے کا یا اور کوئی اس قسم کا قرضہ اگر باقی بھی تھا تو بار بار اس اصل کو مع شئی زائد ادا کیا جا چکا ہے صدہا تاریخی شہادتیں اس کی تائید میں پیش ہو سکتی ہیں۔ مگر یہاں طول کلام کی ضرورت نہیں۔ برسبیل مثال ملاحظہ فرمائیے (ودر صحیح بخاری) از حدیث انسؓ آمدہ کہ اورده شد نزد آنحضرتؐ مالے از بحرین فرمود بریزید آنرا در مسجد۔ پس بیرون آمد بسوے مسجد و نگاہ کرد جانب آن و چون برگشت از نماز بنشست نزد آن مال و ندید ہیچکس را مگر آنکہ داد بوے ازان مال و آمد عباسؓ بن عبدالمطلب و گفت بدہ مرا یا رسول اللہ ازیں مال کہ من فدیہ دادہ ام نفس خود را و عقیل را۔ پس ریخت در جامہ او چندانکہ نتوانست برداشت و گفت یا رسول اللہ بفرما کسے را کہ بردارد و آنرا برائے من فرمود لا یا عم و این برائے قطع مادہ طمع عباس و تہذیب و تادیب او بود پس برداشت عباس بدوش خود و رواں شد و انحضرت صلعم می نگریست بسوئے وے و تعجب میکرد از حرص وے (مدارج النبوۃ) ودر صحیح است کہ عباسؓ گفت مرا مدد دے فرما رسول گفت نے۔ گفت کسے را بفرمائے تا بر داشتن مدد کند۔ (رسولؐ) فرمود نے عباس از آن چیزے کم کردہ برداشت و نزدیک بود کہ بر ندارد از بار آن و روان شد (حاشیہ مدارج النبوہ)

منصور نے اپنے مکتوب میں واقعات کا اظہار صحیح طور پر نہ کر کے جناب مظہر العجائب والغرائب امام المشارق والمغارب اسد اللہ الغالب سیدنا علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مدارج بلند کو پست دکھانے کی سعی نامحمود ضرور کی ہے لیکن خدا جس کا مرتبہ بلند کرے اسے کوئی پست نہیں کر سکتا افضل ترین بنی آدم جس شخص کے متعلق اپنی عزیز بیٹی سے مخاطب ہو کر کہے کہ اے فاطمہ میں نے تیرا نکاح اپنے خاندان کے افضل ترین شخص سے کیا ہے (اصابہ) کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کے رتبۂ بلند کو پست کر سکے۔ یہاں ایک دو شہادتیں مشہور مصنفین کی بلحاظ تاریخی

دلچسپی کے ایسی پیش کی جاتی ہیں جن پر کسی طرح بھی نادان اور ضعیف العقیدہ سنی ہونے کا اطلاق نہیں ہوسکتا
اور ناظرین کو ان سے اچھی طرح اندازہ ہوسکیگا کہ محمد مہدی نفس زکیہ مفسدوں۔ فاسد عقیدہ پھیلانے
والوں۔ ملحدوں اور بے دینوں میں داخل تھے یا نہیں۔ یا یہ کہ منصور ظالم اور عہد شکن تھا یا نہیں
اور اس کے ظلم و ستم کے یہ قصے مصنوعی اور فرضی ہیں یا نہیں۔ ہزارہا کتب تاریخ و تذکرہ ان مظالم کی
اصلی اور حقیقی حالت دکھانے کے لیے موجود ہیں لیکن ہم نے زمانۂ حال کے دو اور منصور کے زمانے
کے دو گواہاں غیر جانب دار کا انتخاب ادائے شہادت کے لیے از انجملہ کیا ہے۔ علامہ اکبر شاہ خاں
مورخ اسلام جو زمانہ حال میں ہندوستان کے بڑے اور راسخ العقیدہ سنی مورخ اور عالم ہیں تحریر
فرماتے ہیں :۔

تفاخر نسبی کے معاملہ میں بے شک محمد مہدی کی طرف سے ابتدا ہوئی تھی اور منصور نے
جو کچھ لکھا جواباً لکھا۔ مگر منصور اس میں حد سے بڑھ گیا ہے۔ محمد مہدی نے حضرت عباس رضی اللہ
تعالےٰ عنہ کے نسب پر کچھ نہیں لکھا تھا۔ منصور نے بلا وجہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شان میں
گستاخانہ الفاظ لکھے۔ منصور نے یہ سخت بہتان باندھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے حضرت
فاطمہ الزہرا کو خلافت حاصل کرنے کے لیے دن کے وقت باہر نکالا۔ حضرت امام حسن رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں بھی منصور نے بڑی بے تمیزی اور گستاخی کی ہے۔ انھوں نے
خلافت کو فروخت نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے دو گروہوں میں جو آپس میں
لڑتے تھے اتفاق اور صلح کو قائم کر کے آنحضرت صلعم کی ایک پیشین گوئی کو پورا کیا تھا۔ حضرت
عباس نے ضرور ابی طالب کی امداد کی تھی اور عقیل کو اپنے پاس رکھ کر پرورش کرتے تھے
لیکن ایسی باتوں کا زبان پر لانا اور طعنہ دینا شرفا کا کام نہیں۔ بلکہ اس قسم کے احسانات
کو زبان پر لانا کمینہ پن کی علامت سمجھی جاتی ہے منصور نے ان باتوں کو زبان پر لا کر اپنی

پرستارزادگی کا اظہار کر دیا ہے (تاریخ اسلام اکبر خانی)۔

صاحب تاریخ الامت تحریر فرماتے ہیں۔

وفاء عہد اہل عرب کا نمایاں خلق تھا جس پر وہ زمانہ جاہلیت سے اپنے اشعار میں فخر کرتے چلے آتے تھے۔ اسلام نے اس کو اور بھی موکد اور پختہ بنا دیا خلفاء راشدینؓ کی تاریخ میں کہیں عہد شکنی کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا...................
.... مگر خلفاء عباسیہ نے جنہوں نے غیر عربی عنصر پر اپنی خلافت کی بنیاد رکھی تھی۔ بدعہدی کو اپنا شیوہ بنا لیا۔ اور آغاز سے لیکر خاتمہ تک ان کے نزدیک پیمان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔

منصور نے سفاح کی زندگی ہی میں ابن ہبیرہ کو قطعی امان دیدینے کے بعد جس میں کسی حیلہ کی گنجایش نہیں تھی ابومسلم کے حکم پر قتل کر دیا۔ پھر اسی کا اعادہ خود ابومسلم کے ساتھ کیا اپنے چچا عبداللہ کو امان دے کر بلایا اور قید کر دیا۔ چنانچہ نفس زکیہ کو جب اپنے خط میں امان دی تو انہوں نے طنزاً لکھا کہ تم نے مجھے کون سی امان دی۔ ابن ہبیرہ والی یا وہ جو ابومسلم یا اپنے عم محترم عبداللہ کو دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کے لیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہونے کا دعویٰ رکھتا ہو اس سے بڑھ کر اور کیا شرم کی بات ہو سکتی ہے کہ اس کی بدعہدی کی وجہ سے کوئی اس پر اعتماد نہ کرے۔

ان مثالوں کا اثر یہ ہوا کہ خلفاء عباسیہ کو پیمان شکنی کی جرأت ہو گئی خود ان کے اسلاف جو عہد نامے لکھ جاتے تھے وہ ان کو رد کر دیتے تھے۔ اور اپنی اس باطل کارروائی کو حق کے پردے میں چھپانا چاہتے تھے۔ (تاریخ الامت)۔

یہ دو آزاد شہادتیں زمانہ حال کی منجملہ صدہا شہادتوں کے منصور اور بدعہدی نفس زکیہ

کی مراسلت کے متعلق پیش ہوئیں۔ اور ایسی ہزار ہا شہادتیں پیش ہوسکتی ہیں۔ ان کے علاوہ ہم دو
وہ شہادتیں پیش کرنا چاہتے ہیں جن پر کسی کو بھی نادان او ضعیف العقیدہ سنی ہونے کا وہم وگمان
نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے ایک شہادت حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی ہے۔ اور دوسری امام
مالک رحؒ کی۔ یہ دونوں سنی مذہب کے دو مضبوط ستون ہیں۔ اور جس قدر محامد و مناقب ان کے
بیان کئے جاتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ یہ دونوں بزرگ منصور اور نفس زکیہ اور ان کے بھائی
ابراہیم کے حالات و دعاوی کا معائنہ کرنے کے لیے موقع پر بذات خود موجود تھے۔ اور ہر دو کے
عیب و صواب سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور سب کو ان دونوں بزرگوں کی ذات پر کامل
اعتماد ہے کہ انھوں نے ان دونوں کے جھگڑوں میں نہایت آزادی سے از روے مذہب و
ایمان رائے قائم فرمائی تھی۔ اگر ان بزرگوں کی دیانت و غیر جانب داری کو مجروح خیال کیا
جائے تو شائد دنیا بھر میں بھی کوئی آزاد شہادت نہ مل سکے گی۔ البتہ کھلے اور چھپے ناصبیوں کی شہادت
شاید مل سکے بیشک وہ ہم سب سے ان دونوں کی عظمت نسب اور دیگر دعاوی کو بہتر طریقہ پر
سمجھ سکتے تھے اور انہوں نے جو رائے قائم فرمائی۔ وہ ہمارے نزدیک عین صواب اور سراسر
انصاف پر مبنی ہے جس فریق کا انہوں نے اس نزاع میں ساتھ دیا۔ ہر عقیدتمند کو چاہیے کہ ان
کی تقلید میں رائے قائم کرے کیونکہ ان کی دیانت و غیر جانبداری میں کسی شک وشبہہ کی ہرگز
گنجائش نہیں ہے۔ دیکھئے ان دو بزرگوں نے مظلوم سادات کا کس طرح ساتھ دیا، اور آل رسول
مظلوم کا ساتھ وہ کیوں نہ دیتے۔ بجائے اس کے کہ ہم اپنے الفاظ میں ان ائمہ مجتہدین کی حمایت
و نصرت آل رسول کا حال بیان کریں۔ مناسب ہے کہ مشہور و معروف مورخین و مصنفین کے الفاظ
میں ان واقعات کو یہاں نقل کیا جائے۔ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النعمان میں تحریر فرماتے ہیں۔

صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علویوں کی بیخ کنی شروع کی۔ جو لوگ ان میں

ممتاز تھے ان کے ساتھ بے رحمیاں کیں محمد بن ابراہیم کو حسن و جمال میں یگانہ روزگار تھے
اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے۔ ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی
ایک بڑی داستان ہے جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں
انھیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس زکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ
میں خروج کیا۔ اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی۔ بڑے بڑے پیشوایان مذہب
حتٰی کہ امام مالک رحمۃ نے فتوی دیدیا کہ منصور نے جبراً بعیت لی ہے خلافت نفس زکیہ کا حق ہے۔
نفس زکیہ اگرچہ نہایت دلیر۔ قوی بازو۔ فن جنگ سے واقف تھے لیکن تقدیر سے کس کا
زور چل سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑ کر میدان جنگ
میں مارے گئے۔ ان کے بعد ابراہیم ان کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سروسامان
سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے۔ کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے
دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے سے تکیہ اٹھا لیتا تھا۔ اور کہتا تھا میں نہیں جانتا
کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا۔ انہیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں۔ ان سے بات
تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں اس وقت تو یہ دھن ہے
کہ ابراہیم کا سر میرے آگے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائے۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے۔
ان کے دعوے خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں خاص کوفہ میں کم و بیش
لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو طیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ خاص کر علما و فقہا نے
عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہ رح شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے
آتے تھے۔ سفاح ہی کے زمانہ میں ان کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے

شایاں نہیں۔ ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ان مظالم پر کیا ہم کو چپ رہنا چاہیے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "امر بالمعروف بے شبہہ فرض ہے۔ مگر اس کے لیے سامان شرط ہے" لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے۔ ابو مسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا۔ اس کے پاس گئے اور نہایت بے باکی کے ساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی۔ اس نے ان کی گستاخی یا فساد پیدا ہونے کے احتمال سے ان کو قتل کرا دیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہن کر بہت روے لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی ان کی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہو سکے جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے۔ جو انہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اس کے یہ الفاظ ہیں۔ (اما بعد فانی قد جھزت الیک اربعة آلاف درھم ولم یکن عندی غیرھا ولولا امانات عندی للحقت بک فاذا لقیت القوم وظفرت بھم فافعل کما فعل ابوک فی اھل صفین اقتل مدبرھم واجھز علی ولا تفعل کما فعل ابوک فی اھل الجمل فان القوم لھم فئة) یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار درم بھیجتا ہوں کہ اس وقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو ضرور آپ سے آملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علیؑ) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں وہ طریقہ نہ اختیار کیجیئے گا جو آپ کے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی

جمعیت رکھتا ہے) نامہ دانشوران میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا اس لئے ہم اس کی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اس میں شبہہ نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے کھلا طرفدار تھے اور بجز اس کے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے اور ہر طرح پر ان کی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے۔ اس وقت منصور کا پایہ تخت ہاشمیہ ایک مقام پر تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ منصور نے ایک دوسرے دار الخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچ کر امام ابو حنیفہ رحمہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایہ تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنو امیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے منصور نے گو پہلے ہی ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم بہانہ ڈھونڈھتا تھا۔ دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے جو حاجبہ کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں کے ساتھ ان کو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی۔ امام نے استادوں کے نام بتائے جن کا سلسلۂ شاگردی بڑے صحابہ تک پہنچتا ہے . . . .

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اس حالت میں بھی اس کو ان کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ بغداد دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشے سے اٹھ کر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے۔ امام صاحب

کی شہرت اور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امر ان کے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں۔ قید خانے ہی میں ان سے تعلیم پائی۔ ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا۔ وہ قید خانے کی حالت میں بھی باقی رہا جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں زہر دلوا دیا جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا۔ اور اسی حالت میں قضا کی (تمام ہوئی عبارت سیرۃ النعمان کی)

میرزا حیرت دہلوی بھی جو اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں لکھتے ہیں:۔

امام اعظم بھی شاہان عباسیہ کے مظالم دیکھ دیکھ کر تھک گئے تھے۔ اور وہ چاہتے تھے کہ ان کی سلطنت کا خاتمہ ہو اور ابراہیم تخت خلافت پر متمکن ہو جائیں جب ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے منصور پر حملہ کرنا چاہا ہے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ نے بھی ان کی مدد کی تھی لیکن چند در چند وجوہات سے بذات خود شریک نہ ہو سکے .... اس فتح کے بعد منصور کی توجہ سب سے پہلے ابو حنیفہ رح کی طرف مبذول ہوئی کیونکہ اسے دم دم کی خبریں لگ رہی تھیں۔ کہ آج ابو حنیفہ رح نے ابراہیم کو اتنا سامان بھجوایا۔ اور کل اتنا نقد روپیہ بھجوایا وہ وا اسے نہیں رہا تھا کہ کوئی موقع لگے تو ان کی گردن ماروں۔ اس کی مراد بر آئی اور اس نے ایک فرمان کوفہ روانہ کیا کہ فوراً بغداد حاضر ہو ...... منصور کو اندیشہ تھا کہ ابو حنیفہ رح کی قید رنگ نہ لائے اور بے تعداد طلبہ میں اپنے استاد کی اس حالت سے کہیں جوش نہ پھیل جائے۔ اب اس کو بڑا فکر رہنے لگا۔ آخر اپنے فکر کی یہ دوا کی کہ بغیر

کی حالت میں۔ امام صاحب کو زہر دلوا دیا جب زہر نے خون میں اثر کیا اور سنسناہٹ ہونے لگی تو آپ سمجھ گئے کہ مجھے زہر دیا گیا ہے۔ چنانچہ فوراً نماز پڑھنی شروع کی اور سجدہ کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ (حیات اعظم جلد اول ص۶۶)۔

اللہ اللہ اس امام عالی مقام کا مرتبہ ارفع و اعلیٰ جس نے حق و باطل کی تلخ آزمائش میں پڑ کر اپنی جان شیریں شمع خاندان نبوت پر پروانہ وار فدا کر دی۔ اور مرتے مرتے حق کی طرف سے منہ نہ موڑا۔ اور دنیا کو دکھا دیا کہ دیکھو فدائیان آل رسولؐ ایسے ہوتے ہیں جو تخت بغداد کے قہر و استیلائے شدید سے مرعوب نہو کر محبت آل رسولؐ میں اس طرح آخر تک ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور آل رسول کی محبت و اعانت میں اپنی جان کام آنے پر سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں کیونکہ ان کے عقیدہ میں ان نے قتلی حیٰوۃ لا ممات کا مضمون راسخ تھا یہی حال امام مالک رح کا بھی تھا۔ انھوں نے مدینہ میں محمد مہدی نفس زکیہ کی بیعت کرنے کی لوگوں کو ترغیب دی تھی اس لیے منصور نے امام موصوف کو کوڑوں سے پٹوایا (تاریخ اسلام وغیرہ)۔

ان دو جلیل القدر اماموں کی شہادت پیش ہونے کے بعد ہر مسلمان اچھی طرح مہدی نفس زکیہ۔ اور منصور کے ان جھگڑوں اور دعاوی پر بخوبی رائے قائم کر سکتا ہے اور بیشک ان کی رائے مسلمانوں میں نہایت درجہ واجب احترام اور لائق تقلید ہے۔ اتفاقاً یہ ایک درمیانی بحث پیش ہو گئی جسے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہم نے درج کر دیا اس پر نہایت تفصیل سے بھی لکھنا ممکن ہے لیکن ہم اس بحث کو یہاں ختم کرتے ہیں۔ مہدی نفس زکیہ کی اس مراسلت کے ایک حصہ پر تفصیلی بحث جلد دوم میں درج ہے۔

گفتگو اس پر تھی کہ بلحاظ شوکت نسب و عظمت حسب مسلمانوں میں بغرض اظہار محبت سادات عظام کے اجداد کے ناموں پر جس قدر نام رکھے گئے ہیں کسی دوسرے ہاشمی خاندان

کے اجداد کے ناموں پر نہیں رکھے گئے۔ اور بیشک یہ ایک عمدہ دلیل ان کی عظمت نسب و حسب کی ہے۔ اسی طرح دشمنان آل رسول کے ناموں سے جو بیزاری اور بمقاطعہ مسلمانوں نے عملاً اپنے ترک عمل سے کیا ہے۔ وہ بھی مخفی نہیں ہے اور یہ بھی ایک دلیل سادات کی عظمت نسب وشوکت حسب کی ہے۔ کسی بڑی قوم یا جماعت کا متفقہ عمل نہایت درجہ باوقعت شہادت ہوتی ہے جو اہل نظر سے ہرگز مخفی نہیں ہے۔

ان تمام کھلی کھلی شہادتوں کے علاوہ دیکھئے کہ سادات کے اجداد کرام خصوصاً چہار تن نامدار کے حق میں کیسی کھلی کھلی بشارتیں اور محامد و مناقب کتب معتبرہ احادیث و تواریخ و سیر میں بکثرت موجود ہیں کہ جن کا ثانی بنی ہاشم کی کسی دوسری شاخ میں ملنا ممکن نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شمار اہلسنت کے نقطۂ نظر سے عشرۂ مبشرہ میں ہے۔ کوئی دوسرا ہاشمی اس شرف میں شریک نہیں اسی طرح خلافت راشدہ میں سے دوہرا حصہ سادات کے اجداد کو ملا۔ کوئی دوسرا ہاشمی اس شرف میں ان کا شریک نہیں۔ اور یہ ایک ایسا شرف مخصوص ہے کہ بنی امیہ و بنی عباس کی صدہا سالہ حکومت وسلطنت کی عزت وشوکت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے بقول شبلی نعمانی خلفا بنوامیہ و عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیئے تھا۔ (سیرۃ النبی)۔

امام الہند تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

بنی امیہ کے بعد ان کی ہر چیز کے وارث عباسی ہوئے۔ اور گو حکومت کے استیلاء و استبداد سے "امر بالمعروف" کا نشوونما رک گیا تھا۔ اور روز بروز اس کی قوت ضعیف سے ضعیف تر ہوتی جاتی تھی لیکن تاہم اسلام نے قوم کے اندر اس اصول کی روح جس قوت کے ساتھ پھونک دی تھی اس کی ہلاکت کے لیے ایک مدت مدید درکار تھی۔ باوجود عجمی حکومت مستبدہ کی تقلید اور قہر و استیلاء شدید سے جو آل عباس کو حاصل تھا (مامون

الرشید) جیسے عظیم الشان اور (متوکل) جیسے ظالم کے دربار میں آپ کو صدہا اشخاص نظر آئیں گے جن کو تخت بغداد کی شوکت و عظمت بھی مرعوب نہ کر سکی۔ اور اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھکر انھوں نے امر حق کا اعلان کیا ہے۔ (الہلال)

مورخ اسلام علامہ اکبر شاہ خان تحریر فرماتے ہیں:۔

یزید کے زمانے تک بھی حکومت و خلافت میں وراثت کے اصول کو مسلمانوں نے تسلیم نہیں کیا تھا۔ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ امیر معاویہؓ کے بعد یزید کا خلیفہ مقرر ہو جانا ایک سخت غلطی ہے۔ اور اس غلطی کی اصلاح ہونی چاہئے۔ چنانچہ حصین بن نمیر اسی لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا خواہش مند تھا۔ لیکن یزید کے بعد بتدریج اس وراثت کے خیال کو بنی امیہ کے کوششوں کے سبب تقویت پہنچی۔ اور بالآخر اس رسم بد نے ایسی جڑ پکڑی کہ آج تک مسلمانوں کو اس سے رستگاری حاصل نہیں ہوی۔ (سنی نقطۂ نظر سے) خلافت اسلامیہ کو جو قوم یا خاندان وراثۃً اپنا حق سمجھے وہ سخت غلطی اور ظلم میں مبتلا ہے بنو امیہ نے اگر حکومت اسلامی کو اپنی ہی قوم اور خاندان میں باقی رکھنا چاہا تو یہ ان کی غلطی تھی۔ بنو عباس یا بنو ہاشم۔ اگر اس کو اپنا خاندانی حق سمجھتے تو یہ بھی ان کی غلطی و ناانصافی تھی۔ مگر چونکہ دنیا میں عام طور پر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ لہذا سلطنت اور حکومت میں بھی حق وراثت کو جاری سمجھا جاتا ہے۔ اس بنا پر جو شخص کسی غاصب سلطنت سے اپنا حق یعنی سلطنت واپس چھینتا ہے۔ وہ اکثر قتل و تشدد سے کام لیا کرتا ہے لیکن اس قتل و تشدد کو بنی عباس نے بنو امیہ کے حق میں جس طرح روا رکھا ہے اس کی مثال کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ (سنی نقطۂ نظر سے) خلافت اسلامیہ میں باپ کے بعد بیٹے کے

ولی عہد ہونے اور وراثت کے قائم ہونے کی لعنت تمام مفاسد، تمام مصائب تمام معائب کی بنیاد ہے۔ اور اسی بدعت نے مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان پہونچایا۔ اور حکومت اسلامیہ کے روشن وخوبصورت چہرے کو ہمیشہ گرد آلود رکھا۔ امین کی خلافت کے زمانے کی بدتمیزیاں بھی اس وراثت خلافت کی لعنت کا نتیجہ تھیں (تاریخ اسلام اکبر خانی)۔

الغرض بنی امیہ و بنی عباس کی سلطنت کی مذہبی و دینی حیثیت مسلمانوں سے مخفی نہیں جب تک یہ حکومتیں قائم رہیں دنیا میں بہت کچھ ان کی مدح و منقبت کے راگ گائے گئے اور یہی دنیا کا قاعدہ بھی ہے۔ بنی امیہ و بنی عباس کی حکومتیں مٹ جانے کے بعد جتنے خاندان اس غیر مذہبی خلافت کے مدعی رہے۔ ان کا بھی یہی حال رہا۔ اور اپنی قوت و شوکت کے باعث اپنی معاصر سلطنتوں سے خراج عقیدت وتحسین وصول کرتے رہے لیکن یہ سب اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ان میں سے بعض سلاطین نے قابل تعریف کام بھی کئے ہیں بعض نے علوم و فنون کی تدوین و اشاعت میں مستحسن کوششیں کی ہیں۔ اور برائی اور بھلائی میں یہ سب مساوی درجہ پر ہرگز نہیں ہیں بلکہ انہیں میں بعض ہستیاں ایسی بھی نظر آجاتی ہیں جو مسلک مروانی کے خلاف عمل کرنے اور دودمان حضرت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے الفت ومحبت رکھنے میں خاص طور پر نیکنام ہیں انہیں میں وہ ذات اقدس ومقدس ہے جن کا نام نامی عمر ابن عبد العزیز خلیفہ اموی ہے۔ امام الہند حضرت علامہ ابو الکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں :۔

پھر کیوں نہ وہ لوگ مستثنیٰ ہوں کہ ایسے ہی مستثنیٰ لوگوں میں سے وہ بزرگ حق و مجدد شریعۃ البیضاء۔ محی السنۃ السنیۃ قامع بدعات مروانیہ و بنی امیہ یعنی حضرت عمر ابن عبد العزیز رضہ

تھے ۔جن کو حکمۃ الٰہیہ نے اسی خاندان میں پیدا کیا ۔تاکہ ان کے دست حق پرست پر شریعتہ
اسلامیہ کا احیا ہو اور "ملک عضوض" کے اباطیل و محدثات کا استیصال فرمائیں پس اس
وجود گرامی نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تجدید کی ۔اور ایک ایک کرکے بنی امیۃ
وآل مروان کی پیدا کی ہوئی ان محدثات وبدعات ومنکرات شنیعہ کا انسداد کیا۔
جنہوں نے خیر القرون کی شریعت خالص کو آلودہ ومکدر فسق ومعاصی شتی کر دیا تھا ۔
اور اس طرح سنت شیخین جلیلین رضی کی (کہ سنت رسول اکرم تھی) احیات بعد الممات ہوئی۔
نور اللہ مضجعہ وشکر اللہ مساعیہ ۔ازان جملہ بنی امیہ وآل مروان کی ایک
سب سے بڑی ہادم شریعت اور پرمعصیت وفسق وعدوان بدعت شنیعہ وہ تھی جس کا
انتقامانہ اتباع برادران شیعہ نے شروع کیا ۔اور افسوس ہے کہ شاید آج تک کرتے ہیں۔
یعنے سب سے پہلے سرزمین اسلام میں جو رحم ومحبت اور صلح واخوت ہی کی تخم ریزی کے
لیے بنی تھی سب وشتم ولعن وتبرے کا تخم بنی امیہ نے بویا اور مقدس مساجد اسلام میں
جو صرف عبادت وطاعت الٰہی واذکار واشغال مقدسہ کے لیے بنائی گئی تھیں ۔اپنے
اغراض نفسانیہ منکرہ سیاسیہ ۔سے ۔اہل بیت نبوت اور حضرت امیر علیہ السلام پر علانیہ
لعنت بھیجنا شروع کی (اور جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں اس فعل شنیع ومنکر کو (کہ نہیں جانتا اس کو کن
لفظوں سے تعبیر کروں) داخل کر دیا ۔چنانچہ تکبیر وتسبیح کی صداؤں میں خطیب منبر پر چڑھتے تھے اور
تحمید وتقدیس وصلوٰۃ وتسلیم کے بعد آخر میں حضرت علی علیہ السلام پر علانیہ لعنت بھیجتے تھے اور
بجبر شمشیر ظلم سے لوگوں کی زبانوں کو اس طرح لرزاں وترساں رکھتے تھے کہ کسی کو اس صریح
فسق عظیم ومعصیۃ کبریٰ وہتک شریعۃ الٰہیہ کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔
الا ماشاءاللہ وھم الذین لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔لیکن تاریخ

اسلام حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہمیشہ رہین منت رہے گی کہ انھوں نے تخت خلافت پر
قدم رکھتے ہی اس بدعت کا انسداد کیا اور مساجد اسلام کو ان کی چھنی ہوی عزت
وحرمت واپس دلادی۔ چنانچہ لعن وتبرے کی جگہ خطبۂ ثانیہ میں ان اللہ یامرہم
بالعدل والاحسان وایتاء ذوی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر و
البغی یعظکم لعلکم تذکرون۔ داخل کیا۔ یہ آیۃ کریمہ آج تک خطبہ جمعہ کا جزو
آخری ہے۔ اور ہر ہفتہ سئیات بنی امیہ اور حسنات عمر بن عبدالعزیز پر گواہی دیتی ہے۔
(الہلال)۔

یہ سب کچھ ہوا دنیا نے اموی وعباسی اور آنے والی خلافتوں کے
دور اچھی طرح دیکھ لیے۔ اب نہ بنی امیہ کی حکومت باقی ہے اور نہ بنی عباس کی۔ این ہم رفت
و آن ہم رفت۔ صرف ان کے نام ہی نام باقی رہ گئے ہیں۔ اب نہ مہدی نفس زکیہ و ابراہیم زندہ
ہیں۔ اور نہ منصور ومتوکل۔ البتہ ان کے اعمال ضرور زندہ ہیں۔ اور ان کے اعمال کے خیر وشر
کے اعتبار سے دنیا انھیں یاد کر رہی ہے۔ اور کرتی رہے گی۔ لشکر یزید نے امام حسین علیہ السلام پر
میدان کربلا میں کامل فتح پائی اور جنگی اور سیاسی نقطۂ نظر سے امام حسین علیہ السلام کی کامل شکست میں کیا
شبہ ہے لیکن صورت حال کیا ہے۔ اگر دنیا بھر کی تمام فتوحات یک جا جمع کیجائیں تو امام علیہ
السلام کی اس ایک ظاہری شکست پر قربان ہیں۔ اور آپ کی اس ایک موت کو بے شمار زندگیوں
پر فوقیت حاصل ہے۔ کلام الملک ملک الکلام ملاحظہ ہو۔

ہزار چشمۂ حیوان نثار تشنہ لبت ہزار زیست بہ گرد تو فدا سلام علیک
(آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہ)

اللہ اللہ کیا شان ومرتبہ ہے۔ اس امام عالی مقام وسادات کے جد واجب الاحترام کا کلمہ

آج تک باوجود اس کی کامل ظاہری شکست کے بادشاہ و فقیر و صغیر و کبیر سب ہی اس کی مدح و منقبت کا خراج ازرہِ عقیدت حقیقی ادا کرتے اور اس کی حقیقی و روحانی فتح کا اعتراف کئے جاتے ہیں حقیقی و قلبی مدح و منقبت کی شان یہی ہوتی ہے۔ ورنہ کتنے اموی و عباسی و دیگر بادشاہان ظالم و جابر ایسے ہو چکے ہیں۔ جن کے محامد و مناقب بہت کچھ بیان ہوئے لیکن وہ سب غیر واقعی اور خوشامد پر مبنی تھے۔ دنیا نے ان کو یکسر بھلا دیا۔ اب اگر ان محامد و مناقب کی یاد تازہ کرنے کے لیے ان کو دہرائیے تو سراسر ایک سرود بے ہنگام اور بے جا کلام معلوم ہوتا ہے۔ شاعر بے مثال علامہ اقبال نے جناب امام حسین علیہ السلام کی منقبت نگاری کرتے ہوئے کیا ہی خوب لکھا ہے:۔

شوکت شام و فر بغداد رفت — سطوت غرناطہ ہم از دیاد رفت

تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیر او ایمان ہنوز

اے صبا اے پیک دور افتادگاں — اشک ما بر خاک پاک او رساں

تذکرہ بزرگان سادات

حضرت اسمٰعیل کے بارہ فرزند تھے جن کا ذکر توراۃ میں بھی موجود ہے۔ ازانجملہ قیدار کی اولاد کی سکونت سرزمین حجاز میں رہی اور انہیں کی اولاد میں عدنان بن اد بن ادود تھے محدثین و مورخین اسلام کا بیان ہے کہ حضور سرور کائنات اپنے شجرۂ نسب کا اتصال عدنان تک ظاہر فرماتے تھے حضور سرور عالم کا سلسلہ نسب حضرت

ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام تک ہزارہا کتب تذکرہ و تاریخ میں درج
ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ حضور کا نسب دنیا کا بہترین اور صحیح ترین نسب ہے لیکن مرور
ازمنہ بعیدہ کے باعث اس سلسلہ کے تمام ناموں کا محفوظ رہنا اس لیے قابل غور ہو جاتا ہے کہ
اہل عرب اپنے مشہور و بعید مورث سے سلسلۂ نسب متصل کرنے میں اکثر درمیانی پیڑھیوں کو ترک
کر دیتے تھے۔ پس ہم اپنے اس مختصر تذکرہ کو عدنان سے شروع کرتے ہیں۔

(عدنان) صاحب جامع التواریخ ان کی وجہ تسمیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ ان کے
اسی سوار دشمن تعاقب میں تھے کہ غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا اور ایک صاعقہ تیز و تند
نے آپ کے ان دشمنوں کو ہلاک کر دیا عرب میں آپ کی اولاد آل عدنان مشہور رہے اور حضور
صلعم اسی خاندان سے ہیں۔ ان کے بیٹے (معد) ہوئے جو بہت عقلمند و حسین و وجیہ تھے
اور ان کی کنیت ابو قضاعہ تھی ان کے بیٹے (نزار) ہوئے۔ جن کی کنیت ابا ایاد تھی ان
کی ولادت کے وقت ان کے والد نے ہزار اونٹ قربانی کیئے ان کے فرزند (مضر) ہوئے
جو اپنے حسن و جمال کے لیے مشہور ہیں ان کے فرزند (الیاس) ہوئے ان کی کنیت ابا عمرو
تھی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بحالت ناامیدی آپ کی پیدائش ہوئی تھی ان کے فرزند
(مدرکہ) ہوئے جن کا نام عامل بھی تھا ان کے فرزند (خزیمہ) اور ان کے فرزند (کنانہ)
ہوئے یہ تمام اصحاب اپنے اپنے وقت میں سردار قبیلہ اور ممتاز ہستیوں میں سے تھے۔ اور کوئی
شک نہیں کہ حضور صلعم کا خاندان اباً عن جدٍ معزز و ممتاز رہا ہے۔

سب سے اول اس خاندان کی جس ممتاز ہستی نے اس خاندان کو لقب قریش
سے ملقب کرایا وہ (نضر) بن کنانہ مذکور ہیں۔ ان کی کنیت ابا مخلد ہے۔ بعض مصنفین نے
بیان فرمایا ہے کہ لقب قریش سب سے اول فہر کو ملا جو ان کے پوتے ہیں۔ حافظ عراقی کا

سیتو کا مشہور شعر ہے

امنا قریش فالاصح فہر　　　جماعھا والاکثرون النضر

قریش کی وجہ تسمیہ بھی متعدد طور پر بیان ہوئی ہے از انجملہ یہ کہ تقرش بمعنی جمع کردن
وگرد آمدن آیا ہے اور آپ نے اپنے آبا و اجداد کی اولاد کو یکجا جمع کیا جس سے قریش
نام ہوا مکہ معظمہ میں آپ کی جس قدر اولاد ہوی قریش کہلائی اور سرداری مکہ آپ کی اولاد
میں متوارث رہی نضر بن کنانہ مذکور کے فرزند (مالک) سردار مکہ ہوے ان کے بعد
ان کے فرزند (فہر) ہوے جن کا نام عامر بھی تھا۔ اور یہ قریش کے سردار تھے ان کے بعد
ان کے فرزند (غالب) سردار قریش ہوے۔ ان کے بعد ان کے جانشین اور سردار قوم
ان کے فرزند (لوی) ہوے ان کے بعد ان کے فرزند (کعب) سردار قوم ہوے اور ان
کے بعد ان کے فرزند (مرہ) سردار قوم ہوے انکے بعد ان کے فرزند (کلاب) پر سرداری
منتقل ہوی۔ ان کے نامور فرزند (قصی) ہوے جو اپنی عزت و اقتدار کے لحاظ سے خاص
طور پر مشہور ہیں اور دار الندوہ کے بانی بھی یہی ہیں۔ تولیت حرم بھی ان سے متعلق ہوی
سقایہ اور رفادہ کا منصب انہوں نے قائم کیا۔ مشعر حرام بھی انہیں کی ایجاد ہے۔

قصی کے بعد ریاست قریش (عبد مناف) کو ملی ان کے ایک فرزند (ہاشم)
نامی گرامی سردار ہوے اور بالآخر منصب سقایہ و رفادہ بھی ان سے متعلق ہو گیا۔ انہوں
نے حرم کعبہ میں نہایت عمدہ انتظامات کئے قیصر روم و شاہ حبش سے اور دیگر قبائل عرب سے
انہوں نے باغراض تجارت معاہدات کئے۔ وجہ تسمیہ ان کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ انہوں نے
زمانہ قحط میں لوگوں کو شوربہ میں روٹیاں چور اکر کے کھلائی تھیں۔ ہشم چورا کرنے کے معنی میں
آتا ہے۔ ان کے فرزند (عبد المطلب) ہوے چاہ زمزم انہیں کی سرداری کے زمانہ میں

دوبارہ و صیافت ہو کر صاف کیا گیا۔ ان کے فرزند (عبداللہ) ہوئے جو حضور صلعم کے والد ماجد ہیں۔ جناب عبدالمطلب نے نذر مانی تھی کہ خدا ان کو دس فرزند عطا کرے تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں ذبح کریں گے۔ جب ان کے دس بیٹے جوان ہو گئے تو قربانی کے لیے قرعہ ڈالا جو جناب عبداللہ کے نام آیا۔ انہوں نے اپنے اس بیٹے یعنی عبداللہ کو ذبح کرنا چاہا۔ مگر بالآخر ان کے بدلے دوسو اونٹ قربان کیے گئے حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ میں دو قربانیوں کا فرزند ہوں یعنی حضرت اسمٰعیل اور دوسرے حضرت عبداللہ پدر رسول مقبول صلعم

حضرت عبداللہ کا عقد حضرت آمنہ بنت وہب بن عبدمناف سے ہوا۔ استقرار نطفۂ زکیہ مصطفویہ کے بعد حضرت عبداللہ کو شام کا سفر درپیش ہوا جس میں بمقام مدینہ آنجناب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد جناب عبدالمطلب نے حضرت آمنہ کو اپنی خاص سرپرستی میں رکھا اور بالآخر وہ ساعت نزدیک آ گئی جس کے انتظار میں ابتدائے آفرینش سے زمانہ لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ بہت جلد اس باران رحمت کا نزول ہونے والا تھا جس کے لیے زمین خشک سال صدہا سال سے منتظر اور تشنگان عالم متحیر و چشم براہ تھے۔ یعنی وہ ظہور قدسی جناب افضل کائنات و سید موجودات کا اور وہ ولادت باسعادت جناب سید النبیین خاتم المرسلین محمد مصطفیٰ صلعم کی صلوٰۃ اللہ وملئکتہ والنبین والصدیقین والشہداء والصالحین علیٰ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب وبرکاتہ وسلامہ۔

شب میلاد محمد چہ شب انور بود	کز درمکہ الی الشام منور گردید
مکہ و شام چہ باشد کہ زمشرق تا غرب	ہمہ را گشت محیط و ہمہ جا درگردید
ہمہ آفاق ز انوار منور گشتہ	ہمہ اکناف ز اخلاق معطر گردید
چو ز گنجینۂ اعطا مدد و شش کوثر شد	دشمنش سوختہ داغ ہو لابتر گردید

عاقبت بر فلک عز و علا جا دارد — ہر کہ از صدق و یقین خاک بریں گردید

ہرگز از ہیچ سموے نہ پذیرد خشکی — ہر گیاہے کہ ز ابر کرمش تر گردید

للہ الحمد کہ از دنیا و دین حق را — ہمہ از دولت آں شاہ میسر گردید

و رحمۃ اللہ الجامی حیث قال

السلام اے قیمتی تر گوہر دریائے جود — السلام اے تازہ تر گلبرگ صحرائے وجود

السلام اے آنکہ تا از جبہۂ آدم تافت — نور پاکت کس نبرد از قدسیان او را سجود

السلام اے آنکہ زنگ ظلمت کفر و نفاق — صیقل تیغ تو از آئینہ گیتی زدود

السلام اے آنکہ نامد در ہمہ کون و مکان — تیز بینا را بجز نور تو در چشم شہود

السلام اے آنکہ بہر فرش راہت بافت — اطلسے را کس زشب کردند تار از روز پود

السلام اے آنکہ ابواب شفاعت روز حشر — جز کلید لطف تو بر خلق نتواند کشود

السلام اے آنکہ تا بودم درین محنت سرائے — در سرم سودا و در جانم تمنائے تو بود

صد سلامت می فرستم ہر دم اے فخر کرام

بو کہ آید یک علیکم در جواب صد سلام

ذکر شریف آنحضرت صلعم

تاریخ ولادت

تاریخ ولادت کے تعین میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ ماہ ربیع الاول کے ہفتہ دوم کی ابتدائی چار تاریخوں میں سے دوشنبہ کے دن ولادت باسعادت ہوئی اور جیسا کہ سیرۃ النبی میں تحریر ہے۔ مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ولا

ریاضی سے قطعی طور پر ثابت کیا ہے کہ ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ واقع ہوا پس یہی تاریخ ولادت باسعادت ہے یعنی ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء عیسوی۔

رضاعت سب سے پہلے حضور اقدس نے اپنی والدہ مکرمہ کا دودھ پیا۔ دو تین روز کے بعد ثوبیہ نے اور اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ شرفاء عرب میں دستور تھا کہ شیرخوار بچوں کو اطراف کے دیہات میں بھیج دیتے تھے تاکہ بادیہ نشینوں کی صحبت میں فصاحت و بلاغت کا جوہر پیدا ہو۔ باختلافات روایات آنحضرت صلعم چھ سال تک حلیمہ سعدیہ کے پاس قبیلۂ بنی ہوازن میں رہے۔ جو اپنی فصاحت کے لیے خاص طور پر عرب میں مشہور تھا بنی سعد اسی قبیلہ کا نام ہے۔

ابتدائی حالات آنحضرت صلعم کی عمر جب چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ مکرمہ آپ کو ہمراہ لے کر مدینہ تشریف لے گئیں۔ وہاں ایک ماہ قیام کرکے واپس ہوئیں تو اثنائے راہ میں مقام ابوار پر وفات پائی۔ حضور کی دایہ ام ایمن حضور کو مکہ میں واپس لائیں۔ والدہ مکرمہ کے انتقال کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کی پرورش و کفالت کی۔ دو سال کے بعد جناب عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت آنحضرت صلعم کو اپنے بیٹے ابوطالب کی کفالت و سرپرستی میں دیا جو حضرت عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ جناب ابوطالب نے جو آنحضرت صلعم کے عم اعیانی تھے اور آنحضرت سے بے حد محبت رکھتے تھے۔ باحسن وجوہ آنحضرت کی پرورش کی (روا ابوطالب باقصی الغایت واحسن وجوہ محافظت آنحضرت قبل از ظہور نبوت و بعد از آں بتقدیم رسانید و بے وے طعام نمی خورد و جامہ خواب آنحضرت بپہلوے خود راست می کرد و اندرون و بیرون خانہ او را ہمراہ داشتے و ابوطالب در مدح آنحضرت اشعار بسیار دارد و از

یکے این است بیت وشق لہٗ اسمہ لیجلہ۔ فذو العرش محمود وہذا محمدؐ (مدارج النبوۃ)۔

اوائل عمر میں حضور صلعم نے باغراض تجارت شام و بصریٰ و یمن کے سفر کئے اور حضور کی دیانت و امانت و صدق و طہارت کی شہرت عام طور پر ہو گئی عام و خاص آپ کو امین کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ حضرت خدیجہ کی طرف سے باغراض تجارت آنحضرت نے شام کا سفر کیا واپس آنے سے تقریباً تین ماہ بعد حضرت خدیجہ نے آپ کے پاس نکاح کا پیغام دیا۔ نکاح کی قرار داد ہو گئی اور تاریخ معین پر بعوض پانسو طلائی درہم زر کابین عقد ہو گیا جناب ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا۔ آنحضرت صلعم کی عمر شریف اس وقت ۲۵ سال تھی۔

آنحضرت صلعم کی پیدائش کے زمانہ میں مشرکین مکہ نے مکہ کو بت پرستی کی منڈی بنا رکھا تھا خود خانۂ کعبہ میں بقول مورخین تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔ جن کی پرستش خداوند قدوس کے اس (اول بیت وضع للناس) میں شب و روز علانیہ کی جاتی تھی۔ اس دار الاصنام کے متولی اور کلید بردار خود حضور کے اہل خاندان ہی تھے۔ مگر آنحضرت صلعم نے ان بتوں کے آگے کبھی سر نہ جھکایا اور نہ دیگر رسوم جاہلیت میں کبھی شرکت کی جب آنحضرت صلعم دیکھتے تھے کہ کعبہ کے بتوں کے سامنے حاجی لوگ باجے بجاتے وہ اور ان کی عورتیں بتوں کے سامنے ناچتے گاتے ہیں تو اس سے آپ کو سخت صدمہ ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم کا معمول تھا کہ غار حرا میں جا کر مصروف عبادت الٰہی رہتے تھے۔ اور غور و فکر و عبرت پذیری آپ کا شغلہ صبح و شام تھا۔ ایک دن غار حرا میں آپ حسب معمول مصروف مراقبہ و عبادت تھے کہ فرشتۂ غیب نے آپ سے کہا (اقرا باسم ربك الذي خلق...... (الخ) الغرض سلسلۂ وحی جاری ہوا۔ حضور نے اس واقعہ کو سب سے اول حضرت خدیجہ پر ظاہر کیا اور اس کے بعد دیگر مقربان بارگاہ نبوی مسلمان ہوتے گئے۔ یہ سب کچھ پوشیدہ طور پر ہوا اور خاص طور پر اس کا اہتمام تھا۔ کہ محرمان خاص کے

سوائے اس کا اعلان نہ ہونے پائے۔ نماز کے ادا کرنے کے لیے حضور صلعم کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے تھے۔ تین سال تک اسی طرح فرض تبلیغ رازداری سے ادا ہوتا رہا۔ بالآخر حکم خداوندی نازل ہوا (فاصدع بما تومر) نیز (وانذر عشیرتک الاقربین) آنحضرت نے کوہ صفا پر چڑھ کر اہل قریش کو بلایا اور فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے لشکر آرہا ہے تو کیا تم اسے صحیح سمجھو گے جواب ملا ہاں کیونکہ تم صادق القول ہو آنحضرت صلعم نے فرمایا اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر شدید عذاب خداوندی نازل ہوگا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد حضور صلعم نے جناب علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ دعوت کا سامان کرو آنحضرت صلعم کے اقربا قریب جمع ہوئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر آنحضرت نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے اس بارگراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتہً حضرت علی نے اٹھ کر کہا گو مجھ کو آشوب چشم ہے گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نوعمر ہوں۔ تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا قریش کے لئے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آگئی لیکن آگے چل کر زمانے نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔ (سیرۃ النبی)۔

الغرض سابقین اسلام کی ایک جماعت رفتہ رفتہ تیار ہو گئی کفار قریش نے انکی طرح طرح کی سختیاں کیں۔ زور و زر سے ان کو اسلام سے باز رکھنا چاہا لیکن یہ سب ایسے راسخ الایمان تھے کہ کوئی چیز ان کو متزلزل نہ کر سکی۔ ابتداءً جب آنحضرت صلعم نے علی الاعلان دعوت اسلام کا آغاز کیا اور بت پرستی کی ممانعت کے احکام دئے تو کفار مکہ کو بہت ناگوار گزرا قریش کے چند معززین نے جمع ہو کر حضرت ابو طالب سے اس کی شکایت کی ان کو جناب عبدالمطلب کے

نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ چونکہ آنحضرت صلعم کی طرف سے تبلیغ و ہدایت کا سلسلہ جاری
تھا مگر رؤسائے قریش کی ایک جماعت جناب ابوطالب کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ تمہارا
بھتیجا ہمارے بتوں کی توہین کرتا ہے اور ہمیں گمراہ بتاتا ہے۔ پس یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ
کہ ہم محمدؐ سے خود فیصلہ کر لیں اور یا تم خود محمدؐ کے ساتھ ہمارے مقابلہ کو آؤ کہ ہمارا تمہارا فیصلہ
تلوار کرے۔ جناب ابوطالب نے جب یہ نزاکت پیدا ہوتی دیکھی تو آپ نے آنحضرتؐ سے فرمایا
کہ جان عم میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال جسے میں نہ اٹھا سکوں۔ حضور نے آب دیدہ ہو کر جواب دیا کہ
بخدا اگر میرے ایک ہاتھ میں شمس اور دوسرے میں قمر یہ لوگ لا کر دیں تب بھی میں اپنے فرض کے
ادا کرنے سے باز نہ آؤنگا۔ یا خداوند عالم اپنا وعدہ پورا کرے گا اور یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤنگا
جناب ابوطالب اس جواب سے سخت متاثر اور آبدیدہ ہوئے اور کہنے لگے کہ اب کوئی شخص تیرا
کچھ نہ بگاڑ سکے گا جا اور اپنا فرض پورا کر۔

الغرض انواع واقسام کی اذیتیں کفار قریش نے آنحضرتؐ اور آپکے جان نثاروں کو پہنچائیں
اسی لیے حبشہ کی ہجرت کی تجویز درپیش ہو کر زیر عمل آئی۔ کفار قریش نے آنحضرت اور آپ کے رفقائے
خاص سے کامل مقاطعہ کر لیا اور آنحضرت صلعم کے قتل کا مطالبہ تحریر ہو کر در کعبہ پر آویزاں کیا گیا تھا
لہٰذا جناب ابوطالب نے اس سختی اور مجبوری کی حالت میں مع اپنے خاندان کے شعب ابوطالب میں
پناہ لی اور تین سال تک جس سختی اور تکلیف سے وہاں بسر کی اس کی تفصیلات کتب تاریخ میں درج
ہیں سنہ ۱۰ میں یہ اقامت ختم ہوئی۔ اسی سال نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔ اسی سال حضور کو معراج ہوئی
اسی سال حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوا جس کے باعث یہ سال عام الحزن سے موسوم ہوا

اہل مکہ نے جب انتہائی سختیاں مسلمانوں کی قلیل جماعت پر جاری رکھیں تو حضور صلعم نے دعوت اسلام کی
غرض سے طائف کا سفر کیا مگر وہاں بھی یہی صورت درپیش ہوئی اور وہاں کے لوگوں نے طرح طرح آنحضرت صلعم کو

ایذا دی اور اہانت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ۔ آنحضرت صلعم نے طائف سے واپسی میں چند روز نخلہ و حرا میں قیام کیا اور بالآخر مطعم بن عدی کی حمایت و حفاظت میں آپ مکہ میں تشریف لائے کفار قریش کے ظلم و جور میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی حضور سرور عالم نے بعض موافق حالات و قرائن کی بنا پر مسلمانوں کو یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی کہ کسی طرح کفار قریش کے مظالم سے نجات مل سکے رفتہ رفتہ اکثر مسلمان مدینہ میں پہنچ گئے مکہ میں معدودے چند صحابہ اور بعض وہ اشخاص جو مفلسی کی وجہ سے مجبور تھے رہ گئے۔ قرآن شریف میں بھی ان مفلس و مجبور مسلمانوں کا ذکر ہے۔ (والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا) جب کفار قریش نے معلوم کیا کہ مسلمان مدینہ میں امن و آرام کے ساتھ جڑ پکڑتے جاتے ہیں تو انہوں نے دار الندوہ میں باہم مشاورت کے ساتھ قرار دیا کہ محمدؐ کے قتل کے لیئے ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص کا انتخاب کیا جائے اور یہ سب اشخاص ملکر ایک ساتھ آنحضرت کو قتل کر دیں۔ یہ نبوت کے تیرہویں سال کے واقعات ہیں کفار نے باہم حضور کے قتل کرنے کی قرار داد کی۔ ادھر احکام ربانی کی تعمیل میں حضور نے مدینہ کی طرف ہجرت کا عزم فرمایا۔ جماعت کفار نے آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ بعزم قتل کیا جب رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے انھیں غافل کر دیا اور آنحضرت صلعم مکان سے باہر تشریف لائے اور حسب قرار داد ہجرت فرمائی مدینہ طیبہ میں پہنچ کر کلثوم بن الہدم کے مکان میں نزول اجلال فرمایا۔ مدینہ منورہ میں آنحضرت کا داخلہ ۸ ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوی مطابق ۲۰ ستمبر سنہ ۶۲۲ عیسوی کو ہوا۔ اور یہاں پہنچکر سب سے پہلے آنحضرتؐ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر کلام پاک میں ہے (المسجد اسس علی التقوی من اول یوم ..... الخ) اسی مسجد کے متصل حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان تھا جس میں حضور نے قیام فرمایا اسی مسجد کے ایک گوشہ میں

ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا اور ان لوگوں کی یہ اقامت گاہ تھی جو اسلام لاتے تھے اور اپنا ذاتی گھربار نہ رکھتے تھے۔ اسی سال اذان کی ابتدا ہوی۔ اسی سال مہاجرین و انصار میں حضور صلعم نے مواخاۃ کرا دی کہ بے خانمان مہاجرین کی بود و باش کا عارضی انتظام ہو جائے اسی سال یہود مدینہ سے آنحضرتؐ نے معاہدہ قائم کیا۔

۲ ھ میں تحویل قبلہ عمل میں آئی۔ اب تک نماز بیت المقدس کی طرف پڑھی جاتی تھی آیندہ سے مسلمانوں کو حرم کعبہ کی طرف منہہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور اسی سال قتال فی سبیل اللہ کا حکم نازل ہوا (قاتلوا فی سبیل اللہِ الذین یقاتلونکم) یعنے خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ ادہر قریش نے ہجرت کے ساتھہ ہی مدینہ پر حملہ کردیا تھا بالآخر بدر کا معرکہ بتاریخ ۱۷ رمضان ۲ ھ پیش آیا۔ لشکر اسلام کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جن میں سے ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے کفار قریش کے لشکر میں ہزار آدمیوں کی جمعیت تھی اور سو سواروں کا رسالہ تھا۔ خداوند عالم نے اس سخت آزمایش میں لشکر اسلام کو فتح و نصرت عطا فرمائی عتبہ اور ابوجہل قتل ہوے اس کے بعد اسی سال غزوہ سویق درپیش ہوا جس میں ابوسفیان نے واقعہ بدر کا بدلہ اپنی قیادت میں لینا چاہا مگر نتیجہ صرف یہ نکلا کہ مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر بھاگا اور اپنا سامان رسد یعنے ستو کے تھیلے پھینکتا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے اسی لیے یہ غزوہ سویق سے موسوم ہے اسی سال یعنے ۲ ھ میں سیدۃ النساء العالمین کا عقد جناب امیرؑ سے ہوا۔ اس کے حالات جناب فاطمہ زہرا کے ذکر میں بیان ہوں گے۔ اسی سال رمضان کے روزے فرض ہوے اور صدقہ عید دینے کا حکم ہوا۔ نماز عید بھی پہلی بار ادا کی گئی۔ اسی سال غزوہ بنی قینقاع واقع ہوا۔

وقائع ۳ ھ | اس سال میں غزوہ غطفان و غزوہ بنی سلیم واقع ہوے۔ اسی سال

بتاریخ ۱۵ رمضان حضرت امام حسنؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ مشہور ترین و اہم ترین واقعہ اس سال کا غزوۂ احد ہے جو ماہ شوال میں ہوا۔ کفار مکہ نے بدر کا انتقام لینے کیلئے عزم بالجزم کر لیا تھا حتٰی کہ خاتونان قریش بھی جنگ میں شرکت کے لیے آئی تھیں۔ لشکر اسلام میں محاربین کی تعداد صف جنگ میں ... تھی۔ مصعب بن عمیر صاحب علم تھے۔ زبیر بن العوام رسالے کے افسر تھے اور حضرت حمزہ غیر زرہ پوش حصۂ فوج کے سردار مقرر ہوئے۔ عبداللہ بن جبیر عقبی تیر اندازوں کے افسر تھے۔ اول اول لشکر اسلام کو فتح کامل حاصل ہوئی لیکن عقبی تیر اندازوں کی جلدبازی اور ناعاقبت اندیشی سے لڑائی کا رخ بدل گیا اور لشکر اسلام میں انتشار کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ مصعب بن عمیر کو ابن قمیہ نے شہید کر دیا اور غل ہوا کہ خود جناب رسول مقبول بھی شہید ہو گئے جس سے بیحد سراسیمگی لشکر اسلام میں پیدا ہو گئی۔ اسی ہنگامۂ دار و گیر میں ابن قمیہ نے چہرۂ مبارک نبوی پر تلوار کا وار کیا جس کے صدمہ سے دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ بالآخر جناب رسول کریم صلعم چند جان نثاران خاص کے ساتھ پہاڑی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان نے اس طرف بڑھنے کا ارادہ کیا مگر روک دیا گیا۔ حضرت حمزہؓ اسی معرکہ میں وحشی حبشی کے حربہ کھا کر شہید ہوئے۔ الغرض غزوۂ احد کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ اسے نہ مسلمانوں کی کامل فتح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ شکست سے۔ اسی سال وراثت کے احکام بھی نازل ہوئے اور نکاح مشرکہ حرام قرار دیا گیا۔

سنہ ۴ھ وقائع

اس سال سرایائے ابی سلمہ و ابن انیس و بیر معونہ و واقعہ رجیع در پیش ہوئے شعبان میں جناب امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی۔ شوال میں حضرت نے ام سلمہؓ سے نکاح کیا اور بقول بعض حرمت شراب کے احکام بھی اسی سال نازل ہوئے۔ غزوۂ بنی نضیر ماہ ربیع الاول میں واقع ہوا۔

وقائع ۵ھ اس سال غزوہ بنی مصطلق واقع ہوا۔ حارث بن ابی ضرار خاندان المصطلق کا رئیس تھا۔ اس نے مدینہ طیبہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا اور بالآخر لشکر اسلام کی آمد کی خبر سن کر مریسیع سے فرار ہوگیا ساکنان مریسیع نے لشکر اسلام سے مقابلہ کیا ان کے دس آدمی مارے گئے اور قریباً ۶۰۰ گرفتار ہوئے باقی فرار ہوگئے اسی سال حضرت جویریہ سے آنحضرت صلعم نے شادی کی۔ اسی سال کا مشہور ترین و اہم ترین واقعہ جنگ **احزاب** ہے جس میں اہل عرب و یہود کے متفقہ لشکر نے جن کی تعداد چوبیس ہزار تھی مسلمانوں سے مقابلہ کیا ان کا قائد اعظم اس جنگ میں ابوسفیان تھا حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے حضور صلعم نے مدافعانہ جنگ کے لئے خندق تیار کرائی جسے بیس دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں نے کھود کر تیار کیا اس ابتلاء عظیم کا ذکر کلام اللہ میں آیا ہے۔ (ھنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالاً شدیداً) ایک ماہ تک محاصرین نے اس شدت سے محاصرہ کیا کہ محصورین یعنے مسلمانوں پر تین تین وقت کے فاقے گذر گئے۔ بالآخر مخالفین اسلام کے سرداروں اور عرب کے مشہور بہادروں نے عام حملہ کیا۔ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود سے جناب امیرؑ کا دست بدست مقابلہ ہوا جس میں عمرو مارا گیا تمام دن لشکر اسلام پر تیر اور پتھروں کا مینہ برستا رہا۔ بالآخر محاصرہ کے طول اور دیگر مشکلات سے عاجز آکر لشکر مخالفین اسلام منتشر ہوگیا بنی قریظہ نے چونکہ جنگ خندق کے دوران میں مسلمانوں کی مخالفت کی لہذا ان کا محاصرہ لشکر اسلام نے قریباً ایک ماہ تک کیا بالآخر ان کی درخواست پر سعد بن معاذ حکم قرار دئے گئے اور انہوں نے محاربین یعنی بنی قریظہ کے قتل کا حکم دیا نماز خوف اور پردہ نسوان کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا متبنٰی کی زوجہ سے جواز نکاح اور تیمم و ظہار و لعان کے احکام بھی اسی سال دئے گئے۔

وقائع ۶ھ اس سال آنحضرت صلعم نے بعزم مکہ سفر فرمایا عمرہ کا احرام باندھا چودہ سو اصحاب ہمرکاب تھے۔ عسفان پہنچکر معلوم ہوا کہ کفار قریش آمادہ پیکار

ہیں۔ بالآخر آنحضرتؐ نے مقام حدیبیہ میں قیام کیا حضرت عثمانؓ کو بغرض گفتگوئے صلح مکہ میں بھیجا
گیا۔ قریش نے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا اور یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دئے
گئے۔ حضرت عثمانؓ کے خون کے قصاص کی غرض سے تمام حاضرین سے بیعت جان نثاری لیگئی
جس کا نام **بیعت رضوان** ہے بعد میں معلوم ہوا کہ قتل ہو جانے کی روایت غلط تھی بالاخر
چند شرائط سے صلح ہو گئی یہ شرائط مسلمانوں کے لئے نہایت سخت تھیں از آنجملہ یہ کہ مسلمان اس سال
واپس چلے جائیں۔ اگلے سال جب آئیں تو صرف تین دن قیام کر کے واپس ہو جائیں اور ہتھیار
لگا کر نہ آئیں۔ مکہ سے جو آدمی مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے اس کو واپس کر دیا جائے۔ اور مدینہ
سے جو آدمی بھاگ کر مکہ میں آئے اسے واپس نہ دیا جائے گا۔ یہ واقعہ **صلح حدیبیہ** سے موسوم
ہے۔ اس طرف سے مسلمانوں کو قدرے اطمینان ہوا تو متعدد سفارتیں تبلیغ اسلام کی غرض سے
شاہان وقت کے پاس روانہ کی گئیں مثلاً قیصر روم و نجاشی شاہ حبش و عزیز مصر و شاہ ایران و
امیر غسان وغیرہ۔

وقائع ۷ھ اس سال کے اہم واقعات یہ ہیں کہ قبیلہ غطفان اور یہود نے مشترکہ طور پر
ایک لشکر جرار مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مرتب کیا قبل اس کے کہ یہ لشکر
مدینہ طیبہ پر حملہ کرے۔ مسلمانوں نے خیبر پر حملہ کیا۔ چودہ سو پیدل اور دو سو سوار لشکر اسلام میں تھے
خیبر میں چھ قلعے تھے جن کے نام سالم قموص نطاۃ قصا۔ وشق اور مربطہ ہیں۔ پانچ قلعے یکے بعد
دیگرے فتح کر لیے گئے۔ صرف ایک قلعہ قموص جو سب سے زیادہ مضبوط و محفوظ تھا باقی رہا۔ اور جس کی
فتح جناب امیر شاہ خیبر گیر کے ہاتھوں ہوی۔ مرحب جو عرب کا مشہور زبردآزما تھا جناب امیرؓ کے
ہاتھ سے قتل ہوا۔ اسی سال حضرت صفیہؓ سے آنحضرتؐ نے عقد کیا۔ اسی سال ایک یہودیہ نے آنحضرتؐ
کو کھانے میں زہر کھلایا اسی سال (بقول اہلسنت) متعہ حرام ہوا۔ اسی سال وادی القری

میں مسلمانوں سے یہود کا مقابلہ ہوا جس میں یہود ناکام رہے۔ حضور صلعم نے مع جماعت صحابہ عمرہ ادا فرمایا

وقائع ۸ھ اس سال کا اہم ترین واقعہ غزوۂ موتہ ہے۔ مسلمانوں کا لشکر جس میں تین ہزار لشکری تھے۔ حارث بن عمیر قاصد رسول اللہ صلعم کے قتل کے قصاص کی غرض سے شرجیل بن عمرو بادشاہ بصریٰ پر حملہ کرنے کو روانہ ہوا جس کا مقابلہ ایک لاکھ لشکر جرار سے ہوا زید بن حارثہ حضرت جعفر طیارؓ و عبداللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور بعد میں حضرت خالد بن ولید لشکر اسلام کو ناکام واپس لیکر آئے۔ دوسرا مشہور و اہم واقعہ اس سال کا فتح مکہ ہے اس کے واقعات یہ ہیں کہ قبیلہ خزاعہ پر جو مسلمانوں کا حلیف تھا بنو بکر نے باعانت رؤسائے قریش حملہ کیا خزاعہ نے بدرجہ مجبوری حرم میں پناہ لی اور حالانکہ حرم محترم میں قتال ممنوع تھا حدود حرم کے اندر خزاعہ کا خون بہایا گیا۔ حضور صلعم کو یہ واقعات سن کر سخت رنج ہوا اور آپ نے بذریعہ سفارت پیام بھیجا کہ مقتولین کا خون بہا دیا جائے اور قریش بنو بکر کی حمایت سے دستکش ہوجائیں۔ نیز معاہدۂ حدیبیہ کے کالعدم ہونے کا اعلان کر دیا جائے۔ قریش نے صرف آخری شرط منظور کی اور اس کے بعد ابوسفیان کو پیغمبرؐ کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرائی جائے مگر یہ کارروائی بے سود رہی۔ آنحضرت صلعم نے ۱۰ رمضان کو لشکر اسلام کے ہمراہ جس میں دس ہزار لشکری تھے مکۂ معظمہ کی جانب عزیمت فرمائی ابوسفیان جاسوسی کے لیے مکہ سے باہر آیا اور گرفتار ہوگیا۔ بالآخر حضرت عباسؓ کے کہنے سننے سے اس نے قبول اسلام کا اظہار کیا۔ لشکر اسلام بغیر کسی قابل ذکر مخالفت کے داخل مکہ ہوا۔ اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص غیر مسلح رہے گا یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا۔ یا جو شخص اپنا دروازہ بند رکھے گا اسے امن دیا جائے گا۔ خانۂ کعبہ کے تمام بت نکلوا دیے گئے۔ جب حرم ان اصنام کی آلائش سے پاک ہوگیا تو حضور صلعم حضرت بلالؓ و طلحہؓ کے ہمراہ حرم میں داخل ہوئے اور نماز ادا کی اور وہ خطبۂ سلطنت پڑھا جو تاریخ

اسلام بلکہ تاریخ عالم میں ایک زندہ یادگار ہے کفار سے مخاطب ہوکر کہا کہ تمہیں معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں کفار نے جواب دیا کہ انت اخ کریم وابن اخ کریم بیشک ہیں اپنی زیادتیوں کے بدلے میں امید ہے کہ تو ہمیں معاف کرے گا۔ اس کے جواب میں رحمۃ اللعالمین نے وہی جملہ کہا جو تاریخ اسلام میں بے حد مشہور ہے (لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا وانتم الطلقاء) یعنی جاؤ تم آزاد ہو۔ تم پر کوئی الزام نہیں ہے۔ یہ سال تاریخ اسلام میں عام الفتح سے موسوم ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہی معلوم ہوا کہ قبیلہ ہوازن وثقیف نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مہیب سامان کئے ہیں۔ آنحضرت صلعم اس خبر کو سن کر بارہ ہزار فوج کے ساتھ آگے بڑھے لیکن اس تعداد میں بکثرت طلقا اور جدید الاسلام ناتجربہ کار اشخاص تھے وادی حنین میں مقابلہ ہوا پہلی ہی ٹکر میں لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے اور سوائے چند جان نثاران خاص کے آنحضرتؐ کے پہلو میں کوئی باقی نہ رہا۔ بالآخر خداوند عالم نے مسلمانوں کے قلوب میں سکینہ نازل فرمایا۔ اور از سر نو مجتمع ہو کر مسلمانوں نے لشکر کفار کو شکست دی۔ یہ وہی منظر ہے جس کا ذکر سورۂ توبہ میں اس طرح ہوا ہے (ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم ..... ثم انزل اللہ سکینتہٗ علیٰ رسولہ وعلی المومنین)۔ کفار کی شکست خوردہ فوج طائف وادی اس میں جمع ہوئی۔ ان دونوں مقامات پر بھی مقابلہ ہوا اگرچہ کہ اسلامی جنگ مدافعت کا پہلو لیے ہوئے ہوتی تھی اور ان سے کچھ زیادہ اندیشہ بھی مسلمانوں کو نہ تھا بیس دن کے بعد طائف کا محاصرہ برخاست کر دیا گیا۔ اسی سال ابراہیم بن رسول اللہ صلعم کی ولادت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئی۔

وقائع ۹ھ بعض ذرائع سے خبریں پہنچیں کہ رومیوں نے ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں پر

حملہ کرنے کے لیئے مرتب کیا ہے۔ یہ خبریں سنکر آنحضرت صلعم نے تین ۳۰ ہزار فوج کے ساتھ کوچ کیا تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی آنحضرت نے وہاں بیس روز قیام کیا اور عیسائی سرداروں سے معاہدات دوستانہ کئے۔ حکم زکوٰۃ بھی اسی سال نازل ہوا۔ اور نجاشی بادشاہ حبش کی نماز جنازہ غائب بھی اسی سال پڑھی گئی۔

وقائع سنہ ۱۰ھ فتح مکہ کے بعد سے اسلام میں فوج در فوج اشخاص شامل ہونے لگے۔ دینی اور دنیوی اصلاحات کے متعدد احکام دئے گئے۔ اسی سال آنحضرت صلعم نے حج وداع ادا فرمایا اور خطبہ فصیح وبلیغ ارشاد فرمایا جس میں بیش بہا نصائح مسلمانوں کو کئے دین حق کی تکمیل کا مژدہ سنایا گیا۔

وقائع سنہ ۱۱ھ اس سال کا اہم ترین واقعہ حضور اقدس صلعم کی وفات ہے۔ ماہ صفر کے آخر میں درد سر اور بخار کی شکایت شروع ہوئی بالآخر بتاریخ ۲ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق سنہ ۶۳۲ء بعمر ۶۳ سال روح اقدس نے جسم اطہر سے مفارقت کی۔ جناب امیرؑ نے غسل دیا ابوطلحہ رضؓ نے قبر کھودی اور جس بستر پر حضور نے وفات پائی تھی وہی قبر میں بچھا دیا گیا۔ جسم اطہر کو حضرت علیؑ و فضل بن عباسؓ و اسامہ بن زید و عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے قبر شریف میں اتارا۔

اس حد تک ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ بعض اہم وقائع کا اندراج کر دیا ہے۔ ایسے مختصر مضمون میں ان مہتم بالشان واقعات کا تفصیلی اور جامع بیان نہ تو ممکن ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہماری اس مختصر کتاب کا موضوع اصلی یہ ہے بزرگان سادات کے بیان کے سلسلہ میں اس قدر بیان ضروری سمجھا گیا۔ اب اس مختصر مضمون کو چند ضروری امور آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات معمولات کے متعلق بیان کر کے ختم کیا جاتا ہے۔ سیرۃ نبویؐ کو بتفصیل لکھنے کے لئے جن امور و حالات کی ضرورت ہے وہ یہاں موجود نہیں۔ اور سب سے اول کے

اس عظیم الشان فرض کی تکمیل کے لیے ہم کیا اور ہمارا قلم کیا۔ یہی جو کچھ لکھا جا رہا ہے محض تبرکاً تزئین اوراق ہذا کے لئے ہے۔ ورنہ کہاں ہم اور کہاں سیرۃ نبوی کی تحریر و ترتیب۔

من کیم و بزم تو لیکن ز دور   دیدن آن انجمنم آرزوست

سطور ما بعد میں کتب معتبرہ مقبولہ مثلاً مدارج النبوۃ و شمائل ترمذی و سیرۃ النبی وغیرہ سے آنحضرت صلعم کے ذاتی حالات مختصر مختصر تحریر کئے جاتے ہیں۔

حلیۂ مبارک چہرۂ مبارک مرأت جمال الٰہی و مظہر انوار نا متناہی تھا۔ رنگ سفید و سرخ تھا۔ حدیث ابن ابی ہالہ میں ہے (کان رسول اللہ صلعم فخما مفخما یتلاء لاُ وجہ تلالو القمر لیلۃ البدر)۔ رخسارے صاف تھے۔ نہ ہڈیوں میں اندر کی جانب دبے ہوئے تھے اور نہ پھولے ہوئے تھے۔ آنکھوں کی تپلیاں سیاہ تھیں ان میں سرخ ڈورے بھی رہتے تھے آنکھیں بڑی اور موزوں تھیں بالفاظ دیگر آنحضرت صلعم عظیم العینین واشہل العینین تھے۔ بقول قاضی عیاض گیارہ اور بقول سہیلی بارہ ستارے عقد ثریا میں آنحضرت صلعم اپنی تیزی بصارت سے شمار فرما سکتے تھے۔ آنحضرت صلعم واضح الجبین وصلت الجبین تھے۔ یعنی پیشانی مبارک واضح اور کشادہ تھی۔ طالع نورانیت جبین مبارک سے واضح ہوتا تھا۔ ابرو پیوستہ تھے۔ بروایت بیہقی آنحضرت صلعم احسن الوجہہ عظیم الجبہ دقیق الحاجبین تھے۔ بینی مبارک بلندی مائل تھی یعنے سرسری طور پر دیکھنے سے قدرے بلند معلوم ہوتی تھی مگر درحقیقت بلند نہ تھی۔ دہن مبارک قدرے کشادہ تھا۔ دندانہائے مبارک زیادہ پیوستہ نہ تھے نہایت صاف شفاف تھے۔ بروایت حضرت ابن عباسؓ جب حضور صلعم تکلم فرماتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ درمیانی کشادگی سے نور باہر آ رہا ہے علامہ بوصیری رح کیا ہی خوب تحریر فرماتے ہیں:۔

کانما اللولوم المکنون فی صدف   من معدنی منطق منہ و مبتسم

آنحضرت صلعم منبسط الوجہ یعنی ہنس مکھ تھے ہنسی آتی تو آپ مسکرا دیتے تھے مگر قہقہہ تک کبھی نوبت نہ آتی تھی آواز مبارک بلند شیریں اور دور رس و دلاویز تھی۔ عارف رومی فرماتے ہیں:- در دلِ ہر امتی کز حق مزہ است روی و آواز پیمبر معجزہ است

موئے مبارک اکثر شانوں تک لٹکتے رہتے تھے اور کبھی کم بھی کرادیتے تھے۔ ریش مبارک سیاہ اور گنجان تھی۔ دونوں شانوں کے درمیان قدرے گوشت کا ابھرا ہوا ایک حصہ تھا جس پر تل تھے۔ اور بال اُگے ہوئے تھے اس کی جسامت کبوتر کے انڈے کے برابر تھی یہی ہے جو مہر نبوت کے نام سے موسوم ہے۔ مشہور رہے کہ اس میں کلمۂ طیبہ تحریر تھا مگر بقول حافظ ابن حجر وغیرہ یہ روایات قابل اعتنا نہیں ہیں۔ (لم یثبت منہا شیٔ زرقانی بر مواہب) اسی طرح یہ بھی مشہور ہے کہ جسم مبارک کا سایہ نہ تھا اس روایت کی بھی کوئی سند نہیں ہے (سیرۃ النبی)۔

آنحضرت صلعم میانہ قد موزوں اندام تھے جسم نہ فربہ تھا اور نہ لاغر سینہ مبارک فراخ اور بھرا ہوا تھا۔ سینہ کی ظاہری کشادگی کے ساتھ باطنی کشادگی بھی اہل بصیرت سے مخفی نہیں ہے جس پر خود کلام الٰہی ناطق ہے (الم نشرح لك صدرك) میں اسی طرف اشارہ ہے ہاتھ پاؤں نہایت موزوں اور کلائیاں خوب چوڑی تھیں۔ گردن لمبی اور صراحی دار تھی۔ سر مبارک بڑا تھا جو سرداری کی علامت ہے۔

رفتار و گفتار و دیگر حالات

رفتار میں دلکشی زیادہ تھی جب چلتے تھے تو قدم جما کر رکھتے تھے گویا کوئی شخص ڈھلوان زمین پر اتر رہا ہے تمام جسم کا بوجھ پاؤں پر دے کر اور قدم جما کر پاؤں اٹھاتے تھے۔ رفتار تیز تھی گفتگو نہایت شیریں و دل آویز تھی جس سے سننے والے پر رعب طاری ہو جاتا تھا۔ ٹھیر ٹھیر کر گفتگو فرماتے تھے اور جس بات پر زیادہ زور دینا منظور ہوتا

بار بار اس کا اعادہ فرماتے تھے ایک ایک فقرہ الگ اور صاف ہوتا تھا تقریر میں کبھی ہاتھ پے
ہاتھ مارتے تھے اور اثنار گفتگو میں جب مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتی
تھیں۔ بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے تھے۔

لباس مبارک میں کوئی خاص التزام تو نہ تھا البتہ آپ ایسا لباس عموماً استعمال
فرماتے تھے جو نہ زیادہ تنگ ہوتا تھا اور نہ ڈھیلا تہمد قمیص و عمامہ و چادر روزانہ کا لباس
تھا۔ پاجامہ نہیں استعمال فرمایا مگر اسے دیکھکر پسند فرمایا ہے اور فرمایا کہ یہ لباس ساتر ہے
عمامہ کا شملہ کبھی دونوں شانوں کے درمیان رہتا تھا اور کبھی تحت الحنک کے طور پر لپیٹ لیتے تھے
بعض اوقات شامی و نوشیروانی قبائیں بھی استعمال فرمائی ہیں بعض اوقات حلہ حمرا بھی استعمال فرمایا ہے یہ ایک قسم کی
یمنی چادر ہوتی تھی جس میں سرخ دھاریاں ہوتی تھیں نعلین مبارک اس طرز کے تھے جسے اس
ملک میں چپل کہتے ہیں۔ میدان جنگ میں زرہ اور مغفر بھی استعمال فرماتے تھے۔

غذا نہایت سادہ تھی۔ جو کا آٹا بے چھنا آٹا استعمال فرماتے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو بندۂ
خدا خود خدا کا شب و روز مہمان اور خود خدائے قدوس جس کا میزبان ہو اس کے لیے دنیوی لذیذ
ماکولات و مشروبات کی نہ کوئی خاص ضرورت ہے اور نہ کسی بیش قیمت و لذیذ طعام کی حاجت
ارشاد نبوی ہے۔ ابیت عند ربی ھو یطعمنی ویسقینی) وللہ در ما قال۔

ترا پیالہ مدام از شراب یسقینی	ترا نوالہ دمادم خوان یطعمنی
بر دمان ۔ کہ ۔ لکم دینکم ولی دینی	مرا تو قبلہ دینی ازاں سبب گفتم

آنحضرت کی معمولی غذا اونٹ بھیڑ بکری کا گوشت تھی۔ دودھ شہد اور سرکہ بھی نوش فرماتے تھے اکثر
روزہ رکھتے اور فاقہ بھی کرتے تھے شوربہ میں چوری ہوئی روٹی بھی استعمال فرماتے تھے چونکہ اس زمانہ میں امراء و
ذی مقدرت اشخاص کا مخصوص شعار یہ تھا کہ زمین سے بلند خوان یا میز رکھکر کھانا کھاتے تھے اور یہ فخر و امتیاز

کی ایک خاص علامت تھی آپ نے اس پر کھانا پسند نہیں فرمایا معمولاً تین انگلیوں سے طعام تناول فرماتے تھے صحیح بخاری میں بھی روایت موجود ہے کہ کبھی کبھی آپ گوشت چھری سے کاٹ کر تناول فرماتے تھے مزاج اقدس نظافت پسند تھا۔ ہر کام میں صفائی پسند خاطر مبارک تھی حکم تھا کہ پیاز لہسن اور مولی کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔

آنحضرت صلعم مرد متوکل و عابد و زاہد و ذاکر و شاغل تھے۔ انواع و اقسام کے ابتلا و شدائد میں بھی آپ نے سررشتہ توکل و قناعت کو ہاتھ سے نہیں دیا اور سخت سے سخت آزمائش کے موقع پر بھی انتشار و مایوسی سے آپ آشنا نہ ہوئے ہر جگہ توکل و اعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ یکساں نظر آتا رہا۔ ہنگامہ جنگ کی گرما گرمی اور خاص معرکہ دار و گیر کے ہجوم میں بھی آپ یاد الٰہی سے غافل نہ ہوئے اور غایت خضوع و خشوع و اطمینان قلب کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر آپ پر رقت طاری ہوتی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے صحیح روایتوں میں ہے کہ راتوں کو نماز میں کھڑے کھڑے پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے۔ رات کے سناٹے میں آپ کبھی دعا و زاری میں مصروف ہوتے اور کبھی کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے تھے۔ محبت الٰہی کے سامنے تمام دنیوی نعمتوں کو ہیچ سمجھتے تھے۔

آنحضرت صلعم کی عادت شریف کسی کو برا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدلے میں برائی نہ کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے اور معاف فرما دیتے تھے آپ نے کبھی کسی خادم غلام لونڈی یا عورت یا جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ نہ آپ نے کسی کی کوئی جائز درخواست رد فرمائی صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ آنحضرت صلعم کو زمانہ آغاز وحی میں جب کہ مصائب و شدائد کا ہجوم تھا اس طرح تسکین دیا کرتی تھیں (خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا آپ صلہ رحم کرتے ہیں مقروضوں کا قرض ادا کرتے ہیں مفلسوں اور

غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمانوں کی خاطر کرتے ہیں حق کی حمایت کرتے ہیں اور مصیبت میں غیروں کے کام آتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور سیرۃ النبی میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ جو آنحضرت کے تربیت یافتہ تھے اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس میں رہے تھے ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے اُن سے آنحضرت صلعم کے اخلاق وعادات کی نسبت سوال کیا جناب امیرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلعم خندہ جبین نرم خو مہربان طبع تھے سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے بات بات پر شور نہ کرتے تھے کوئی برا کلمہ منہہ سے کبھی نہ نکالتے تھے عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے۔ کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کے ناپسند ہوتی تو اس سے اغماض فرماتے تھے کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے یعنی صراحتاً انکار و تردید نہ کرتے تھے بلکہ خموش رہتے تھے اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے۔ اپنے نفس سے تین چیزیں آپ نے بالکل دور کر دی تھیں بحث ومباحثہ ضرورت سے زیادہ بات کرنا اور جو بات مطلب کی نہ ہو اس میں پڑنا۔ دوسروں کے متعلق بھی تین باتوں سے پرہیز کرتے تھے کسی کو بُرا نہیں کہتے تھے کسی کی عیب گیری نہ کرتے تھے کسی کے اندرونی حالات کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے وہی باتیں کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا جب آپ کلام کرتے تو صحابہ اس طرح خموش ہو کر اور سر جھکا کر سنتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جب آپ خموش ہو جاتے تو وہ آپس میں بات چیت کرتے کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کر لیتا چپ سنا کرتے لوگ جن باتوں پر ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے جن پر لوگ تعجب کرتے آپ بھی کرتے باہر کا کوئی آدمی اگر بے باکی سے گفتگو کرتا تو آپ تحمل فرماتے دوسروں کے منہ سے اپنی تعریف سننا پسند نہ فرماتے تھے لیکن اگر کوئی آپکے

احسان وانعام کا شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے تھے جب تک بولنے والا خود چپ نہ ہو جاتا آپ اس کی بات درمیان سے نہ کاٹتے تھے نہایت فیاض نہایت راست گو نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے۔ اگر کوئی دفعۃً آپ کو دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا۔ (شمائل ترمذی)۔

جود وسخا آپ کی فطرت تھی بقول حضرت ابن عباسؓ آنحضرت صلعم سب سے زیادہ سخی تھے خصوصاً رمضان کے مہینے میں آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے تمام عمر کسی کے سوال پر نہیں کا لفظ جواب میں نہیں فرمایا ارشاد نبوی ہے السخی حبیب اللہ ولو کان فاسقاً والبخیل عدو اللہ ولو کان زاھدًا۔ باوجود کمال سخاوت وجود وعطا آپ کو گداگری اور بلا وجہ جا و بے جا عادی سوال کرنے والوں سے نفرت تھی ارشاد نبوی ہے کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لاد لائے اور اسے فروخت کر کے اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے (صحیح بخاری) فیاضی میں کافر و مسلمان کا کوئی خاص امتیاز نہ فرماتے تھے مسلمان و کافر سب آپ کے مہمان ہوتے اور بلا امتیاز مذہب و ملت آپ کے خوان کرم سے متمتع ہوتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ بھی ہوتا وہ سب ان کی نذر ہو جاتا اور گھر والوں کو فاقہ کی نوبت پہنچتی تھی آپ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ (ابوداؤد) اپنے اور اپنے خاندان والوں کے لئے صدقہ کا لینا باعث ننگ و عار سمجھتے تھے۔ ایک بار امام حسن علیہ السلام نے نادانستہ ایک صدقہ کی کھجور اپنے منہ میں ڈال لی۔ آپ نے سختی سے منع فرمایا اور کہا کہ ہمارا خاندان صدقہ نہیں کھاتا اور وہ کھجور صاحبزادہ کے منہ سے اگلوا دی (صحیح بخاری)۔

امارت پسندی سے آنحضرت صلعم سخت اجتناب فرماتے تھے۔ سادگی اور بے تکلفی

کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے اور معمولات یومیہ میں خاص طور پر نمایاں تھی۔ رہبانیت اور تقشف کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ غایت درجہ متواضع تھے بیماروں کی مزاج پرسی مفلسوں اور فقیروں کی دستگیری آپ کا شعار خاص تھا اپنی غیر معمولی تعظیم اور مدح مفرط سے لوگوں کو روکتے تھے۔

آنحضرت صلعم میں شجاعت بھی غیر معمولی تھی جس کا مظاہرہ بارہا صف قتال میں ہوا ہے سخت سے سخت ابتلا و خدشہ کے اوقات میں بھی آنحضرت صلعم کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی (حضرت علی رضؓ جن کے دست بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں کہتے ہیں کہ بدر میں جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ہی کی آڑ میں آکر پناہ لی تھی۔ آپ سب سے زیادہ شجاع تھے مشرکین کی صف سے اس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا۔ (سیرۃ النبی)۔

جس طرح دیگر انبیا علیہم السلام کو معجزات عطا ہوئے آنحضرت صلعم کو بھی مختلف معجزات دئے گئے۔ دیگر انبیاء کے معجزات کا اب کوئی اثر بجز ان کے ذکر کے باقی نہیں ہے۔ مگر آنحضرت صلعم کو ایک زندہ معجزہ بارگاہ ایزدی سے ملا ہے جو ہمیشہ کے لیے اپنی جامع اعجاز نمائی کے لئے زندہ یادگار رہے اور جس کے متعلق خود اس کا دعوی ہے کہ (قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یاتوا بمثل ھٰذ القراٰن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا) اس دعوی پر ساڑھے تیرہ صدی کا مستقبل اب تک ماضی بن چکا ہے اور دنیا کے اکابر علما و عقلا و فصحا اس پر مہر تصدیق ثبت کر چکے ہیں اور آج تک بھی نہ کبھی اس دعوی کی تردید ہو سکی اور نہ آیندہ کبھی ہو سکتی ہے۔ جس حیثیت سے غور کیجئے قرآن حکیم سراسر اعجاز ہی اعجاز ہے اس کا طرز بدیع و اسلوب بیان اس کی بے مثل فصاحت و بلاغت۔ اس کے زور کلام کی از وال تا آخر یکسانی۔ اس کا جمیع اسقام سے پاک صاف ہونا اس کی قوت تسخیر قلوب غرض متعدد ایسی صفات سے یہ کتاب متصف ہے جس کی نظیر ممکن نہیں۔ پھر علم و حکمت

کے جیسے بیش بہا جواہر اس میں موجود ہیں ان کا بھی کوئی ثانی دوسری جگہ ملنا ممکن نہیں ہے۔ الغرض اپنی مختلف حیثیات کے لحاظ سے قرآن کریم ایک زندہ معجزہ کامل و اکمل ہے۔

غور کرو کہ ایک امی محض جو امیوں ہی کی گودوں میں پلا اور پل کر جوان ہوا اس نے ہوش سنبھالا تو گرد و پیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اُسے کچھ نظر نہ آیا علوم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک عاری شہر اور عاری خاندان کے اندر نشو و نما پائی جہاں اہل فکر اور ارباب علم کا وجود نہ تھا وہ خود اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت و خواند کے نقوش و حروف سے آشنا نہ تھا گذشتہ صحف انبیا اور افکار عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کبھی نہیں پڑا علما اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی اصول قانون مبادی اخلاق محاسن علم و عمل کی کوئی ظاہری تعلیم اسے نہیں ملی بلکہ مدرسہ علم و حکمت کے سایہ دیوار تک کبھی اس کا گذر نہیں ہوا اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس دورے ختم کرتا ہے کہ دفعۃً غار حرا کے ایک دہانہ سے اجالا ہوتا ہے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ابلتا ہے ظاہری نوشت و خواند کے نقوش و حروف کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے صحف انبیا اور افکار عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں اس کے پرتو صحبت سے اُمّی اور جاہل علما، وہ بر اور دانشوران روزگار ہو کر نکلنے لگتے ہیں اصول قانون مبادی اخلاق اور محاسن علم و عمل کی تعلیم کا غلغلہ اس کی بزم فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے کلام ربانی کے پردہ میں علم و حکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں۔ اس سے زیادہ قرآن کے معجزہ ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے (سیرۃ النبی) بے شک امت محمدی کے لئے یہ ایک دائمی سعادت ہے کہ ان کی آسمانی کتاب کیا باعتبار اپنی ظاہری خصوصیات یعنی بے مثل فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار اپنی داخلی خصوصیات یعنی باعتبار اپنی تعلیم اوسط وغیرہ کے بے مثل

وبے نظیر اور ایک زندہ اعجاز ہے جس کا کوئی ثانی اقصائے عالم میں موجود نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلعم کی ذات قدسی صفات کا جامع بیان نہ اس مختصر مضمون میں ممکن ہے اور نہ درحقیقت اس کا کوئی حق ادا کرنے کے لیے ہم اہل ہیں وہ ذات گرامی جو خلق آدمؑ ومعرفت شیثؑ وشجاعت نوحؑ وخلت ابراہیمؑ ولسان اسمٰعیلؑ ورضائے اسحاقؑ وفصاحت صالحؑ وحکمت لوطؑ وبشری یعقوبؑ وحسن یوسفؑ وشدت موسیٰؑ وصبر ایوبؑ وطاعت یونسؑ وجہاد یوشعؑ وصوت داؤدؑ وحب دانیالؑ ووقار الیاسؑ وعصمت یحییٰؑ وزہد عیسیٰؑ کی جامع اس کی صفات کا بیان کرنا آسان کام نہیں اعراب ہم بمصداق خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست۔
اپنے اس مختصر مضمون کو سرگروہ صوفیائے کبار حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ کا کلام نقل کر کے اور اسے اپنا وسیلہ قرار دیکر ختم کرتے ہیں وہو ہذا ۔

یا رسول اللہ منم در ماندہ ام — باد بر کف خاک بر سر ماندہ ام
بیکساں را کس توئی در ہر نفس — من ندارم در دو عالم جز تو کس
یک نظر سوے من غمخوارہ کن — چارہ کار من بیچارہ کن
گرچہ ضائع کردہ ام عمر از گناہ — توبہ کردم عذر من از حق بخواہ
اے شفاعت خواہ امت تیرہ روز — لطف کن شمع شفاعت برفروز
دیدۂ جاں را لقائے تو بس است — ہر دو عالم را ضیائے تو بس است

(عطارؒ)

والصلوٰۃ السامیہ فالتحیات النامیہ علےٰ افضل رسل ونبی منجینا من جمیع الاھوال والآفات فی الدنیا ودینا ملجانا وموجب تشفینا۔ نور من نور اللہ وسکینا۔ سید ساداتنا وو الینا۔ شافعنا وشافینا۔ قائدنا

وھادینا۔ الرؤف بنا من امھاتنا وابینا حبیب اللہ الاجمل فی الاجملینا حجۃ اللہ علینا وعلی الفائزین من خلفنا وما بعدنا وبین ایدینا وعلے آلہٖ وصحبہٖ الفائزین فوزاً مبینا۔ وادلیاءہ المتصوفین المتصرفین فی العالم باذنہٖ تمکینا وعلینا بھم ولھم اجمعینا ویرحم اللہ من قال آمینا۔

جناب ابو طالب

جناب ابوطالب جناب عبدالمطلب کے بیٹے اور جناب شیر خدا کے باپ ہیں۔ آنحضرت کی پرورش اول جناب عبدالمطلب نے کی اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو جناب ابوطالب کی تربیت وکفالت میں آنحضرت صلعم کو سپرد کردیا کیونکہ جناب عبداللہ پدر جناب رسول خدا اور جناب ابوطالب دونوں ماں جائے بھائی تھے۔ جناب ابوطالب نے کمال شفقت و محبت سے اپنے اس فرض کو باحسن الوجوہ انجام دیا اور ہمیشہ آنحضرت صلعم کے سامنے اپنے بچوں کی بھی کبھی پرواہ نہ کی ایک بار جناب ابوطالب اپنے تجارتی قافلہ کے ساتھ جب شام کو جانے لگے تو بخیال تکلیف آنحضرت کو ہمراہ لے چلنے سے انکار کیا مگر جب زیادہ اصرار دیکھا تو اپنے یتیم بھتیجے کی دلشکنی گوارا نہ کی اور اپنے ہمراہ لے لیا۔ بقول مورخین بحیرہ راہب کا واقعہ اس سفر میں پیش آیا آنحضرت صلعم کی عمر اس وقت تقریباً دس بارہ سال تھی۔

حضور صلعم سے جس قدر محبت آپ کو تھی اس کا اندازہ خود جناب سرور کائنات ہی کر سکتے تھے۔ اللہ اللہ کیا محبت اس چچا کو اپنے بھتیجے سے تھی اور وہ کیسی مبارک گود تھی

جس میں سرور عالم نے پرورش پائی تفصیلی واقعات سے تمام کتب تاریخ مملو ہیں۔
آنجناب کے متعلق عقیدہ شیعہ یہ ہے کہ آپ مومن کامل تھے اور آپ کی وفات بھی بحالت ایمان ہوی اہل سنت کا عقیدہ آنجناب کے متعلق باہم مختلف ہے اور ایمان ابوطالب بھی ایک زبردست اختلافی مسئلہ اہل تسنن میں ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ اہل سنت میں مالکی گروہ کا عقیدہ جناب ابوطالب کے متعلق وہی ہے جو شیعوں کا ہے اور ان کے عقیدہ میں حضرت ابو طالب کو برا کہنے والا اگرچہ توبہ بھی کرلے واجب القتل ہے۔ وعندالمالکیہ وان تاب یجب قتلہ (شرح شفاء قاضی عیاض تلمسانی)۔ ثقۃ الحفاظ مستقصی میں فرماتے ہیں۔

اتفق ائمۃ اهل البیت ان ابا طالب مات مسلم وخلاف اهل البیت فی الاسلام غیر معتبر۔

اسی طرح ابن عساکر کا قول ہے (انہ اسلم) نیز ملاحظہ ہو تاریخ ابو الفدا جس میں تحریر ہے۔

فلما تقارب من ابی طالب الموت جعل یحرك شفتیه فاصغی الیه العباس باذنه وقال واللہ یا ابن اخی لقد قال الكلمات التی امرته ان یقولها فقال رسول اللہ الحمد للہ الذی هداك یا عم هكذا روی عن ابن عباس۔

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جب جناب ابی طالب کی موت کا وقت قریب آیا تو اپنے ہونٹ ہلانے لگے۔ جناب عباس نے کان لگا کر سنا اور کہا کہ اے بھتیجے واللہ اس نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس کا تم نے حکم دیا تھا پس جناب رسول صلعم نے فرمایا کہ سب تعریف ہے اس خدا کے لئے جس نے اے چچا تمہیں ہدایت کی یہ روایت اس طرح حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے۔

یہ روایت سیرۃ الحلبیہ میں بھی درج ہے نیز دیگر کتب میں بھی موجود ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم ابوطالب کے ایام مرض میں ان کے پاس آن کر بیٹھے اور فرمایا کہ اے عم خداوند کریم آپ کو جزائے خیر دے کہ بچپن میں آپ نے میری پرورش کی اور جب میں جوان ہوا تو آپ نے میری حفاظت کی آپ کا حق مجھ پر میرے باپ سے بھی زیادہ ہے۔ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔

ولولا ابی طالب وابنہ — لما مثل الدین شخصاً وقاما

فذاک بمکۃ اوی وحامی — وھذا بیثرب جس الحماما

مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر ابوطالب اور ان کا بیٹا (علیؑ) نہ ہوتا تو دین صورت پذیر اور قائم نہ ہوتا کیونکہ ابوطالب نے مکہ میں اسے پناہ دی اور اس کی حمایت کی اور علیؑ نے مدینہ میں اپنے آپ کو سخت خطرات میں ڈالے رکھا:۔

اسی طرح دیگر ایسی روایات معتبر کتب میں موجود ہیں جن سے جناب ابوطالب کا مومن کامل ہونا پایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اکابر اہل سنت نے مستقل کتابیں ایمان جناب ابوطالب کے اثبات میں تصنیف فرمائی ہیں جو اشخاص جناب ابوطالب کی موت کفر کی حالت میں مانتے آئے ہیں۔ وہ بھی اس قدر ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ باوجود اس کفر کے جناب ابوطالب نے وہ جان نثاریاں جناب رسول اللہ کیساتھ کی ہیں جن کا اعتراف خود جناب رسول کریم صلعم نے بارہا کیا ہے۔ جناب رسول کریم کو جناب ابوطالب سے بے حد محبت تھی جس کا اظہار بار بار آنحضرت صلعم نے اپنی زبان مبارک سے کیا ہے۔ یہ تمام واقعات سب کے مسلمہ ہیں علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلعم اب شعب ابی طالب سے نکلے تھے اور چند روز قریش کے جور و ظلم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہ کا انتقال ہوگیا ابوطالب کی وفات کے

وقت آنحضرت صلعم ان کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ پہلے سے موجود تھے۔ آپ نے فرمایا مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہدیجئے کہ میں خدا کے ہاں آپکے ایمان کی شہادت دوں۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا۔ ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے بالآخر ابوطالب نے کہا میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں پھر آنحضرت صلعم کی طرف خطاب کر کے کہا میں وہ کلمہ کہدیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈرگیا آپ نے فرمایا" میں آپکے لیے دعائے مغفرت کروں گا جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کردے

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباس نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلعم سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لئے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔

اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے۔ اس لئے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ روایت مرسل ہے ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجہ استناد میں چنداں فرق نہیں۔

ابوطالب نے آنحضرت صلعم کے لیے جو جان نثاریاں کیں اس سے کون انکار کرسکتا ہے وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن

بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے تین تین برس تک آب دانہ بند رہا۔ کیا یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی۔

ابوطالب آنحضرت صلعم سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہ صلعم کو ان سے بڑی محبت تھی ایک دفعہ وہ بیمار پڑے آنحضرت صلعم ان کی عیادت کے لیے گئے تو انہوں نے کہا "بھتیجے! جس خدا نے تجھکو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا تا کہ مجھکو اچھا کردے" آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔ آنحضرت صلعم سے کہا خدا تیرا کہا مانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے (سیرۃ النبی)۔

سبحان اللہ یہ کفر بھی کیسا کفر تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا مومن کامل (محمد) اس کافر سے عشق رکھتا تھا۔ اور وہ کافر بھی کیسا کافر تھا جو اس مومن کامل پر بہزار جان فدا تھا۔ ؎

نازم بکفر او کہ بایماں برابر است

کچھ نہ کچھ اس کی وجہ ضرور ہے کہ جو لوگ جناب ابوطالب کو تادم مرگ کافر مانتے ہیں۔ کوئی جملہ یا کوئی لفظ آنجناب کی شان میں ایسا نکالنا گوارا نہیں کرتے جو دیگر کفار کے لئے عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیا بقول شبلی نعمانی یہ محبت یہ جوش یہ جان نثاریاں سب ضائع جائیں گی۔

صاحب اسنی المطالب تحریر فرماتے ہیں :۔

(ترجمہ) یہ دعوی کہ اہل سنت کا اتفاق ابوطالب کی عدم نجات پر ہے نہایت درجہ جھوٹا ہے کیونکہ اکابر اہل سنت ایسے موجود ہیں جو ان کی نجات کے قائل ہیں مثلاً امام قرطبی، امام سبکی و امام شعرانی وغیرہم۔ جو بیان کرتے ہیں کہ ابوطالب جناب رسول کریم پر ایمان لائے اور حالت اسلام میں وفات پا گئے۔ حدیث صحیح میں جو ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کی ہے وارد ہے کہ جب پیغمبر خدا صلعم کو جناب ابوطالب

کی وفات کی خبر پہنچی تو آپ روے اور ارشاد فرمایا۔ اذھب فغسلہ و کفنہ و وارہ وغفراللہ لہ و رحمہ یعنی جاؤ ان کو غسل دو کفن دو اور دفن کرو اللہ تعالیٰ ان کو بخشے اور رحم کرے صاحب سیرۃ الحلبیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہی حدیث بروایت ابوداؤد ونسائی ابن جارود و ابن خزیمہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت کی گئی ہے شرح الشہاب ابن وحشی میں ابوالطاہر فرماتے ہیں۔ من ابغض اباطالب فھو کافر باللہ عزوجل (اسنی المطالب)

سنہ ۱۰ نبوی میں آنجناب کی وفات واقع ہوی اور اس سے متصل ہی جناب خدیجہ کی وفات واقع ہوی۔ ان دو حقیقی ہمدردوں کی موت سے جناب رسول صلعم کو سخت صدمہ تھا اور اسی باعث یہ سال تاریخ اسلام میں عام الحزن کے نام سے مشہور ہے۔

اگر جناب ابوطالب کافر بھی ہیں تو کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ ایک جملہ بھی آنجناب کے متعلق ایسا ادا کر سکے جو عام طور پر کفار کے لیے ہم سب بولتے ہیں اور باتباع عمل نبوی ہم سب مامور ہیں کہ چونکہ خود حضورؐ نے بحد محبت جناب ابوطالب سے رکھی ہے ہم بھی ان سے محبت رکھیں اور خود حضورؐ نے جب ان کا اعزاز و اکرام کیا ہے تو ہم میں سے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی کہہ سکیں حضورؐ نے ان کی وفات پر اگر گریہ فرمایا تو چاہیے کہ ہماری آنکھیں بھی ان کے غم میں اشک بار ہوں۔ زہے نصیب جناب ابوطالب کے کہ دنیا کے سب سے بڑے شخص کی پرورش انھوں نے اپنی آغوش شفقت میں کی اور ان سے بے حد و نہایت محبت رکھی اور یہ دنیا کا سب سے بڑا شخص اس کی محبت سے بے قرار اس کی وفات پر سوگوار رہوا۔ ان خاص حالات سے متاثر ہو کر اور جناب ابوطالب کے ایمان لے آنے کی روایت لکھنے کے بعد جناب مولنا عبدالرب مرحوم مصنف فردوس

تحریر فرماتے ہیں کہ خدایا اگر ابو طالب جہنم میں جائیں تو ان کے بدلے میں مجھے جہنم میں ڈال دے اور ان کو رسول صلعم کے پاس جگہ دے مجھے منظور ہے۔

اسد اللہ الغالب علیؓ ابن ابی طالب

امیر المومنین امام الاشجعین مظہر العجائب و الغرائب۔ ہزبر السالب لیث الغالب آل غالب غالب کل غالب مطلوب کل طالب اسد اللہ الغالب علیؓ ابن ابی طالب کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ علیؓ بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔

ولادت باسعادت آنجناب کی بروز جمعہ مطابق ۱۳ ماہ رجب ۳۰ عام الفیل خانۂ کعبہ میں ہوی۔ آنحضرت صلعم کی آغوش مبارک میں آپ کی تربیت ہوی۔ اور حسب ارشاد آنحضرت صلعم آپ کی کنیت ابوالحسن و ابو تراب قرار پائی۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مبارک فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے۔ اور آپ پہلی ہاشمیہ ہیں کہ بنی ہاشم میں منسوب ہوئیں اسلام سے مشرف ہوئیں اور ہجرت فرمائی۔ جناب علی علیہ السلام آن حضرت صلعم کے حقیقی عم زاد برادر اور داماد تھے جناب سیدہ آپ کی زوجہ محترمہ ہیں۔ قد شریف میانہ بمائل بہ پستی تھا۔ سینہ بھرا ہوا۔ بازو نہایت کشادہ اور قوی تھے۔ رنگ ملیح بھنی باریک اور پیشانی کشادہ خود بکثرت استعمال کرنے کے باعث سر مبارک کے بال کسی قدر صاف ہو گئے تھے (تاریخ الخلفا) اور بقول صاحب تاریخ خمیس چہرۂ انور بدر کامل کی طرح تابان تھا۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ جبین مبارک پر زخموں کے دو نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ (سیرۃ النبی)۔

آپ کے متعلق عقیدہ شیعہ یہ ہے کہ آپ خلیفہ رسول اللہ بلا فصل ہیں اور امت محمدیؐ میں سب سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ آپ کے متعلق یہ ہے کہ آپ آنحضرت صلعم کے چوتھے خلیفہ منصوص و برحق ہیں۔ آنجناب کے محامد و مناقب اس قدر کثیر ہیں کہ ہماری اس مختصر کتاب میں کسی طرح بھی ان کی تحریر کا کوئی حق ادا نہیں کیا جا سکتا ہے جس ذات گرامی کے متعلق امام حنبل و دیگر اکابر فرماتے ہیں کہ ماجاء لاحد من الفضائل ماجاء لعلی کرم اللہ وجہہ یعنی آنجناب کے فضائل و محامد جس قدر ہیں کسی دوسرے کے نہیں ہیں (ازالۃ الخفا و صواعق محرقہ و تاریخ الخلفا وغیرہ)۔ ہم حیران ہیں کہ کس طرح منقبت نگاری کا حق اپنی مختصر نویسی کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں۔ جس کی مدح و منقبت کے لئے دفتر ناکافی ہوں اس مختصر کتاب میں بطور ضمنی بحث کے کس طرح اس مبارک فرض کو کما حقہٗ ادا کیا جا سکتا ہے محض تبرکاً آنجناب کے محامد و فضائل میں سے جستہ جستہ ازالۃ الخفا و مدارج النبوۃ و سیرۃ النبی وغیرہ کتب معتبرہ سے یہاں لکھا جاتا ہے اور بس خود کلام الٰہی جس کی مدح میں ناطق ہو اس کی ثنا و صفت بیان کرنے کے لئے ہم کیا اور ہمارا قلم کیا۔ عارف کلام خداوند جبار سرگروہ اخیار نخبتہ الابرار حضرت فریدالدین عطارؒ فرماتے ہیں۔

خواجہ حق پیشوائے راستین	کوہ حلم و بحر علم و قطب دین
ساقی کوثر امام رہنمائے	ابن عم مصطفےٰ شیر خدائے

مرتضیٰ و مجتبیٰ زوج بتول　　　خواجہ معصوم داماد رسول
مقتدائے دین باستحقاق اوست　　　مفتی مطلق علی الاطلاق اوست

آپ کے کثیر المناقب اور رفیع المنزلت ہونے کے متعلق عارف باللہ آیت من آیات اللہ مولنا شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) جس قدر حضرت علی مرتضیٰ کے فضائل مروی ہیں اتنے کسی صحابی کے فضائل مروی نہیں ہیں۔ اور یہ بات دو وجوہ سے ہے ایک یہ کہ سوابق اسلامیہ میں آپ کا قدم راسخ تھا جس کا حال ہم نے بقدر امکان بیان کیا۔ دوسرے آں حضرت صلعم سے آپ کی قرابت کیونکہ جناب رسول صلعم سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے اور حقوق قرابت کے پہچاننے والے تھے۔ پھر خوش قسمتی سے آپ کی تربیت بھی رسول خدا صلعم کے کنار عاطفت میں ہوی اس لئے رشتہ دوبالا ہوگیا اور زیادہ کرامت کے مستحق ہوگئے۔ مزید براں جب آپ کا عقد حضرت فاطمہ سے ہوا عنایت بے غایت آپ کے شامل حال ہوی (از الۃ الخفا)

بقول امام نسائی وابو علی نیشاپوری وغیرہ باسانید حسنہ جس قدر حدیثیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں ہیں کسی دوسرے کے حق میں نہیں ہیں۔

عفیف کہتا ہے کہ ہم مال خریدنے کی غرض سے کہ معظمہ پہنچے اور حضرت عباسؓ کے مکان پر مہمان ہوے۔ ہم نے دیکھا کہ حرم میں ایک جوان آیا اور اس کے بعد ایک لڑکا اور عورت داخل ہوے اور ان تینوں نے نماز پڑہی۔ ہم نے حضرت عباسؓ سے پوچھا کہ یہ کون ہیں اور کیا کرتے ہیں حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ اس جوان کا نام محمدؐ ہے جو میرا بھتیجا ہے۔ اور یہ لڑکا میرا بھتیجا علیؓ ہے اور یہ خدیجہ زوجہ محمدؐ ہے۔ یہ اس خیال میں ہیں کہ بموجب حکم خدا ایسا کر رہے ہیں اور خدا کی قسم دنیا بھر میں اس دین پر سوائے ان تین کے

اور کوئی نہیں ہے (تاریخ طبری وخصائص نسائی) نیز تاریخ طبری جلد دوم میں مرقوم ہے کہ آنحضرت صلعم نے بروز دوشنبہ اعلان نبوت کیا (اور دوسرے ہی دن) سہ شنبہ کو حضرت علیؑ نے آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ علیؑ پہلے شخص ہیں جو خدیجہؓ کے بعد مسلمان ہوئے (ازالۃ الخفا)

الغرض تمام ارباب سیر وتاریخ وجملہ علمائے دین اس پر متفق ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سابق بالایمان ہیں اور سبقت فی الایمان بلاشبہ ایک مرتبہ عظیم ہے۔ خود کلام الٰہی ناطق ہے کہ "السابقون السابقون اولئك هم المقربون"۔ خلیفہ مامون الرشید نے ایک بار قاضی یحییٰ ابن اکثم سے جو اُس زمانے میں سب سے بڑے عالم خیال کئے جاتے تھے دریافت کیا کہ سب سے پہلے آنحضرت پر ایمان کون لایا۔ قاضی یحییٰ نے جواب دیا کہ حضرت علیؑ سب سے اول ایمان لائے مگر وہ کمسن تھے اور اس عمر کا ایمان لائق اعتبار نہیں۔ مامون نے اس کا یہ جواب دیا کہ حضرت علیؑ کا ایمان تین حالتوں سے خالی نہیں۔ اول یہ کہ کمسنی میں جناب علیؑ نے وحدت باری تعالیٰ اور رسالت کی تصدیق کی پس وہ ان لوگوں سے عقل وفہم میں بڑھے رہے جن کی عمر زیادہ تھی بڑی عمر والے دیکھتے اور سنتے رہے مگر افسوس کہ ایمان سے مشرف نہ ہوئے دوم یہ کہ آنحضرت نے جناب مرتضیٰ کی عقل وفراست کا اندازہ اچھی طرح کر لینے کے بعد ہی دعوت اسلام آپ کو دی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ محض بے عقلی کی حالت میں کس طرح اس دعوت کا اہتمام کیا جاتا۔ یقیناً آنحضرت صلعم کو جناب علیؑ کے ذی عقل و ذی فہم ہونے کا اندازہ اچھی طرح تھا۔ سوم یہ کہ اگر منجانب اللہ جناب علیؑ کو ایمان لانے کا حکم ہوا تھا تو زہے نصیب اس جناب ولایت مآب کے کہ یہ بھی خاصان خدا کی ایک خاص نشانی ہے یہ واقعہ تاریخ ابن خلکان اور ذہبی کی کتاب العبر وغیرہ میں درج ہے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ :- (آپ پر کمسنی ہی میں خدا کی عنایت شامل حال ہوی اور رسول اللہ خدا صلعم نے اپنی کفالت میں لے لیا اور آپ نے بلوغ سے قبل اسلام قبول کیا اور رسول صلعم کے ساتھ نماز پڑھنے لگے) روایت ہے حضرت سلمانؓ سے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ تم میں سب سے پہلے میرے پاس جو حوض پر وارد ہونے والے اور تم میں سے پہلے جو مسلمان ہونے والے ہیں علیؓ ہیں نیز زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ جو سب میں پہلے ایمان لایا وہ علیؓ ہیں اسی طرح دیلمی نے عائشہؓ سے اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا السبق ثلٰثۃ فالسابق الی موسیٰ یوشع بن نون والسابق الی عیسیٰ صاحب آل یٰسٓ والسابق الی محمد علیؓ ابن ابی طالب۔ سبقت کرنے والے تین شخص ہیں۔ موسیٰ کی طرف سبقت کرنے والے یوشع بن نون۔ عیسیٰ کی جانب صاحب آل یٰسین اور محمدؐ کی طرف علی بن ابی طالب۔

بہر حال آپ کی سبقت ایمانی ہر طرح مسلم ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ سبقت فی الہجرۃ سبقت فی الجہاد بھی علی التواتر مسلم ہے اور حق الیقین کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ آپ اسی جماعت کے فرد ہیں جن کے متعلق کلام الٰہی میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کے الفاظ آئے ہیں۔ صاحب تفسیر درّ منثور لکھتے ہیں کہ عباسؓ اور طلحہ بن شیبہ نے ایک دوسرے کے مقابل مفاخرہ کیا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے متعلق سقایۃ الحاج کا منصب ہے اس لئے تم سے افضل ہوں۔ اس کے جواب میں طلحہ نے کہا کہ میں کعبہ کا کلید بردار ہوں لہٰذا تم سے افضل ہوں۔ حضرت علیؓ وہاں تشریف لائے تو فرمایا کہ میں تم دونوں سے افضل ہوں کیونکہ میں نے سب سے اول رسول صلعم کے ساتھ نماز پڑھی اور ایمان لایا اور جہاد کیا اس کے بعد یہ تینوں اصحاب رسول صلعم کی خدمت میں حاضر ہوے اور یہ معاملہ پیش ہوا تو آیہ کریمہ اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام...... الخ بحق جناب

امیر نازل ہوئی (تفسیر در منثور جلد ۳ نیز ملاحظہ ہوں جامع الاصول وسنن نسائی وفضائل الصحابہ وغیرہ) حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تفصیل جناب امیر علیہ السلام کی سوابق اسلامیہ کا ذکر ازالۃ الخفا میں کیا ہے اور وہ احادیث بھی نقل فرمائی ہیں جو متواترات سے بحق جناب امیرؑ تسلیم شدہ ہیں۔

یہ شرف تمام بنی ہاشم میں صرف جناب امیرؓ ہی کے حصہ میں آیا کہ جناب رسول کریمؐ کی جگر گوشہ فاطمہ زہراؓ آپ کی حرم محترم ہوئیں اور جناب رسول کریمؐ کی نسل صلب علی اور بطن مطہرہ فاطمہ سے چلی۔ کما قال النبی صلعم ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب علیؓ اس نکاح کا ذکر مجملاً جناب سیدہؑ کے حالات میں کیا گیا ہے۔

جناب رسول کریم صلعم نے ارشاد فرمایا ہے۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا (ترمذی وصواعق محرقہ وازالۃ الخفا وتاریخ الخلفا وغیرہ)۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ۔ بے شک یہ ایک شرف عظیم ہے جس سے جناب امیرؑ مشرف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ جو فقیہ امت اور ترجمان قرآن مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو خدا سے علم ملا اور جناب امیرؑ کو رسول خدا صلعم سے علم ملا اور مجھے حضرت علیؓ سے ملا۔ میرا اور تمام صحابہ رسول کا مجموعی علم بمقابلہ حضرت علیؓ کے علم کے ایک قطرہ ہے بمقابلہ قلزم کے سامنے (ینابیع المودۃ) یہی روایت علامہ نقاش نے بھی اپنی تفسیر میں نقل فرمائی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ روایت ابن عباسؓ ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم علیؓ کو علم کے نو حصے حاصل ہیں اور دسویں حصہ میں تمام لوگ ان کے شریک ہیں تمام اکابر صوفیہ وعلما جناب امیرؑ کو سرچشمہ علوم باطن اور منبع علوم عرفان الٰہی مانتے آئے ہیں ہم کہاں تک

ان بیانات کی تائید میں منقولات پیش کر سکتے ہیں ہزار ہا نظم و نثر کی کتابیں اکابر علما و صوفیا کی لکھی ہوئی موجود ہیں۔ اگر ان کتابوں کے صرف نام ہی نقل کئے جائیں تو کافی جگہ کی ضرورت ہے۔ عارف جام حضرت مولنا جامی قدس سرہ السامی جناب مولا علی کی منقبت میں تحریر فرماتے ہیں۔ ؎

زہے علم تو اسرار الٰہی — از و ظاہر شدہ اسما کماہی
توئی شرح معمائے حقائق — توئی شمع شبستان دقائق
کلام حق بود تفسیر علمت — حدیث مصطفیٰ تقریر علمت
ز علمت بود تا علم پیمبر — تفاوت آن قدر کز شہر تا در
بگردد از تو کس گر اول آگاہ — باسرار پیمبر کے برد راہ
بیا ساقی مئی زور آورم دہ — بآں ساقی کوثر بر رقم دہ
برآرم تا زباں چوں ذوالفقارے — نمایم با خوارج کارزارے
علی را با نبی یک نور خوانم — فروغ ماہ را از مہر دانم
چو من گر بندۂ آل علی را — بداں مولای ہر مولا علی را
بحمد اللہ دلم گردید آگاہ — ز رمزہ نسخۂ من کنت مولاہ
از و چوں لشکر دین را قوی پشت — بلے آید ز بازو زور بر مشت
ز برق آفتاب ذوالفقارش — سواد کفر شب شد ز روزگارش
چو مہر افراشت ہر جا رائت فتح — نمودش جوہر تیغ آیت فتح
نہ منکر جو توحید خدا را — یکے دان پنجتن آل عبا را
ازاں چوں پنجہ خورشید تاباں — برآورد ند سر از یک گریباں

سپہر دوش احمد را چو خورشید | از آں پنجۂ آں پائی بوسید
کہ یعنی نیست فرق از پائی تا فرق | علی را از نبی چون نور از شرق
ز اجزائے تو طب یک نسخہ باشد | نجوم از دفترت یک صفحہ باشد
بود منطق ز نطقت یک مقالہ | ملول از بیانت یک رسالہ
ہدایہ از فروعت چیست فصلی | اصولت را بود توضیح اصلے
دلے کز مہر تو مہرش زد سر | زر قلبی است در بازار محشر
لبے گرو اکنم ذکرم تو باشی | سرے گرو اکشم فکرم تو باشی
تو بودی از شجاعت حامی دین | تو بودی از ولایت والی دین
ز تو گر ذرہ ام امداد یابد | تواند پنجہ خورشید تابد
چو یوسف تا بخوابم رخ نمودی | بیک نظارہ ام خود دل ربودی
ازآں دم چوں زلیخا بیقرارم | گہے ہشیار گہ بے اختیارم
دماغم نشاۃ جام دگر یافت | زبانم لذت کام دگر یافت
سبق ناخواندہ جہلم علم گردید | خیالم چوں گہر در نظم پیچید
ز اسرار حقائق گشتم آگاہ | برآمد یوسف او راکم از چاہ
کنوں در مصر دانائی عزیزم | بر اورنگ سخن صاحب تمیزم
بحکمت حاذقم در شعر ناظم | اگر بودے مرا گشتی ملازم
غلام مصطفیٰ ام چوں نہ گشتی | سگ شیر خدایم چوں نگشتی

اسی پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اکابر صوفیہ نے جناب مولا علیؑ کی مدح و منقبت میں کیا کیا در فشانی فرمائی ہے اور اسی جماعت میں وہ ہیں جن کے متعلق مولانا جامی

فرماتے ہیں:۔ ؎ نیست پیغمبر ولے دارد کتاب۔ یعنی مولانا رومیؒ اور اسی جماعت میں وہ ہیں جن کے متعلق مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎ ہفت شہر عشق را عطار گشت۔ ما ہماں اندر خم یک کوچہ ایم۔

اور انہیں میں فخر صوفیاء کرام جناب شمس تبریزؒ اور دیگر اجلہ صوفیائے کبار و فقہائے نامدار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ جن کے نام بغیر عاد تحیۃ کے زبان پر لانا بھی سوء ادب سمجھا جاتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو آخر یہ تشنگان معرفت الہٰی کس سرچشمہ سے سیراب ہوئے ہیں یہ سب تو اسی آستانہ کے خادم اور اسی گلشن ولایت کے خوشہ چین ہیں۔ خود جناب مخدوم زمین و زمان سرور عالم و عالمیان سیدنا و سید الکل ہادی سبل مرشد برحق و امام مطلق حضرت محمد مصطفی صلعم اپنے اس فخر خاندان بھائی کے متعلق فرماتے ہیں کہ بار الہا تو حق کو اس طرف پھرا جس طرف علیؑ پھریں (تفسیر کبیر رازی و شرح ابن ابی الحدید و مناقب ابن مردویہ و مناقب خوارزمی و ازالۃ الخفاء و ترمذی وغیرہ) کلام کی بلاغت اور اس کے معنی کی لطافت کی شرح بیان کرتے ہوئے عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔ واذا تمت العصمۃ کانت افاعیلہ کلھا حقۃ لا اقول انھا تطابق الحق بل ھو الحق بعینھا بل الحق امر ینعکس من تلک الافاعیل کالضوء من الشمس و اشار الیہ رسول اللہ حیث دعا اللہ تعالیٰ لعلی اللھم ادر الحق معہ حیث ما دار و لم یقل ادرہ حیث ما دار الحق (تفہیمات الھٰیہ)

اللہ اللہ کیا درجہ ہے اس عالی مقام کا کہ اسے حق کے تابع کرنے کے لیے دعا نہیں فرمائی بلکہ حق کو اس کے تابع رہنے کے لیے درگاہ ایزدی میں التماس کیا بے شک یہ ایک فوز عظیم ہے جو اللہ کے اس نیک بندے کے لیے مخصوص ہوا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ علیؓ کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے (ینابیع المودۃ) یہی حدیث بروایت عبداللہ بن مسعود ازالۃ الخفا وغیرہ میں بھی درج ہے نیز دیلمی نے حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ خیر اخوتی علی وخیر اعمامی حمزہ و ذکر علیؓ عبادۃ۔ یعنی میرا بہترین بھائی علی ہے اور بہترین چچا حمزہ ہیں اور علیؓ کا ذکر عبادت ہے۔ وللہ در ما قال۔ خاصان خدا خدا نباشد۔ لیکن ز خدا جدا نباشد۔

حضرت شاہ ولی اللہ رح ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں۔

متواترات میں سے ہے کہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ

یہ حدیث سعد بن ابی وقاص اسماء بنت عمیس عبداللہ بن عباس وغیرہم سے مروی ہے۔

متواترات میں سے ہے کہ انا من علی وعلی منی اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ۔ زید بن ارقم۔ بریدہ۔ عمران بن حصین عمرو بن شاش وغیرہم نے اس کی روایت کی ہے۔

متواترات میں سے ہے کہ جب آیہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (یعنے اے اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کو دور کرے اور تم کو خوب پاک کر دے) نازل ہوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چار شخصوں کو بلوایا۔ یہ حدیث سعد ام سلمہ۔ واثلہ۔ عبداللہ بن جعفر۔ انس بن مالک سے مروی ہے۔

متواترات میں سے ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فتح خیبر کے دن

نشان دیا اور فرمایا۔ لاعطین الرایت رجلا یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ۔ اس کی روایت عمر۔ علی۔ سعد۔ ابو ہریرہ۔ سہل بن سعد۔ سلمہ بن اکوع وغیرہم نے کی ہے۔ (ترجمہ ازالۃ الخفا)۔

اسی طرح یوم مباہلہ جناب امیرؑ کو جو شرف مخصوص حاصل ہوا۔ وہ بھی سب کا متفقہ ہے۔ اکابر محدثین و مفسرین چہ شیعہ و چہ سُنی اس پر متفق ہیں کہ عیسائیان نجران کے مقابل آنحضرت صلعم اپنے ہمراہ حسین و فاطمہ و علی علیہم السلام کو لے گئے۔ حسب صراحت مفسرین ابناءنا و نساءنا و انفسنا میں جناب رسول کریم صلعم کی طرف سے علی الترتیب حسنین و فاطمہؑ و علی پیش ہوئے۔ آنحضرت صلعم کے دیگر اقربا بھی موجود تھے مگر یہ شرف کسی دوسرے رشتہ دار کو حاصل نہیں ہوا۔ اور کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلعم کے اس عمل سے جناب علی نفس پیغمبر قرار پاتے ہیں۔ اس کی تائید مودۃ القربیٰ کے حکم ربانی سے بھی ہوتی ہے اکابر مفسرین مثلاً صاحب کشاف علامہ جاراللہ زمخشری و صاحب تفسیر مدارک و بیضاوی و خازن و طبری وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اقربائے آنحضرت جن کی مودت مسلمانوں پر فرض ہے یہی چار تن نامدار علیہم السلام ہیں۔ اور اس شرف میں آنحضرت کے دیگر اقربا میں سے ان کا کوئی شریک نہیں ہے۔

پھر ایک وہ فضیلت ہے جو جناب علیؑ کو بمقام غدیر خم حاصل ہوئی۔ ہزارہا معتبر کتابوں میں اس کا ذکر تواتر سے موجود ہے مشکواۃ شریف میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ جب آنحضرت صلعم مقام خم پر وارد ہوئی تو جناب علیؑ کا آپ نے ہاتھ پکڑا اور مجمع صحابہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ کیا میں تمہاری جانوں سے اولیٰ ہوں صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کیا میں ہر مومن کی جان سے اولیٰ ہوں صحابہ نے جواب دیا

کہ ہاں یا رسول اللہ پھر فرمایا کہ بار خدایا جس کا میں مولیٰ ہوں اس کا علی بھی مولیٰ ہے۔ الٰہی دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ تو اس کو جو علی سے دشمنی رکھے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کو اس سرفرازی پر ہدیہ تہنیت پیش کیا۔ بے شک یہ ایک بہت بڑی سرفرازی ہے جسے اکابر امت متواتر نقل کرتے چلے آتے ہیں۔ اسی طرح عقد مواخاۃ کے دن جناب علی علیہ السلام سے آنحضرت نے فرمایا کہ اے علی تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے حضور صلعم نے نکاح جناب سیدہ کے موقع پر جناب سیدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں افضل ترین شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے (اصابہ و طبقات ابن سعد و سیرۃ النبی صفحہ ۹۳۳ جلد اول)۔

اب ہم یہاں جناب شاہ مرداں شیر یزداں اسد اللہ الغالب کے بعض وہ حالات تحریر کرتے ہیں جو میدان جنگ سے متعلق ہیں جہاد و قتال فی سبیل اللہ ایک ایسا شرف عزیز و جلیل ہے جس کے اظہار کے لیے خود کلام الٰہی جا بجا ناطق ہے۔ جن لوگوں نے ان خدمات حربی کو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں انجام دیا ہے ان کے لیے کلام اللہ میں اولئك اعظمُ درجة عند الله کی خوشخبری درج ہے۔ نیز فرمایا جناب باری تعالیٰ نے لهم مغفرة و اجر عظيم۔ مقتولین فی سبیل اللہ کے لیے فرمایا بل احياء عند ربهم۔ اسی طرح بے شمار فضائل مجاہدین و شہدائے اسلام کے کلام اللہ میں درج ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ابتدائی زمانہ اسلام پر نہایت سختی و ابتلا کا تھا جن لوگوں نے دامے درمے قدمے سخنے اسلام کی نصرت فرمائی۔ ان کے مراتب عالیہ کا بیان جا بجا کلام اللہ میں مرقوم ہے اور ان سب قربانیوں میں سب سے بڑھکر جان کی قربانی تھی اور اس سے بڑھکر اور کیا قربانی ہو سکتی تھی کہ فدائیان رسول نے حفاظت

دین متین کے لیے جس کی حالت بظاہر اس وقت بہت کمزور تھی اپنی عزیز جانوں کو ہلاکت میں ڈالا سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا خداوند عالم فرماتا ہے ۔ لقد نصرکم اللہ ببدر و انتم اذلہ اللہ اللہ وہ بھی کیا منظر تھا کہ مسلمانوں کی قلیل جماعت کے مقابل ایک عظیم الشان لشکر صف بستہ آمادہ پیکار تھا حضور سرور کائنات صلعم سے اگرچہ فتح و نصرت کا وعدہ ربانی ہوچکا تھا ۔ تاہم قلیل و کثیر کے مقابلہ کے لحاظ سے آپ بھی بنفس نفیس صف بندی میں مصروف تھے یہ وہی منظر ہے جس کا ذکر کلام اللہ میں ان الفاظ میں ہے ۔

قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ و اخری کافرۃ ۔

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں :-

یہ عجیب منظر تھا اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلعم پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی ۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے ۔ خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی ۔ کبھی سجدہ میں گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدایا اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو پوجا نہ جائے گا ۔ (سیرۃ النبی) ۔

اس کے بعد مولانا شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں :-

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا مہجع حضرت عمر کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا ۔

عتبہ جو سردار لشکر تھا ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا سب سے پہلے وہی بھائی اور

بیٹے کو لیکر میدان میں نکلا اور مبارزطلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگاکر میدان میں جاتے تھے۔ عتبہ کے سینے پر شتر مرغ کے پر تھے۔ عوف معاذ۔ عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے۔ عتبہ نے نام و نسب پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہیں پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کرکے پکارا کہ محمد یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہ علی عبیدہ میدان میں آئے چونکہ ان لوگوں کے چہروں پر نقاب تھی عتبہ نے پوچھا تم کون ہو سب نے نام و نسب بتائے عتبہ نے کہا ہاں اب ہمارا جوڑ ہے۔

عتبہ حضرت حمزہ اور ولید حضرت علی سے مقابل ہوا اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کیا۔ حضرت علی نے بڑھکر شیبہ کو قتل کردیا اور عبیدہ کو کندھے پر اٹھاکر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے عبیدہ نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟ آپ نے فرمایا "نہیں تم نے شہادت پائی" عبیدہ نے کہا آج ابوطالب زندہ رہتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا حق میں ہوں

ونسلمہ حتی نصرع حولہ   ونذھل عن ابناءنا والحلائل

یعنی ہم محمد کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مرجائیں گے اور ہم محمد کے لیے اپنے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جاتے ہیں۔

حضرت مولنا شاہ عبدالحق صاحب دہلوی اسی معرکہ کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:—

پس اول کسے کہ از لشکر کفار بیرون آمد عتبہ و شیبہ ابن ربیعہ و ولید بن عتبہ بودند

ومبارز طلبیدند واز لشکر مسلمانان نیز سه کس برآمدند عوف ومعاذ پسران حارث وعبداللہ بن رواحہ کفار پرسیدند شما چہ کسانید گفتند ما قومی از انصاریم گفتند مارا باشما کارے نیست ما ابناء اعمام خود را میخواہیم ویکی از ایشان نداکرد یا محمد بیرون آر اکفاء مارا از قوم ما پس فرمود عبیدہ بن الحارث وحمزہ وعلی برخیزید وبا ایشان مبارزت نمائید پس آن ہر سہ برآمدند ودرمیان درآمدند پس گفتند شما اکفاء کرامید پس مبارزت کرد عبیدہ واسن قوم بود وعمر وی از ہشتاد گزشتہ بعتبہ مبارزت کرد وحمزہ بہ شیبہ ودر روایتی بعکس آمدہ ومبارزت کرد علی بولید بن عتبہ پس کشت علی ولید را وقتل کرد حمزہ مبارز خود را ودر افتادند عبیدہ ومبارز او بہ دو ضرب پس واقع شد ضربہ در زانوی عبیدہ ومیل کردند حمزہ وعلی نیز مبارز عبیدہ را واعانت کردند اورا بر قتل وی وبرداشتہ آوردند وعبیدہ را نزد آنحضرت ومیرخیت مغز از ساق وی گفت یا رسول اللہ من شہید نیستم فرمود بلے تو شہیدی! (مدارج النبوۃ)

اللہ اللہ مجاہدین بدر کے مقامات عالیہ یہ وہ دن تھا کہ کفر واسلام وحق وباطل کا پہلی بار کھلے میدان میں مقابلہ ہوا ان مجاہدین فی سبیل اللہ کے کارنامے قیامت تک روشن رہیں گے جن کی مدح ومنقبت کا کلام اللہ میں جا بجا ذکر ہے۔ حدیث شریف ہے کہ ان اللہ قد اطلع علٰے اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم وفی روایۃ فقد وجبت لکم الجنۃ) حضور کا ارشاد ہے کہ اہل بدر افضل ترین مسلماناں ہیں اسی طرح وہ ملائکہ جو لشکر اسلام میں بدر میں شریک تھے افضل ملائکہ ہیں چونکہ یہاں جناب علیؓ کے حالات تحریر کئے جا رہے ہیں غزوہ بدر و دیگر غزوات کا حال صرف اسی قدر تحریر ہوگا جو آنجناب کی حد تک ہے تمام حالات جنگ کا از اول تا آخر بیان کرنا ہمارے اس مضمون کی حدود

سے باہر ہے۔

اس کے بعد احد کا معرکہ درپیش ہوا جس میں جان نثاران رسول وفدائیان اسلام نے وہ خدمات انجام دین جو زرین حروف میں تاریخ اسلام میں درج ہیں مولٰنا شاہ عبدالحق صاحب محدث معرکہ احد کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

چون لشکر اسلام باحد رسید جانبین صف بستند و مسلمانان احد صف بستند و آن شور بختان بشورستانی کہ در آنجا است و آنحضرت خود صفوف صحابہ را راست می کرد و چنان کرد کہ احد در قفا و مدینہ در مقابل وی آمد و آنجا ست کہ آن را عینین گویند بصیغہ تثنیہ و بلفظ جمع نیز می گویند بسیار واقع شد و کوہ عینین شگافی داشت کہ محل خطر بود کہ دشمنان کمین کنند و از آنجا بر سر لشکر اسلام افتند۔ عبداللہ بن جبیر را با پنجاہ تیر انداز تعین کرد تا آن راہ را نگاہ دارند و نگذارند کہ از آن راہ کفار بر لشکر اسلام در آیند و تیرباران کنند و ایشان را وصیت کرد کہ بہیچ حال از جای خود نجنبند خواہ مسلمانان غالب شوند یا مغلوب و مبالغہ کرد کہ اگر بینید کہ ما را طیور ربودند از جای خود نروید تا بفرستیم کسی را نزد شما و اگر دیدید کہ ہزیمت دادیم قوم را ہم نجنبند و اگر کشتند ما را قوم نجنبند و عکاشہ بن محصن اسدی را بر میمنہ و ابو سلمہ بن عبداللہ مخزومی را بر میسرہ و ابو عبیدہ بن الجراح و سعد بن ابی وقاص را بر مقدمہ و مقداد بن عمر را بر ساقہ داشت و مشرکان نیز صفوف خود را راست کردند۔ خالد بن ولید را در میمنہ و عکرمہ بن ابی جہل را بر میسرہ و ابو سفیان را در قلب تعین کردند و صفوان بن امیہ و بردوایتی عمرو بن العاص را باتباع در برابر رخنہ کوہ داشتند و عبداللہ بن ربیعہ را بر تیر اندازن امیر کردند ولوا طلحہ بن ابی طلحہ دادند کہ او را کبش کتیبہ می خواندند و آوردہ اندکہ شمشیر در دست مبارک

آنحضرت بود صلی الله علیه وسلم ومکتوب بود بروی این شعر ۔

فی الجبن عار وفی الاقبال مکرمة   والمرء بالجبن لا ینجو من القدر

فرمود کیست که این سیف را بگیرد وحق آن ادا کند پس مردان برای گرفتن آن
بایستادند پس نگاه داشت آنحضرت شمشیر را از ایشان پس بایستاد ابودجانه وگفت
چیست حق این یا رسول الله فرمود حق این آنست که بزنی آنرا در روی دشمن تا منحنی
شود وکج گردد وگفت ابودجانه من میگیرم این را بحق وی یا رسول الله پس داد آنحضرت
آنرا بوی وبود ابودجانه مردی شجاع که میخرامید در جنگ وجلوه می کرد و چون آنحضرت
دید او را در تبختر باین صفت وحال فرمود این رفتاری است که دشمن میدارد آنرا
خدای تعالی مگر درین موطن پس در آمد ابودجانه وبست سر خود را بعصابه سرخی که
داشت ودر آمد در معرکه وگویند که چون وی عصابهٔ سرخ بر سر بستی جنگ سخت
کردی وپیش نیامد هیچ مشرک مگر آن که کشت او را تا رسید در سفح جبل هند زوجه ابی
سفیان وی با جماعه از زنان رجزها می خواندند ودف میزدند وبر کشتگان بدر نوحه
میکردند شمشیرے بر آورد تا بر هند زند باز دست خود را نگاه داشت وگفت این شمشیر
از آن گرامی ست که بخون این زن آلوده کنم پس جنگ از جانبین در گرفت و
گویند اول کسے که از لشکر کفار بروی لشکر اسلام تیر انداخت ابوعامر فاسق بود او را
ابوعامر راهب نیز گویند که با پنجاه کس از قوم خود آمد وبانگ زد وگفت منم ابو
عامر لعنت الله علیه گفتند مسلمانان لا مرحبا بک ولا اهلا یا فاسق پس با قوم خود تیراندازی
کرد وبا وی غلامی چند بودند از قریش که بر لشکر اسلام سنگ می انداختند مسلمانان نیز بران
جماعت تیر وسنگ می انداختند تا گریخت آن فاسق با یاران خود واین بدبخت پیش

از ظهور نور نبوت خبر میداد از احوال شریف انحضرت و بعثت وی و بعد از بعثت انکار کرد و برگشت
از قول خود و جدال کرد با انحضرت صلعم و تمام قصه وی در باب بشارت و اخبار که در کتب سابقه
و امم ماضیه ببعثت آنحضرت واقع شده گذشته است بعد از ان طلحه بن ابی طلحه که صاحب لوا از قریش
بود بر آمد و فریاد و مبارز خواست شیر بیشه هیجا دهر بر میدان وغا علی مرتضی رضی الله عنه و کرم الله
وجهه در میدان رفت و مبارزت نمود و تیغی بر سر وی زد که تا مغز سرش شکافته شد و باز گشت و
بصف خویش آمد یاران گفتند که چرا کار طلحه تمام نساختی جواب داد که چون وی بیفتاد عورتش ظاهر شد
و مرا سوگند داد که از و درگذرم شرم داشتم که دیگر تعرض بوی کنم و دانستم که عنقریب هلاک خواهد شد
و در بعضی روایات آمده مصعب بن عمیر او را کشت و کیش کتیبه که پیغمبر صلی الله علیه و سلم کشتن او را در خواب
دیده بود وی بود چنانچه گذشت بعد از ان مومنان بر مشرکان بیا پی حملها آوردند
که صفهای کفار را در شکستند بعد از ان در آمد حمزه بن عبد المطلب و کشت عثمان بن
ابی طلحه را که علم کفار بر داشته بود و تیغی بر میان هر دو شانه وی زد که یکدست و شانه اش
بینداخت و شش او ظاهر شد و باز گشت حمزه و میگفت انا ابن ساقی الحجیج من پسر آب
دهنده حاجیانم عبارت از عبد المطلب داشت که سقایه حرم حواله او بود بعد از ان
ابو سعید بن ابی طلحه علم کافران بر داشت چون او را سعد بن ابی وقاص بر داشت
و میگویند که جماعه زیاده از ده کس علمهای مشرکان بر داشتند تا آنکه زنی که نامش
عمره بود دختر علقمه حارثیه علمدار قریش شد و همه کشته شدند و هر که از لشکر ایشان
سر بر آورد سرنگون افتاد بعد از آن مومنان بیکبار بر اعدا متنفر گشتند و حمله آوردند
مشرکان از میدان باز گشتند و هزیمت خوردند مغنیات که سرود میگفتند بجائے سرود ،
نوحه و فریاد و واویلا میکردند و دف ها را از دست بینداختند و دامن جامهای

خود را برداشتند چنانکه ساقها و خلخالها می‌نمود و بجانب کوه میگریختند خالد بن الولید
با جمعی از مشرکان خواست تا از شگاف کوه از عقب لشکر اسلام درآید تیراندازان
که ایشان را بر شگاف کوه گذاشته بودند بزخم تیر او را بازگردانیدند و خالد چند
نوبت این داعیه کرد و نتوانست کار کرد عاقبت بازگشت و هنوز در کمین بود
القصه مسلمانان بر لشکر کفار غالب آمدند و کافران روی بهزیمت نهادند و فتح و
نصرت بجانب اسلام و هزیمت و خیبت بجانب کفر مقرر شد ناگاه چشم زخمی بجمال شاهد
اقبال رسید و آن چنان بود که چون جماعه تیراندازان دیدند که لشکر کفار روی بهزیمت
نهادند و مسلمانان بغنیمت گرفتن مشغول شده نهب و غارت می نمایند ایشان نیز از
جای خود جنبیدند و بیصبری کردند عبد الله بن جبیر که امیر ایشان بود هرچند نصیحت
کرد و سخن آنحضرت را که بمبالغه و تاکید تمام در منع از جنبیدن و مرکز گذاشتن فرموده
بود بیاد ایشان داد سود نداشت و اکثر ایشان رفتند و بغارت و غنیمت مشغول
شدند او عبد الله بن جبیر با جماعه معدود که بده نمی کشید در جای خویش ماند و ثبات
قدم ورزید خالد بن ولید که چند نوبت قصد رخنه کرده بود تا از ان ممر بر لشکر اسلام
تاختن آورد هربار از هجوم تیرباران مبارزان خائب و خاسر بازگشته بود۔
هنوز مطلق مایوس نشده بود و در کمین گاه بود ترقب و منتظر فرصت و غفلت و
مساهلت مومنان می بودی و با عکرمه بن ابی جهل لعنه الله علیه و جمعی دیگر از مشرکان
بر سر عبد الله بتاخت و او را با یاران او که چند نفر معدود بودند شهید ساخته از
شگاف آن کوه بیرون رفتند و از عقب مسلمانان درآمدند و شمشیرها در نهادند
و بقتل اهل اسلام بازو کشادند و اضطراب عظیم در میان لشکر اهل اسلام پیدا شد و

ولشکر تمام از هم فرو ریخت و از غایت شوریدگی حال که با ایشان راه یافته بود بقتل
یکدیگر در افتادند و شعور بشعار نداشتند چنانچه گویند اسید بن حضیر رض دو زخم از مسلمانان
رسید و برابوبرده نیز دو زخم رسید چون بعرض حضرت رسانیدند فرمود هو فی سبیل الله و
یمان پدر حذیفه رض بدست مسلمانان مقتول شد هرچند حذیفه فریاد میکرد که ای بندگان
خدای این پدر منست و از جمله مسلمانان است بهیچ جا نرسید و او را کشتند پس گفت حذیفه
بیامرزد خدا تعالی شما را و رحمت کناد و همیشه بود در حذیفه خیر و دعا و استغفار مر قاتلان
پدرش را و چون این حکایت بحضرت رسید فرمود تا دیت یمان بدهید حذیفه دیت
گرفت و تصدق کرد آنرا بر مسلمانان پس اشرار غلبه کردند و اخیار همه گریختند و
بیکبار قضیه منعکس گشت کافران قدم در میدان جلادت نهاده بقتل اهل اسلام
مشغول شدند و بشومی بی فرمانی رسول خدا که از ان جماعت صادر گشت و طمع
و میل بطعام دنیاوی که با ایشان راه یافت شکست بر لشکر اسلام افتاد اِنا للهِ و
انا الیه راجعون ؕ و هنوز عنایت الهی جل و علا ازین مسلمانان منقطع نشد و
همه را بیامرزید تا معلوم گردد که با هر که نظر عنایت و قبول نمودند دیگر نمیرانند
و رد نمیکنند و اینهمه اثر ایمان بمحمد است صلعم و بطفیل اوست چنانچه منطوق کریمه

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعان انما استزلهم الشیطان
ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللهُ عنهم ان الله غفور رحیم۔۔۔۔

واگرچه مسلمانان متزلزل شدند و بیصبری کردند آنحضرت صلی الله علیه وسلم بر جای
خود ثابت و قائم بود و جز چهارده نفر هفت از مهاجرین و هفت از انصار با وی
کسی نماند از مهاجران ابوبکر صدیق و علی مرتضیٰ و عبدالرحمن بن عوف و سعد بن

ابی وقاص و زبیر بن العوام و طلحه بن عبد الله و ابو عبیده بن الجراح و از انصار
حباب بن المنذر و ابو دجانه و عاصم بن ثابت و سهل بن حنیف و اسید بن حضیر و سعد
بن معاذ و حارث بن صمه و در روضة الاحباب آورده که بعضی گویند محمد بن مسلمه نیز
از آنجمله بود .... دیگر صحابه نیز درین غزوه کارزارها کردند و حق محبت و
اخلاص بجا آوردند بشرف شهادت رسیدند و بعضی باقی ماندند و از علی مرتضیٰ کرم الله
وجهه مروی است که چون کفار بر مسلمانان غلبه کردند حضرت از نظر من غائب شدند
در کشتگان رفتم و تفحص کردم در میان کشتگان ندیدم با خود گفتم که گر حق تعالیٰ بواسطهٔ
فعل ما بر ما غضب کرده پیغمبر خویش را بآسمان برد گفتم بهتر از ان نیست که قتال کنم
تا کشته شوم شمشیر کشیدم و بر مشرکان حمله کردم و از هم پاشیدند ناگاه حضرت را دیدم که
بسلامت است دانستم که حق تعالیٰ او را بملائکه کرام خود محافظت نموده است منقول
است که چون مسلمانان روی به هزیمت آوردند و حضرت رسول خدا صلی الله علیه وسلم
تنها گذاشتند حضرت در غضب آمد و عرق پیشانی همایونش متقاطر گشت و مثال مروارید
دوید در آن حالت نظر کرد علی ابن ابی طالب را که بر پهلوی مبارکش ایستاده است
فرمود چون است که تو به برادران خود ملحق نگشتی علی گفت لا اکفر بعد الایمان
ان لی بک اسوة آیا کافر شوم بعد از ایمان بدرستی که مرا بتو اقتدا است یعنی مرا بشما
کار است با یاران و برادران که در پی غنیمت رفتند و هزیمت نمودند چه کار دارم
درین حین جمعی از کافران متوجه آنحضرت علیه السلام شدند فرمود ای علی مرا ازین جمع
نگهدار و حق خدمت نصرت بجا آر که وقت نصرت ست علی متوجه آن قوم شده دمار از
روزگار شان بر آورد و ایشان را متفرق گردانید و جمعی کثیر را بدوزخ فرستاد

وآمده است که دران زمان ملائکه نیز حاضر بودند جبرئیل ومیکائیل علیهما السلام بشکل
دو مرد جامه سفید بر یمین و یسار آنحضرت ایستاده بودند۔ و محافظت وی میکردند
وبا کفار محاربه می نمودند ومشهور آنست که محاربه ملائکه مخصوص بغزوهٔ بدرست و
درغیر آن حضور و امداد و اعانت ثابت است نه محاربه و مقاتله چنانکه ذکر این
معنی در غزوه بدر گذشت وگفتیم من و الله اعلم تواند که نزول ملائکه هزار بعد هزار بقتال
کفار مخصوص بیدر باشد اما ملازمت جبرئیلؑ ومیکائیلؑ که ملازمان خاص درگاه اند
در اینجا باشد ومحاربه کرده باشند منافات ندارد ومیگویند که چون علی مرتضی کرم الله
وجه این مردانگی کرد و نصرت داد جبرئیلؑ با نحضرتؐ فرمود که این کمال مواسات
جوانمردی است که علی مرتضی کرم الله وجه با توی برد آنحضرت فرمود انه منی وانا
منه یعنی بدرستی علی از من ست ومن از ویم کنایت است از کمال اتحاد واخلاص
ویگانگی وآمده است که چون آنحضرتؐ این کلمه فرمود جبرئیلؑ گفت وانا منکما من از
شما هر دو ام وگویند آوازی شنیدند که گوینده غیبی میگفت لافتی الا علی لاسیف
الا ذوالفقار........ وبالجمله علیؓ حق مبازرت ومحاربت وجلادت وشجاعت
بجای آورد که فوق آن تصور نتوان کرد روایت است از قیس که وی از پدرش
سعد روایت کرد که گفت از علی مرتضیؓ شنیدم که فرمود در روز احد شانزده
ضربه بمن رسید که در چهار ضربه از آن بر زمین افتادم و هر بار که می افتادم مردی
خوبروی خوشبوی باز و مرا سگرفت ومرا بپای کرد ومیگفت متوجه کافران شو که
تو در طاعت خدا و رسول وی هستی وایشان هر دو از تو راضی اند بعد از فراغ جنگ آن
واقعه را بحضرت رسالت عرض کردم آن سرور فرمود صلی الله علیه السلام که

تو او را می شناسی گفتم نے امادحیہ کلبیؓ مشابہ آنست فرمود ای علی خدا تعالیٰ چشم ترا روشن کناد آن جبرئیل بود علیہ السلام (مدارج النبوۃ)۔

مجاہدین و شہدائے احد کے فضائل بے شمار ہیں ہم کتنا ہی مختصر بیان کریں لیکن ناممکن ہے کہ اختصار قائم رہ سکے پس ہم آگے چل کر دیگر غزوات کا حال اور اس میں جناب علیؑ کی شرکت اور نصرت اسلامی کا ذکر نقل کرتے ہیں۔

معرکہ احد کے بعد ۵ھ ہجری میں خندق کا معرکہ درپیش ہوا۔ خندق کے گرد لشکر کفار نے نہایت سختی سے محاصرہ کر رکھا تھا جو ایک ماہ تک قائم رہا محصورین یعنی مسلمانوں پر نہایت سختیاں گذر رہی تھیں علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی میں کفار کے حملہ کا حال اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان خالد بن ولید۔ عمرو بن العاص ضرار بن الخطاب جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا۔ ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج لے کر لڑتا تھا خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا اس لیے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے۔

چونکہ اس طریق میں کامیابی نہیں ہوئی اس لیے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے تمام فوجیں یکجا ہوئیں۔ قبائل کے تمام سوار آگے آگے تھے۔ خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی یہ موقع حملہ کے لیے انتخاب کیا گیا۔ عرب کے مشہور بہادر یعنی ضرار، ہبیرہ۔ نوفل۔ عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اس پار تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔

وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا۔ اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا اس وقت اس کی عمر ۹۰ برس کی تھی تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا میں لیکن آنحضرت صلعم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علیؓ بیٹھ گئے عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی تیسری بار آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے غرض آپ نے اجازت دی خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت علیؓ	میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔
عمرو	یہ نہیں ہو سکتا۔
حضرت علیؓ	لڑائی سے واپس چلا جا۔
عمرو	میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔
حضرت علیؓ	مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائیگی۔ حضرت علیؓ پیادہ تھے عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔

گھوڑے سے اُتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں پھر پوچھا کہ تم کون ہو آپ نے نام بتایا اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا پتلے سے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا حضرت علیؓ نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی گو زخم کاری نہ تھا تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذو القرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا حضرت عمر فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا عمر اس احسان کو یاد رکھنا۔

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا صحابہ نے تیر مارنے شروع کئے۔ اس نے کہا مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں حضرت علی نے اس کی درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر تلوار سے مارا کہ شریفوں کے شایاں تھا۔

سند المحدثین واحسن المورخین حضرت شاہ عبدالحق صاحب رح دہلوی تحریر فرماتے ہیں

القصہ محاربہ و مقاتلہ میان دو لشکر واقع شد خصوصاً از علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ دریں غزا مبارزہا و مقاتلہا واقع شد از حد قیاس و عقل بیرون چنانچہ در اخبار وارد شدہ است۔ المبارزۃ علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال

امتی الی یوم القیامتہ کذا فی روضتہ الاحباب وآنحضرتؐ دعاکرد درحق علی مرتضیٰ و شمشیرخودرا کہ ذوالفقار نام داشت بوی عطا نمود وآن مقدار شفقت ومحنت کہ بحال شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتعب ورنج بمسلمانان درین غزوہ راہ یافت درہیچ غزوہ نبود۔ (مدارج النبوۃ)۔

اس کے بعد خیبر کا معرکہ ہے۔ ہر مسلمان شخص جانتا ہے کہ فاتح خیبر جناب علی علیہ السلام ہی ہیں اور یہاں بھی مثل دیگر مقامات کے بے مثل شجاعت اور بے نظیر دلاوری و جانبازی کا نمونہ جناب علی کرم اللہ وجہ نے پیش کیا کیا خوب کسی نے کہا ہے۔

علی کی تیغ چمکی بارہا اعدا کے لشکر میں
احد میں بدر میں صفین میں خندق میں خیبر میں

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

تاہم اس قدر ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ "کل میں اس شخص کو علم دونگا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دیگا" اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول بھی اس کو چاہتے ہیں" یہ رات نہایت امید اور انتظار کی رات تھی صحابہؓ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی دیکھئے یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے۔ حضرت عمر نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تنا نہیں کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علی میں مذکور ہے ان کو خود اعتراف ہے کہ اس توقع کی تنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی صبح کو دفعتہً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علی کہاں ہیں یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور

سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں غرض جب طلب وہ حاضر ہوئے۔
آنحضرت صلعم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی جب ان کو علم
عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کی کہ "کیا یہود کو لڑکر مسلمان بنا لوں" ارشاد ہوا
کہ بہ نرمی ان پر اسلام کو پیش کرو اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو
سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ مرحب قلعہ سے
یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا۔

قد علمت خیبر انی مرحب — خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں۔
شاکی السلاح بطل مجرب — دلیر ہوں تجربہ کار ہوں سلاح پوش ہوں۔

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اس کے اوپر سنگی خود تھا۔ قدیم زمانہ میں گول
پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے یہی خود کہلاتا تھا۔

مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ — میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا۔
کلیث غابات کریہ المنظرہ — میں شیر نیستاں کی طرح مہیب و بد منظر ہوں۔

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی
ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچی۔ پہلوان کا مارا جانا
عظیم الشان واقعہ تھا۔ اس لئے عجائب پسندی نے اس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز
افواہیں پھیلا دیں معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب
نے سپر پر روکا لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی مرحب کے

مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ گئی اور آپ نے قلعہ کا در جو سرتا پا پارۂ سنگ تھا اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا۔ (سیرۃ النبی)۔

جناب علامہ محقق دہلوی تحریر فرماتے ہیں :۔

وچون قلعہ قموص از قلاع دیگر در استحکام زیادہ بود فتح آن بآسانی روی نمود آوردہ اند کہ روزی عمر رضی اللہ عنہ علم برداشتہ باجمعی از حامیان حوزہ اسلام بپای قلعہ آمد و چندانکہ بذل جہود نمود روی مراد ندید روز دیگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رایت برگرفت و با طائفہ از شجعان وابطال بقتال وجدال ارباب ضلال مبارزت نمود و مقاتلات عظیمہ درمیان آوردہ بی نیل مقصود بازگشت و نوبت سوم باز عمر بن الخطاب بازمرہ از اصحاب محاصرہ و محاربہ نمود عنان مراد بدست نیاورد و مراجعت نمود وصل چون ارادت ازلی بر آن رفتہ بود کہ این فضل خاص فتح خیبر مزید اختصاص بجناب ولایت مآب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ داشتہ باشد و بود قلعہ قموص از سائر قلاع خیبر سخت تر و مستحکم تر آنرا بر دست وی رضی اللہ عنہ فتح کرد و مقدمہ و اساس فتوح سائر قلاع و دیار خیبر ساخت اگرچہ بعضی از انہا مثل قلعہ نطارہ وصعب وغیر آن بیشتر ازین ہم مفتوح شدند اما اتمام فتح خیبر و اکمال منسوب بجناب مرتضوی است آوردہ اند کہ شبی بود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود لاعطین الرایۃ غدا او لیاخذن الرایۃ غدا رجل یحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علیہ یعنی فرمود بدہم رایت را فردا مردی را یا باین عبارت فرمود ہر آئینہ بگیرد مردی فردا رایت

که دوست میدارد او را خدا و رسول خدا فتح میکند خیبر بر دست او و در روایتی زیاده
آمده رجل کرار غیر فرار کرار یعنی حمله کننده و برگردنده بر دشمن و در روضة الاحباب
تفسیر کرده بمردی ستیزه کننده ناگریزنده و چون آنحضرت صلی اللہ علیه وسلم این خبر
بشارت اثر و این نوید سعادت ثمر درداد صحابه همه دیده امید در راه و چشم انتظار
بر قبول درگاه نشستند تا این دولت نصیب که گردد و این فضیلت مخصوص بکه شود سعد بن
ابی وقاص گوید رضی اللہ عنه که رفتم و در پیش چشم آن حضرت زانو زدم و برخاستم
بامید آنکه صاحب علم من باشم از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه منقول است که گفت
هرگز امارت را دوست نداشتم مگر در آن روز و در روایتی آمده است که جماعه قریش
بایکدیگر میگفتند که مقرر است که علی ابن ابی طالبؓ باین مراد فائز نخواهد بود چشم
مبارک وی درد میکند بحدی که پیش پای خود نمی بیند و منقول است که چون حضرت امیر
شنید که حضرت صلی اللہ علیه وسلم این چنین میفرماید راه از رو و طلب بسته و دل در چشم
توکل و امید بر فضل خدا نهاده فرمود۔ اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی
لما منعت و وے کرم اللہ وجهه بواسطه درد چشم از سفر خیبر تخلف نموده در مدینه مطهره
مانده بود و درد وے بغایت صعب داشت با خود گفت من از رسول خدا صلی اللہ
علیه وسلم جدا گشتم و دوری از کار و بار جهاد خوب نیست کارسازی سفر کرده از مدینه
بیرون آمد و در اثنای راه یا بعد از وصول درگاه خیبر آمدن وی بحضرت رسید چون
روز شد آنحضرت فرمود کجا است علی بن ابی طالب مردم از هر طرف آواز برآوردند
که همین جا است ولیکن چشم او چنان درد میکند که پیش پای خود نمی بیند فرمود او را
نزد من بیارید سلمه بن الاکوع رفت و دست او را می کشید تا نزد آنحضرت صلعم

رسانید پس آنحضرت سر او را بر ران مبارک خویش نهاد و آب دہان مبارک
خود در چشم میمونش کشید و دعا کرد فی الحال درد از چشم او زائل گشت و شفا رکلی
روی نمود از ان روز باز درد چشم و درد سر گرد وے نگردید و در روایتی آمده
که این دعا نیز کرد اللهم اذهب عنه الحر والبرد خدایا دور کن از وے
گرما و سرما را چون اکثر تشویش آدمی را از ین ہمہ میباشد خصوصاً در معرکهای جنگ
و ہوای خیبر درین ایام بسیار گرم بود پس آن را جمع کرد و نفی سرما نیز استطرادا نمود
ابن ابی لیلی گوید که علی مرتضیٰ در گرما سخت جامه پرپنبه در بر میکرد و در سرما علیم جامه تنک
پوشید و از آن باک نداشت و چون علی مرتضیٰ کرم الله وجه از ان علت خلاص یافت
حضرت مصطفیٰ صلی الله علیه وسلم زره خاصه خود را در وی پوشانید و ذوالفقار را بر
میانش بسته بوی داد و فرمود برو التفات مکن تا آنکه مفتوح گرداند خدا تعالیٰ بر تو
گفت یا رسول الله بر چه قتال کنم با ایشان آنسرور فرمود قتال کن تا گواهی دهند.
لا اله الا الله محمد رسول الله و چون بدهند گواهی را پس تحقیق نگاه داشتند
خونهای خود را و مالهای خود را اگر بحق آن و حساب ایشان بخدا است و در روایتی آنکه چون
علی علم برگرفته در راه در آمد گفت رسول الله صلی الله علیه وسلم قتال کن با ایشان
تا مانند ما شوند یعنی مسلمانان شوند و فرمود یا علی تعجیل مکن و برو تا نازل شوی بساحت
ایشان فرود آئی آنگاه ایشان را باسلام دعوت کن و بر حقوق خداوندی که بر
بندگان خود واجب گردانید واقف گردان و بخدا سوگند که اگر هدایت کند خدا تعالیٰ
بسبب تو یکمرد را بهتر است مر ترا از آنکه باشد ترا هزار شتران سرخ که در راه حق
عز و علا تصدق نمائی و مراد آنست که هدایت کردن که موجب ثواب آخرت است

فاضلتر و بهتر است از متاع دنیا راه نمودن بحق فاضلترین اعمال است و از تصدق
که متعلق است مثل آنکه واقع شده است که ذکر کردن فاضلتر است از انفاق ذهب
فضه در راه خدا فتدبر پس علی علم برگرفته روان شد و بپای حصار قموص آمد و علم
را بر توده از سنگریزه که در آنجا بود بنزد یکی از احبار یهود که بالای حصار بود و پرسید
که ای صاحب علم تو کیستی و نام تو چیست گفت منم علی بن ابی طالب پس آن یهودی
با قوم خویش گفت سوگند بتوریت که شما مغلوب شدید این مرد فتح ناکرده بر نخواهد گشت
ظاهرا آن خبر صفات علی و شجاعت وی را میدانست که در توریت وصف
او را خوانده بود و صفات اصحاب آنحضرت در کتب سابقه مذکور و مسطور بود پس
اول کسی که از حصار بیرون آمد حارث یهودی بود برادر مرحب که سنان نیزه وی
سه من بود آمد و بجنگ پیوست و چند نفر را از اهل اسلام شهید ساخت پس علی مرتضی
بر سر او راند بیک ضرب وی را بدوزخ فرستاد و مرحب چون بر قتل برادر واقف
شد با جماعه از شجعان خیبر اسلحه پوشیده بکین تمام و در صدد انتقام بیرون آمد و گویند
که وی در میان خیبریان مبارزی بود بغایت دلاور بلند بالا و تناور و در شجاعت
و مبارزت از میان ابطال این اهل بطلان همتا نداشت و آن روز دو زره
پوشیده بود و دو شمشیر حمائل کرده و دو عمامه بر سر بسته و خودی بر بالای این نهاد
و این رجز گویان که

قد علمت خیبر انی مرحب　　　شاکی السلاح بطل مجرب

در معرکه جنگ درآمد و هیچ کس از اهل اسلام را طاقت نشد که با وی معارضه
نماید و در میدان قتال درآید پس علی مرتضی رضوان الله علیه نیز رجزی خواند که شعر

ان الذی سمتنی امی حیدرہ   ضرغام اجام ولیث قسورہ

رجز خواندن در معرکہ جنگ عادت شجعان عرب است و مدح نفس درین مقام کردن جائز است تا مہیبتی در دل خصم بیفتد و شوکتی ظاہر گردد و مرحب پیشدستی نمودہ خواست کہ تیغی بر سر علیؓ زند پس امیر کبیر سبقت جستہ ذو الفقار بر سر آن ملعون غدار فرود آورد چنانکہ از سر خود و دستارش گذشتہ تا حلق و بروایتی تا برا نہای وی و بروایتی تا بقا بوس زین او رسید و دو نیم ساختہ پس اہل اسلام بامداد حضرت امیر در میدان در آمدہ و دست بقتل جہودان دراز کردند و ہفت کس از رؤسا شجعان یہود را بقتل آوردند و باقی ایشان ہزیمت نمودہ روی بقلعہ آوردند وی رضی اللہ عنہ در عقب ایشان میرفت درین حالت یکی از مخالفان ضربی بر دست مبارک وی زد چنانکہ سپر از دست بر زمین افتاد یہودی دیگر سپر را ربودہ رو بگریز نہاد و حضرت امیرؓ در غضب آمد و یک حالتی از عالم قدرت ربانی بقوت روحانی وارد شد کہ از خندق جستی نمودہ بر دروازہ حصار افتاد و یک در آہنین حصار را برکندہ سپر خود ساخت و بجنگ پیوست و از امام باقر سلام اللہ علیہ وعلی آبائہ العظام و اولادہ الکرام منقول است کہ گفت چون علی کرم اللہ وجہہ در خیبر را گرفت و بجنبانید تا از جا برکند تمامہ حصار بجنبید چنانکہ صفیہ بنت حی بن اخطب از سریر بیفتاد و روی وی مجروح شد و غالباً حکمت در تخصیص سرایت این جنبش در صفیہ علامت مناسبتی بود کہ بدان اسیر شد و در آخر در حبالہ آنحضرت در آمد تا تنبہ گردد و علاقہ باطن در حرکت آمدہ اشتداد پذیرفت و مستعد و منتہی آن دولت و سعادت گرداند چنانکہ بیاید و آوردہ اند کہ بعد از فراغ از جنگ

آن در را بمقدار دو وجب برتافت و پس پشت دور انداخت و گویند که هفت تن از اقویا باتفاق جهد نمودند که آن در را از پهلوی بپهلوی دیگر بگردانند نتوانستند و چهل تن خواستند که بمدد یکدیگر بردارند عاجز شدند اینچنین است در روضه و معارج و اکثر کتب سیر .... القصه چون اہل حصن قموص و سائر حصون خیبر این قوت و قدرت را از حضرت امیر مشاہده کردند فریاد برآوردند که الامان الامان پس وی رضی اللہ عنہ باشارتی از حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایشان را امان داد مشروط بآنکه ہر مردی شترے از طعام برداشته از آن دیار بیرون روند و نقود و امتعه و اسلحه و سائر اموال باہل اسلام گذارند و ہیچ چیز پوشیده و پنہان ندارند و اگر مالے ظاہر شود کہ بحقیقت نگفته باشند امان نیز چون ایمان از ایشان مسلوب گردد و چون خبر فتح خیبر بجناب رسالت رسید شکرانهٔ این نعمت بجای آورد که سبب ظہور عزت اسلام گشت و چون علی رضی اللہ عنہ مہم کفار قرار داد بدرگاه متوجه گشت آنحضرت بجہت تہنیہ وی رضی اللہ عنہ باستقبال و استبشار از خیمهٔ بیرون آمد و وی را درکنار گرفت و میان دو چشم وی بوسه داد و فرمود۔ بلغنی ثناؤك المشكور وصنيعك المذكور قد رضي الله عنه ورضيت انا عنك ۔ پس حضرت امیر گریه کرد و فرمود آنحضرت این گریهٔ شادی است یا گریهٔ اندوه فرمود علی بلکه گریه شادی ست و گفت چگونه شاد بآن نباشم که تو از من راضی باشی فرمود آنحضرت نه من تنہا از تو راضیم بلکه خدا و جبرئیل و میکائیل و جمله فرشتگان از تو راضی اند (مدارج النبوة)

دیگر وہ روایات جو جناب علی مرتضیٰ کے متعلق معرکہ خیبر کی حد تک بیان کی گئی

ہیں اور جو بقول بعض محدثین قابل قبول نہیں ہیں ہم نے یہاں نقل نہیں کیں یہاں صرف وہی واقعات تحریر ہوئے ہیں جو سب کے نزدیک مسلم ہیں ان کے علاوہ دیگر بے شمار لڑائیوں میں جناب شیر خدا نے جس طرح ثبات قدم کے نمونے پیش کئے ہیں اور خدا اور اس کے رسول کی حمایت و حفاظت میں صف قتال میں جو جو کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ ان کی نظیر ملنی ممکن نہیں ہے آنجناب کا نام نامی شجاعت کے لئے خاص طور پر ضرب المثل ہے انوری لکھتا ہے۔

مادر گیتی نزادہ زیر چرخ چنبری | بادشاہی چوں غیاث الدین گدا چون انوری
ختم شد بر تو سخاوت بر من مسکین سوال | چون شجاعت بر علی بر مصطفیٰ پیغمبری

وادی حنین میں جو معرکہ پیش ہوا اور جس میں بعض اکابر ثابت قدم نہ رہ سکے جناب علی کا نام نامی باتفاق جملہ مورخین ثابت قدم اشخاص کی فہرست میں موجود ہے۔ ایسی ایسی زبردست آزمائشوں میں اور خصوصاً ابتدائی غزوات میں جب کہ مسلمانوں کی کمزوری اور قلت تعداد خاص طور پر نمایاں تھی آنجناب نے کیسے کیسے بے مثل مقابلے کئے ہیں یہاں تک کہ خندق کی لڑائی کے موقع پر حضور سرور کائنات صلعم نے اپنی زبان وحی ترجمان سے فرما دیا کہ مبارزۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الیٰ یوم القیامہ یعنی میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے علی کی خندق کی مبارزت افضل ہے۔ یہ شرف آنحضرت صلعم کے اقربا و اخیار میں سے کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ ایک طرف اگر جناب علی مرتضیٰ کو اکابر امت محمدی مرکز ولایت و سرچشمۂ علوم عرفان تسلیم کرتے آئے ہیں تو دوسری طرف مرد میدان وغا و شیر بیشۂ ہیجا و شاہ مردان و شیر یزدان بھی باتفاق کہتے چلے آئے ہیں سیف و قلم کی جامعیت

ایسی صفت ہے کہ بندگان خدا میں خال خال ہی اس سے متصف ہوتے ہیں اور آپ کی ذات بابرکات دونوں صفات کی بدرجہ اتم جامع ہے :-

بقول امام احمد حنبلؒ وغیرہم آنجنابؓ کے فضائل ہیں جس کثرت سے باسانید حسنہ احادیث وارد ہیں وہ کسی دوسرے کے حق میں نہیں ہیں اور ان میں سے بعض کی نقل ہم نے اس بیان میں کر بھی دی ہے ان کے علاوہ کلام اللہ میں بکثرت وہ آیات ہیں جن کے متعلق اکابر مفسرین و محدثین بیان کرتے ہیں کہ جناب مولا علیؑ کی شان میں وارد ہیں ان تمام فضائل کا جامع بیان کرنا ہماری اس مختصر کتاب میں ضمناً ممکن نہیں ہے یہ کام ان تذکرہ نویسوں کا ہے جو خاص طور پر جناب علیؓ کی سیرۃ کی تدوین کریں یہاں محض تبرکاً بعض احادیث و غزوات کا ذکر کر دیا گیا ہے پس ہم اس مختصر نویسی کا عذر کرتے ہوے اس مبارک گر مختصر مضمون کو ختم کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ جناب مولا علیؑ کی مدح و منقبت کا کوئی ادنیٰ حق بھی ادا نہ کر سکے۔ آنجناب کے زمانۂ خلافت میں اور اس سے قبل جو جو واقعات درپیش ہوے وہ کتب تواریخ و سیر وغیرہ میں بہ تفصیل مرقوم ہیں۔

آنجناب کی وفات سنہ ۴۰ھ میں ۶۳ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۷ رمضان بمقام کوفہ ہوی۔ عبد الرحمٰن معروف بہ ابن ملجم مرادی نے شمشیر زہر آلود سے جو زخم سر مبارک میں پہنچایا تھا بالآخر اسی سے وفات واقع ہوی۔ مزار رحمت آثار نجف اشرف میں ہے۔

ازواج و اولاد حضرت علی کرم اللہ وجہ نے باوقات مختلف نو بیویاں کیں جن سے چودہ لڑکے اور سترہ لڑکیاں پیدا ہوئیں آپ کا پہلا نکاح حضرت فاطمہؓ بنت رسول صلعم سے ہوا جن کے بطن سے دو لڑکے حسنؓ و حسینؓ اور دو لڑکیاں زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں حضرت فاطمہؓ کے فوت ہونے کے بعد آپ نے ام البنین بنت حرام کلابیہ سے نکاح کیا جن کے

بطن سے عباسؓ جعفرؓ عبداللہؓ عثمانؓ چار لڑکے پیدا ہوئے۔ تیسرا نکاح آپ نے لیلیٰ بنت مسعود
بن خالد سے کیا جن کے بطن سے عبداللہ و ابو بکر پیدا ہوئے چوتھا نکاح آپ نے اسماء بنت عمیس سے
کیا جن کے بطن سے محمد ن الاصغر او یحییٰ پیدا ہوئے یہ آخر الذکر آٹھوں بھائی معرکہ کربلا میں
اپنے بھائی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ شہید ہوئے۔ پانچواں نکاح آپ نے اما مہ بنت
ابی العاص بن الربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدالشمس سے کیا جن کی ماں زینب بنت رسول اللہ
تھیں ان کے بطن سے محمدن الاوسط پیدا ہوئے۔ چھٹا نکاح آپ نے خولا بنت جعفر سے کیا
جو قبیلہ حنیفہ سے تعلق رکھتی تھیں ان کے بطن سے محمدن الاکبر پیدا ہوئے جن کو محمد بن الحنیفہ بھی
کہتے ہیں۔ ساتواں نکاح آپ نے صہبا بنت ربیعہ سے کیا جن کے بطن سے ام الحسن رملتہ
الکبریٰ اور ام کلثوم صغرا پیدا ہوئیں نواں نکاح آپ نے بنت امرالقیس بن عدی کلبی سے
کیا۔ جن کے بطن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہو کر کم سنی میں فوت ہو گئی مندرجہ بالا لڑکیوں کے
سوا اور بھی لڑکیاں تھیں جن کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔ ایک لڑکے آپ کے عون بن علیؓ بھی
تھے جن کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ بھی اسماء عمیس کے بطن سے پیدا ہوئے تھے سلسلہ نسب
آپ کا صرف حسنؓ حسینؓ محمد بن الحنفیہ عباس اور عمر سے چلا باقیوں کی نسل باقی نہ رہی؛۔

انجناب علیہ السلام کی مدح سرای اور منقبت نویسی اکابر علما و صوفیا و شعرا کا شعار
رہا ہے۔ اب ہم اپنے اس مقالہ کو زمانہ حال کے سب سے بڑے قومی شاعر و مداح آل رسول
کا کلام نقل کر کے ختم کرتے ہیں۔

نظم علامہ اقبال در منقبت جناب امیر علیہ السلام

مسلم اول شہ مردان علیؓ　　　عشق را سرمایہ ایمان علیؓ

از ولای دودمانش زنده ام — در جهان مثل گہر تابندہ ام

نرگسم وارفتهٔ نظاره ام — در خیابانش چو بو آواره ام

زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست — مے اگر ریزد ز تاک من ازوست

خاکم و از مہر او آئینه ام — می توان دیدن نوا در سینه ام

از رخ او فال پیغمبر گرفت — ملت حق از شکوهش فر گرفت

قوت دین متین فرموده اش — کائنات آئین پذیر از دوده اش

مرسل حق کرد نامش بوتراب — حق یدالله خواند در ام الکتاب

ہر که دانائے رموز زندگی است — سر اسمای علیؓ داند که چیست

خاک تاریکے که نام او تن است — عقل از بیداد او در شیون است

فکر گردوں رس زمین پیما ازو — چشم کور و گوش ناشنوا ازو

از ہوس تیغ دو رہ دارد بدست — رہرواں را دل بریں رہزن شکست

شیر حق این خاک را تسخیر کرد — این گل تاریک را اکسیر کرد

مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است — بوتراب از فتح اقلیم تن است

مرد کشورگیر از کراری است — گوہرش را آبرو خودداری است

ہر که در آفاق گردد بوتراب — باز گرداند ز مغرب آفتاب

ہر که زین بر مرکب تن تنگ بست — چون نگیں بر خاتم دولت نشست

زیر پاش اینجا شکوه خیبر است — دست او آنجا قسیم کوثر است

از خود آگاہی یداللہی کند — از یداللہی شہنشاہی کند

ذات او دروازهٔ شہر علوم — زیر فرمانش حجاز و چین و روم

حکمراں باید شدن بر خاک خویش تا مئے روشن خوری از تاک خویش
خاک گشتن مذہب پروانگی است خاک را اب شو کہ ایں مردانگی است

سیدۃ النساء العالمین فاطمہ زہرا

جناب کا نام نامی فاطمہؓ ہے بطن مطہرہ جناب خدیجۃ الکبریٰ سے جناب کی ولادت باسعادت ہوئی حضرت سرور عالم صلعم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی آپ ہی ہیں۔ صاحب سیرۃ فاطمہؓ صوفی محمد الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

آخر وہ مبارک اور مقدس دن آگیا جس کے لئے فضائے روحانی بے قرار تھی یہ وہی مولود تھا جس کا خیر مقدم کرنے کے لیے توکل و رضہ بے چین تھے بسعادت نسوان کی پہلی اور آخری بشارت تھی۔ رحمت الٰہی کی عالمگیر نمود تھی عالم صبر و قناعت کی سرسبزی و شادابی کا اعلان عام تھا۔ نسوانی عروج و ارتقا کا آخری پیام تھا قناعت وفاداری اور عفت پرستی کا قانون جدید تھا۔ غرور۔ بے کاری۔ بد کاری نمائش و اسراف کا خاتمہ تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری خدیجہؓ کی دلاری فاطمہؓ وہ فاطمہؓ جس کی عفت توکل و رضا صبر و قناعت۔ تواضع و انکساری پر دنیائے حق شناس آج تک وجد کر رہی ہے۔ ہاں وہ فاطمہ جو ایک نجیب الطرفین سیدہ تھی جو باوجود اس کے کہ اس کا باپ دو جہان کا بادشاہ اور خاوند شیر خدا تھا۔ ہمیشہ فقر و افلاس کی دولت سے مالا مال رہی۔ شان جلال و جمال کے ساتھ عالم ہستی میں نمودار ہوئی

کر سجدہ اے قلم کہ ادب کا مقام ہے تیری زباں پہ بنت محمد کا نام ہے

لخت دل خدیجہؓ جگر گوشۂ رسول | یعنی جناب سیدہ خیر النساءؓ بتول
مشہور ہیں جو فاطمہؓ زہرا کے نام سے | بیاہی گئیں جو حیدرِ عالی مقام سے
بنت رسول شبر و شبیر کی ہیں ماں | بنتے تھے اونٹ جن کے لئے شاہِ دو جہاں
یعنی حسنؓ امام سرتاج اتقیا | اور ہیں حسینؓ میر شہیدان کربلا
سرسبز جن سے ملت بیضا کا ہے چمن | جو سرخرو ہیں پیش خداوند ذوالمنن
ہیں امت رسول کی غمخوار فاطمہؓ | جنت کی عورتوں کی ہیں سردار فاطمہؓ
کانِ حیا ہیں جوہر زہد و وفا ہیں یہ | بحر سخا ہیں گوہر لطف و عطا ہیں یہ

فاطمہؓ کی ولادت سچ پوچھو تو کائنات نسوان کے شرف و احترام کی ولادت تھی اور ہماری ماؤں بہنوں بیٹیوں کی سعادت و فیروز مندی کے حقیقی میلاد مقدس کا بھی دن تھا جس طرح رسول پاک کا یوم میلاد تمام کرۂ ارض کی سعادت کا دن قرار پایا اسی طرح آپ کی لخت جگر فاطمہ کی پیدائش کا روز بھی تمام نسوانی برکات و تقدس کا مرجع کہلایا کیونکہ یہی وہ دن تھا جس میں صنف لطیف کی سب سے بڑی عظمت کا ظہور ہوا یہی وہ دن تھا جس میں توکل اور تسلیم و رضا نے جنم لیا۔ یہی وہ دن تھا جس میں وفاداری اور نیکوکاری کے بے برگ و بار درختوں کو سبز پتوں اور خوشبودار پھولوں کا خلعت عطا ہوا۔ یہی وہ دن تھا جس میں عصمت و حیا کی نشو و نما ہوی۔ یہی وہ دن تھا جس میں انسان کے شرف و احترام کا معیار سیرۃ (کیرکٹر) قرار دیگئی۔ یہی وہ دن تھا جس میں نظام خانہ داری کی بنا پڑی۔ الغرض یہی وہ دن تھا جس میں مخدرات کی ساری بڑائیوں، ساری سعادتوں، ساری وفاداریوں، ساری عفت پوشیوں، ساری ریاضتوں اور ساری قناعتوں کا افتتاح ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک

آنجناب کے مشہور القاب یہ ہیں۔ سیدۃ النسا ۔خیرالنسا ۔افضل النسا ۔الصدیقہ الزہرا۔ الراضیہ المرضیہ ۔بتول ۔لفظ بتول بتل سے مشتق ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ چونکہ آپ نے خدا کی راہ میں دنیا سے تعلق قطع کر لیا تھا ۔اس لئے لقب بتول قرار پایا حضور سرور کائنات صلعم کی آپ جگر گوشہ ہیں۔ آپ کی سال کی عمر میں والدہ مکرمہؓ کی وفات واقع ہوی۔حضور سرور کونین کو نہایت درجہ محبت آپ سے تھی۔خود حضور صلعم کی آغوش محبت میں آپ کی پرورش ہوی اسی آغوش میں جناب فاطمہ کی تعلیم و تربیت سب کچھ ہوی۔اور فطرۃ صحیحہ صالحہ کا جناب کو درس ملا او۔کوئی شک نہیں کہ :۔ (یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمہ) کے مصداق ہونے کی ایک بہترین مثال آپ کی ذات قدسی صفات ہے۔صاحب سیرۃ فاطمہؓ تحریر فرماتے ہیں :۔

جناب زہرا کے لیے یہ شرف کیا کم ہے کہ آپ ہمارے رسول کریم صلعم کی لخت جگر ہیں ان کے دل کا سہارا اور آنکھ کا تارا ہیں آپ نے رسول اکرم کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔آپ کے خون سے ان کا خون ملا ہوا ہے۔جناب رسالتماب فرمایا کرتے تھے کہ" خاتون جنت"خاتونان بہشت کی سردار ہیں۔آپ کے بطن مبارک سے وہ مقدس امام پیدا ہوئے جن کی شہادت و امامت نے ایک عالم سے خراج اعتقاد و رضا و صدق لیا۔اور جن کے استقلال نے دنیا جہان کو محو حیرت کر دیا یہی وہ اولاد فاطمہ یعنی جن کی برکت سے اسلام سرسبز و شاداب ہوا۔اور ملت مرحوم کی کھیتی پھل پھول کر ہری ہو گئی۔

فاطمہؓ کی یہ فضیلت بھی کیا کم ہے کہ سلسلہ سادات انہیں کی بدولت قائم ہوا۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ" جب آیہ کریمہ :۔

ندع ابناءنا وابناءکم۔ نازل ہوئی تو حضرت سرور کائنات صلعم نے علیؓ وفاطمہؓ وحسنؓ وحسینؓ کو بلایا اور فرمایا کہ "الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں۔"

تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ یہ آیت نصاریٰ نجران کے ساتھ مباہلہ کرنے کے لیے نازل ہوئی تھی لیکن وہ مباہلہ سے ڈر گئے حضرت مولٰنا عبدالعزیز صاحب دہلوی لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ قوی دلیل حضرت فاطمہ اور ان کی اولاد کی فضیلت کی کوئی نہیں ہوسکتی بنی فاطمہؓ ہی آنحضرت کی اولاد ہیں۔ (سیرہ فاطمہؓ)

آیۂ تطہیر۔ حضرت عایشہؓ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک دن صبح کے وقت جناب رسول خدا صلعم ایک منقش چادر اوڑھے ہوئے تھے کہ جناب حسنؓ تشریف لائے۔ آپ نے ان کو چادر کے اندر لے لیا۔ پھر دوسرے صاحبزادے حسینؓ اور ان کے بعد جناب فاطمہؓ تشریف فرما ہوئیں ان کو بھی وہی چادر اڑھالی۔ اس کے بعد جناب علی کرم اللہ وجہہ آئے آپ نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر یہ آیت پڑھی

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ (سورہ احزاب رکوع ۴)

ابوسعید خدریؓ کا قول ہے کہ یہ آیت حضرات پنجتن پاک کی شان اقدس میں نازل ہوئی ہے۔ اور ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت سرور کائنات صلعم نے ان چاروں حضرات کو اپنی چادر اڑھا کر فرمایا۔ خداوندا یہ میرے اہل بیت ہیں تو ان کو پاک کر اور نجاست ظاہری و باطنی ان سے دور فرما۔

حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا قیامت کے دن سب نسب بیکار ہوں گے مگر میرا نسب نفع دیگا اور ہر نبی کی دختری اولاد اس کے

اصلی باپ سے منسوب ہوگی۔ مگر فاطمہؓ کی اولاد میری طرف منسوب ہوگی اور میری اولاد کہلائے گی صحیح بخاری میں حضرت مسعود بن مخرمہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؓ میرا پارہ گوشت ہے جس نے اسے غصہ دلایا اور ناراض کیا اس نے مجھے غصہ دلایا اور ناراض کیا اور غصہ دلایا۔

زید بن ارقم سے روایت ہے کہ حضرت سرور کائنات صلعم نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؓ علیؓ۔ اور حسنینؓ سے جس نے لڑائی کی اس سے میری بھی لڑائی ہے۔ اور جس نے ان سے صلح کی اس سے میری بھی صلح ہے۔ فتح الباری میں بحوالہ زید بن ارقم لکھا ہے کہ مسجد کے متصل اکثر صحابہ کرام کے مقامات تھے جن کے دروازے مسجد کے اندر تھے آنحضرتؐ نے مکان حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سوا سب کے دروازے بند کرا دئیے۔ اس پر صحابہ نے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے بطور خود ایسا نہیں کیا بلکہ مجھکو منجانب اللہ ایسا کرنے کا حکم ملا ہے۔ جس کی میں نے تعمیل کر دی۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری۔ لا اسئلکم علیہ اجرًا الا المودۃ فی القربیٰ۔ میں تم سے کچھ اجرت نہیں چاہتا مگر محبت تمام اقربا کی تو آنحضرت صلعم سے پوچھا گیا کہ یہ کن لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی محبت واجب کی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ فاطمہؓ۔ علیؓ۔ اور ان کے دونوں فرزند۔ (مسند امام احمد بن حنبل)

ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ حضرت سرور کائنات صلعم حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے فرمایا کہ اے فاطمہؓ میں اور تو اور علیؓ اور حسنینؓ قیامت میں ایک جگہ ہوں گے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لا افضل احدًا علی بضعۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی کوئی بھی جگر گوشہ رسول پر فضیلت نہیں رکھتا۔ جب خداوند کریم اپنے کلام پاک میں خود ارشاد فرماتا ہے۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع۔ (نکاح کرو عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں دو تین یا چار) تو اس آیت کے مطابق حضرت علیؓ کو حق تھا کہ وہ اور شادی کریں۔ مگر حضرت سرور کائنات صلعم نے ان کو منع فرما دیا۔ امام مالکؒ لکھتے ہیں جس طرح چار سے زیادہ شادیاں کرنے کا حکم اور اجازت صرف رسول خدا سے مخصوص تھی اسی طرح فاطمۃ الزہرا کی موجودگی میں شیر خدا کو دوسری شادی سے روکنا حضرت صلعم ہی کے لئے درست تھا جو صاحب شریعت تھے۔ دوسری مستورات کو یہ حق حاصل نہیں اور نہ کسی آدمی کو از روے شریعت اپنے داماد کو دوسری شادی سے منع کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ رعایت رسول خدا اور آپ کی مقدس اور طاہر بیٹی کے لیے جائز ہے۔ نہ ہر ایک باپ کا درجہ رسول خدا کا سا ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہر ایک بیٹی فاطمۃ الزہراؓ کے فضائل کو پہنچ سکتی ہے۔

حاکمؒ نے اس حدیث کی روایت ابو سعید الخدریؓ سے کی ہے اور اس کو صحیح حدیث کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت فاطمہؓ اہل جنت کی بیبیوں کی سردار ہیں۔ مگر مریم بنت عمران اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (سیرۃ فاطمہ)۔

سنہ ۲ھ میں آنجناب کا سن شریف اٹھارہ سال ہو چکا تھا۔ سرداران عرب کے پیام آپ سے شادی کے لئے آنے لگے تھے۔ مگر جناب رسولؐ کریم نے کسی سے اپنی رضامندی ظاہر نہ کی اور بالآخر نظر انتخاب جناب شاہ مردان حضرت علی ابن ابی طالب پر پڑی۔ جناب علیؓ کی طرف سے جب نکاح کا پیام ہوا تو حضور صلعم نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے پاس

مہر میں دینے کے لئے کیا ہے۔ آنجناب نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ حضور صلعم نے دریافت فرمایا کہ وہ زرہ کیا ہوئی جو جنگ بدر میں ملی تھی آپ نے جواب دیا کہ وہ موجود ہے۔ حضور نے فرمایا کہ بس وہی کافی ہے ملک محمد اسلم خاں صاحب نے اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا ہے :۔

کچھ میرے پاس ہے تو فقط ہے خدا کا نام — پروائے زر نہیں نہ ہے دولت سے کوئی کام

اک زرہ ہے جو جنگ میں آتی ہے میرے کام — مفلس ہوں تنگ دست ہوں دل کا ہوں غنی

اک تیغ مو شگاف تو شتر ایک خوش خرام — لے دے کے میرے گھر میں ہے یا سید البشر

کیا کم ہے یہ شرف کہ محمدؐ کا ہوں غلام — جو کچھ کہ ہوں حضورؐ پہ ہے سب وہ آشکار

ورد زباں خدا اور رسولؐ خدا کا نام — دنیا کے جاہ و مال سے کیا واسطہ کہ ہے

روایت ہے کہ اس زرہ کو چار سو اور بقولے چار سو اسی درم پر حضرت عثمانؓ نے جناب علیؓ سے خرید فرمایا۔ نیز یہ بھی روایت ہے کہ بیع و شریٰ کے بعد حضرت عثمانؓ نے بطیب خاطر اس زرہ کو بحق جناب علیؓ ہبہ کر دیا الغرض عقد نکاح کی قرار داد ہو گئی اور حضورؐ نے اعلان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہؓ کا نکاح علیؓ سے کر دوں مجلس عقد کا اعلان کر دیا گیا۔ بدایوں کے مشہور صوفی بزرگ حضرت مذاق تحریر فرماتے ہیں۔

دیا تاج اس کو پھر شاہ و گدا کی پیشوائی کا — پنہایا شہ کو خرقہ فقر کا بدلے شہانے کے

ہوا پھر وعدہ دیدار حق کی رونمائی کا — گنہگاران امت کی شفاعت مہر میں ٹھیری

مجلس عقد منعقد ہوئی تو حضور سرور کونین صلعم منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ معشر المسلمین ابھی جبرئیل امین میرے پاس یہ پیام ربانی لے کر تشریف لائے تھے کہ خداوند عالم نے بیت المعمور میں اپنی کنیز فاطمہ کا عقد اپنے غلام علیؑ ابن ابی طالب سے کر دیا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ اس عقد نکاح کا اعلان گواہان عادل کی موجودگی میں ایجاب و قبول سے کرا دوں

جناب فاطمۃ الزہرؓ کے پاس جاکر آنحضرت صلعم نے اس نکاح کے متعلق استرضا و استمزاج کرلیا تھا اور جناب سیدہؓ کی خموشی ان کے اظہار رضا کی ہم معنی تھی۔ مجلس عقد میں حضور صلعم نے جو خطبۂ نکاح پڑھا وہ یہ ہے:۔

الحمد للہ المحمود بنعمتہ المعبود بقدرتہ المطاع بسلطانہ المرهوب من عذابہ وسطوتہ النافذ امرہ فی سمائہ وارضہ الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزهم باحکامہ واعزهم بدینہ واکرمهم بنبیہ محمد ان اللہ تبارک اسمہ وتعالت عظمتہ جعل المصاهرۃ سببا لاحقا وامرا مفترضا وشج بہ الارحام والزمہا الانام فقال عز من قائل وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصهرا وکان ربک قدیرا فامر اللہ تعالیٰ یجری الیٰ قضائہ وقضاءہ یجری الیٰ قدرہ ولکل قضاء قدر ولکل قدر اجل ولکل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب ثم ان اللہ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی بن ابی طالب ...... ــــ الخ (مواہب اللدنیہ)۔

نقل ہے کہ اس خطبہ کے پڑھنے کیوقت جناب علی مرتضیٰ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے حضور خطبہ پڑھ رہے تھے کہ آپ باہر سے تشریف لائے آنحضرت صلعم نے آپ کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ میں نے اپنی دختر فاطمہ کو بعوض چارسو مثقال (وبقول شیعہ پانچ سو درہم) مہر کے عوض تمہارے نکاح میں دیا کیا تمہیں منظور ہے۔ جناب علیؓ نے جواب دیا منظور ہے۔ اس کے بعد حضور صلعم نے زوجین کے لیے دعائے برکت فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے طیب و طاہر اولاد پیدا کرے۔ ؎

تھی غیب کی صدا رہے شاداب یہ چمن　　نوشہ کے ساتھ خرم و شادان رہے دولہن

ان پر سدا ہو سایۂ افضال ذوالمنن　　آباد ہو یہ خانۂ شاہنشہ زمن

ان کو نہ کچھ الم ہو نہ یہ دردناک ہوں

یارب یہ جلد صاحب اولاد پاک ہوں

جنت کا اک نمونہ تھا مشکوئے مرتضیٰؓ　　غنچہ نمط کھلا دل نیکوئے مرتضیٰؓ

زہراؓ بنی جو رات کو بانوئے مرتضیٰؓ　　اس گل سے مل کے اور بڑھی بوئے مرتضیٰؓ

حسب مراد شاہ رسل کام ہو گئے

احکام رب پاک سرانجام ہو گئے

علامہ شبلی نعمانی اس نکاح کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت صلعم کی صاحبزادیوں میں سب سے کم سن تھیں اب ان کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھیں اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے آنحضرت صلعم سے درخواست کی آپ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہو گا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی۔ ان کو بھی آپ نے جواب نہ دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔ لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہ کے حال میں نقل کی ہیں لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہرحال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ نے فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا۔ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے۔ بولے کچھ نہیں آپ نے فرمایا۔ اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی (جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے۔ آپ نے فرمایا

بس وہ کافی ہے۔

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی لیکن اگر اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ صرف سوار ۰ پیہ (۴۸۰) زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا حضرت علیؓ اتبک آنحضرت صلعم ہی کے پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرورت ہوی کہ ایک گھر لیں۔ حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت صلعم کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہ نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ اُنہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ کہاں تک اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔ حارثہ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب سرکار کا ہے۔ خدا کی قسم میرا مکان جو آپ لے لیتے ہیں مجھکو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں۔

شہنشاہ کونین نے سیدہ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی چمڑے کا گدا جس کے اندر بجائے روئی کے کھجور کے پتے تھے ایک چھاگل۔ ایک مشک دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا بیں تو آنحضرت صلعم ان کے پاس تشریف لے گئے دروازہ پر کھڑے ہوکر اذن مانگا پھر اندر آے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے۔ اور حضرت علیؓ کے سینے اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ کو بلایا۔ وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں۔ ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے

اپنے خاندان میں سب سے افضل ترین شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے (سیرۃ النبی)۔

جناب سیدہ کا صبر و رضا توکل۔ قناعت و ہمدردی خلق اللہ خاص طور پر مشہور ہے۔ آنجناب کے محامد و مناقب نظماً و نثراً ہر مسلمان گھر میں شائع ہیں۔ اور جو عزت و توقیر جمہور مسلمین کے دلوں میں جناب سیدہ کی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ آپ نے اپنے نفس پر دوسروں کی ہمدردی میں جو جو تکالیف برداشت فرمائی ہیں وہ امت محمدی کے لیے ہمیشہ صد فخر و مباہات ہیں اگر تفصیلاً بیان کیا جائے تو دفتر درکار ہے۔ پس ہم ایک دو نظمیں تبرکاً یہاں نقل کر کے اپنے اس مختصر مضمون کو ختم کرتے ہیں جناب فاطمہؓ کے ایثار کے بیان میں مولوی نواب علی صاحب ایم۔ اے۔ پروفیسر بڑودہ کالج تحریر فرماتے ہیں۔

سخت بیمار تھے بچپن میں جو سبطینؓ اک بار
فرط الفت سے نہ تھا فاطمہ زہراؓ کو قرار

روکے کہنے لگیں اے پالنے والے سب کے
تین روزے میں رکھونگی جو ہوئے دور آزار

ہوئی صحت تو رکھا نذر کا پہلا روزہ
کچھ نہ تھا پاس مگر شام کو ہر افطار

حال یہ دیکھ کے رہن اپنی زرہ کو رکھکر
اک یہودی سے علیؓ تھوڑے سے جو لائے اُدھار

روٹیاں بنت نبی نے جو پکا کر رکھیں
ایک مسکین نے صدا دی کہ ہوں بھوکا بیمار

روٹیاں دے کے اسے سو رہیں پانی پیکر
صبح روزے سے تھیں تھے ضعف کے پیدا آثار

وقت افطار نمودار ہوا ایک یتیم
بے تامل اسے سب روٹیاں دیں کر کے پیار

تیسری صبح کو روزے سے ہوئی یہ حالت
تھرتھری جسم میں لب خشک بہت زار و نزار

ناگہاں شام کو دروازے پہ اک آیا اسیر
پھر بھی زہرا نے دکھا دی اُسے شان ایثار

آب پانی کا پیا گھونٹ گریں غش کھا کر
شہ لولاک لما آئے جو ہر تیار

اشک بھر آئے یہ احوال جو بیٹی کا سنا
آئے جبریل کہ فرماتا ہے رب غفار

تا قیامت نہیں بھولے گا زمانہ یہ سبق
سورہ دہر پڑھیں عاشق آل اطہار

علامہ شبلی نعمانی کی مشہور نظم ہے۔

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں — چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے — جھاڑو کا شغل بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسول خدا کے پاس — یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض — واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے — کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں — حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن — جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز — ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں — میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق — جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں — جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دختر خیر الانام تھا

زمانہ حال کے مشہور اور سب سے بڑے مایۂ ناز قومی شاعر ترجمان حقیقت ڈاکٹر اقبال علیہم اللہ تعالیٰ نے بھی جناب فاطمۃ الزہرا کی منقبت میں گل افشانی فرمائی ہے۔ اہل ذوق دیکھیں کہ کس قدر پر لطف اور وجد آفرین کلام ہے امید ہے کہ یہ نظم مقبول بارگاہ نبویؐ ہو کر رہے گی۔ یہ کلام کیا ہے ہمارے اس مایۂ ناز شاعر کے لئے زادِ عقبیٰ و توشۂ آخرت ہے۔

(از ترجمان حقیقت جناب ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹر ایٹ لا لاہور)۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز　　از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

نور چشم رحمت اللعالمین　　آن امام اولین و آخرین

آں کہ جان در پیکر گیتی دمید　　روزگار تازہ آئین آفرید

بانوے آن تاجدار ھل اتیٰ　　مرتضیٰؓ مشکل کشا شیر خداؓ

پادشاہ و کلبۂ ایواں او　　یک حسام و یک زرہ سامان او

مادر آں مرکز پرکار عشق　　مادر آن کاروان سالار عشق

آں یکے شمع شبستان حرم　　حافظ جمعیت خیر الامم

تا نشیند آتش پیکار و کین　　پشت پا زد بر سر تاج و نگین

واں دگر مولائے ابرار جہاں　　قوت بازوے احرار جہاں

در نوائے زندگی سوز از حسینؓ　　اہل حق حریت آموز از حسینؓ

سیرت فرزندہا از امہات　　جوہر صدق و صفا از امہات

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ　　مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

بہر محتاجے دلش آنگونہ سوخت　　با یہودے چادر خود را فروخت

نوری وہم آتشی فرمان برش | گم رضایش در رضا سے شوہرش
آن ادب پروردۂ صبر و رضا | آسیا گردان ولب قرآن سرا
گریہ ہاے او ز بالین بے نیاز | گوہر افشاندے بدامان نماز
اشک او برچید جبریل از زمین | ہمچو شبنم ریخت از عرش برین
رشتۂ آئین حق زنجیر پاست | پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گردیدمے | سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمی

جناب امام حسن علیہ السلام

اسم شریف آنجناب کا حسنؑ ہے۔ پیدائش آنجناب کی ۱۵ ماہ رمضان ۳ھ کو بطن مطہرہ جناب فاطمہ سے مدینہ منورہ میں ہوی حضور سرورعالم کو جب آنجناب کی پیدائش کا علم ہوا تو خوش ہو کر تشریف لائے اور اللھم انی اعوذ بک و ولدہ من الشیطان الرجیم ۔ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ میرے بیٹے کو لاؤ اس حکم نبوی کی تعمیل میں آنجناب کو سفید پارچہ میں لپیٹ کر آنحضرت صلعم کے پاس لائے اور حضور نے جناب حسن کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت پڑھی۔ اس کے بعد جناب علی مرتضیٰ سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کا نام کیا تجویز فرمایا ہے۔ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جبریل امین نازل ہوے اور فرمایا کہ ارشاد باری یہ ہے کہ (علی رامرتبہ ہارون پیغمبر فرمودی۔ پس نام پسر علی بنام پسر ہارون بنہ۔ پس آنحضرت فرمود کہ نام پسر ہارون چیست

جبرئیل گفت کہ نام وے شبر است۔ پس آنحضرت فرمود کہ زبانِ من عربی است در عربی ترجمہ کن۔ جبرئیل گفت کہ حسن نام بنہ۔ پس حسنؑ نام نہادند۔ وہم چنین کہ بعد یک سال حسینؑ تولد شد نامش حسین کہ ترجمۂ شبر است نہادند۔ (سعادۃ الکونین)۔

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی شباہت سب میں زیادہ جناب امام حسنؑ میں تھی۔ اور جناب علیؓ سے روایت ہے کہ حسین سینے سے پاؤں تک آنحضرت صلعم کے مشابہ تھے۔ بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جناب امام حسنؑ کو اپنے کاندھے پر سوار کیا اور کہا کہ یا علیؓ یہ تمہارا بچہ جناب رسالت مآب سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ اس پر جناب علیؓ نے تبسم فرمایا۔ سبحان اللہ کیا خوب کہا ہے کسی نے:۔

ہر دو فرزند کہ تصویر جمال جدانند　　　نصف بالا حسن ونیمہ پائین شبیر

علیہ شریف آنجناب کا یہ ہے کہ رنگ آنجناب کا سرخ وسفید تھا۔ سیاہ چشم تھے رخسارے نرم تھے ریش مبارک گھنی تھی۔ سر مبارک کے بال کاندھوں تک تھے۔ سینہ فراخ تھا اور قد شریف میانہ تھا۔

آنجناب کے فضائل میں احادیث بکثرت ہیں۔ ازانجملہ بخاری ومسلم میں روایت ہے کہ آنحضرت صلعم جناب حسنؓ کو دوش مبارک پر بٹھائے ہوئے فرماتے تھے:۔ اللھم انی احبہ فاحبہ۔ یعنی خداوندا میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اسے دوست رکھ۔ اسی طرح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلعم منبر پر تشریف رکھتے تھے اور جناب حسنؑ آپ کے پہلو میں تھے حضور فرماتے تھے کہ:۔

ان ابنی ھذا سید ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین۔

اسی طرح بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ھما ریحانتای فی الدنیا یعنی حسنینؑ میرے

وہ خوشبودار پھول ہیں۔ اسی طرح ترمذی اور حاکم ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ الحسن والحسین سید آشباب اھل الجنۃ۔ یعنی حسنینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں۔ اسی طرح ترمذی نے انسؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت سے پوچھا کہ آپ اپنے اہلبیت میں سے سب سے زیادہ کس کو عزیز رکھتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ حسنین کو۔ اسی طرح حاکم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب حسنؑ آنحضرت کے دوش مبارک پر سوار تھے۔ ایک شخص کہنے لگا اے لڑکے کیا اچھی سواری ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا۔ ونعم الراکب ھو یعنی اونٹ پہ سوار کیسا اچھا ہے۔ امام محمدؒ سے روایت ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا کہ من احبنی واحب ھذین وابا ھما وامھما کان معی فی درجتی یوم القیٰمۃ۔ یعنی جو شخص مجھے اور حسنین اور ان کے والدین کو دوست رکھتا ہے وہ بروز قیامت میرے درجہ میں میرے ساتھ ہوگا۔

جناب امام حسن حلیم و کریم صاحب وقار و صاحب حشمت وجود اور ممدوح خلائق سردار تھے (صواعق محرقہ) آپ کی بخشش وجود و بذل اور دیگر فضائل کی تفصیلات معتبر کتب میں درج ہیں۔ اسی طرح آپ کی کرامات بھی اخبار و سیر کی کتابوں میں تفصیل درج ہیں ملاحظہ ہوں۔ (شواہد النبوۃ) وغیرہ۔

بعقیدہ اہل سنت جناب امام حسنؑ حسب ارشاد رسول صلعم آخری خلیفہ راشد و برحق ہیں اپنے پدر بزرگوار کی شہادت کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے والی امر خلافت ہوئے چھ مہینے اور چند روز خلافت کی۔ آپ خلیفہ برحق۔ وامام اصدق واعدل تھے جیسا کہ ان کے پدر بزرگوار نے فرمایا ہے۔ ھو الصادق المصداق لقولہ۔ حدیث شریف میں ہے۔ خلافۃ من بعدی ثلثون سنۃ۔ یعنی خلافت میرے بعد تیس برس رہے گی پس چونکہ آپ کی خلافت کے چھ مہینے ملا کر تیس سال کی مدت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ کی مدت خلافت منصوص علیہ ہے

اور اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ اور اس کی حقیقت اور واقعیت میں کوئی شک نہیں ہے (صواعق محرقہ) (بدانکہ شیخ عبدالحق دہلوی وغیرہ اعلام امت فرمودہ اند کہ امام حسنؑ خوف کرد کہ مبادا شاہاں داخل شوم و بنا بران خلافت ترک فرمود۔ زیرا کہ در حدیث آمدہ است کہ خلافت بعد از من سی سال است و بعد از ان سلطنت است۔ روایت کرد این حدیث احمد و ترمذی و ابوداؤد و تصحیح کرد این حدیث را ابن حبان و سی سال در ربیع الاول تمام شدہ بود۔ (سعادۃ الکونین صفحہ ۲۶)۔

وفات شریف آپ کی زہر قاتل کے اثرات سے واقع ہوئی زہر دینے والوں کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ مگر زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث نے یزید کے اغوا سے آپ کو زہر دیا تھا۔ وفات شریف علی اختلاف الروایات ۴۹ھ یا ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ہوئی مشہور ہے کہ سینتالیس سال کی عمر ہوئی ابتدائی سات سال عمر شریف کے جناب رسول کریم کے سایہ عاطفت میں بسر ہوئے۔ تیس سال آپ نے پدر بزرگوار جناب علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ گذارے۔ چھ مہینے خلافت کی اور بعد خلع خلافت ساڑھے نو سال مدینہ میں اقامت فرمائی (صواعق محرقہ)۔

آنجناب علیہ السلام کے تفصیلی حالات و فضائل کے لیے کتب اخبار و سیر کے تفصیلی مطالعہ کی ضرورت ہے۔ یہاں نہایت اختصار سے یہ حالات لکھے گئے ہیں۔ اولاد مبارک کی تعداد میں اختلاف ہے۔ لیکن چار فرزندان نامدار یعنے زید و حسن۔ و عمرو عبداللہ کے وجود پر سب کو اتفاق ہے دیگر اولاد کے متعلق اور بکثرت روایات ہیں۔ اور تعداد فرزندان بیس تک بیان کی جاتی ہیں۔

امروز کہ اولاد حسن رضی اللہ عنہ از ایشان بر زمین است باتفاق از زید و حسن

است (سعادۃ الکونین)

اسی طرح آنجناب کی اولاد و دختری کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام

ولادت باسعادت آنجناب کی ۴ ماہ شعبان سنہ ۴ھ کو بروز سہ شنبہ مدینہ منورہ میں بطن مطہرہ جناب فاطمہؑ سے ہوئی (اکمال فی اسماء رجال)۔ یہ بھی روایت ہے کہ بجائے معمولی مدت حمل کے جناب کی ولادت چھ ماہ مدت حمل کے ختم پر ہوئی اور یہی مدت حمل جناب یحییٰؑ کی بھی بیان کی جاتی ہے۔ جناب امام حسنؑ سے آپ صرف سات ماہ میں یوم چھوٹے تھے آپ کی ولادت باسعادت کی خبر سنتے ہی جناب رسول صلعم نے سجدۂ شکر ادا کیا اور جناب فاطمہؑ کی قیامگاہ پر تشریف لائے۔ اور انجناب کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جناب علیؑ سے آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا کہ تم نے اس بچہ کا کیا نام تجویز کیا ہے جواب دیا کہ میں اس کا نام حرب رکھنے والا تھا۔ یہ باتیں ہورہی تھیں کہ حضور صلعم کو القا ہوا کہ اس بچے کا نام حضرت ہارونؑ کے چھوٹے بیٹے کے نام پر حسین یا شبیر رکھا جائے۔ چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔ اور آپ دنیا کے تمام باخبر اشخاص میں آپ کا یہی نام نامی متعارف ہے۔ جس طرح جناب امام حسنؑ میں سینے سے اوپر کے حصے میں آنحضرت صلعم کی زیادہ شباہت تھی اسی طرح حصہ زیرین بدن میں آنحضرت صلعم کی شباہت جناب حسین علیہ السلام میں تھی۔

پایا کسی نبی نے خدا سے نہ آج تک | جس شان کا تھا جسم مصبع رسول کا
آثار کچھ حسنؑ کو ملے کچھ حسینؑ کو | یوں بٹ گیا اِک اور مرقع رسول کا

فضائل و مناقب

جناب امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب بے حد و بے قیاس ہیں چنانچہ کتب سیر و تاریخ آپ کے فضائل سے بھری پڑی ہیں آپ کی فضیلت مسلم کیوں نہ ہو کہ آپ میں جناب رسول کریمؐ ہی کا تو خون تھا۔ آپ کو سیادت مطلقہ بارگاہ ایزدی سے عنایت ہوئی تھی۔ جناب رسولؐ خدا آپ سے بےحد محبت فرماتے تھے۔ چنانچہ ذیل کی روایتوں سے آپ کی محبت کا کچھ حال معلوم ہوگا۔

ترمذی میں بروایت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ جناب رسولؐ خدا نے فرمایا کہ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں خدا اس کو دوست رکھتا ہے جو حسین کا دوست ہے۔ حضور اکرم اس شخص کو بےحد پسند فرماتے تھے جو جناب حسین علیہ السلام سے محبت کرتا تھا۔ چنانچہ ایک روز رسول کریم مدینہ کی کسی گلی سے گذر رہے تھے۔ وہاں چھوٹے چھوٹے بچے کھیل کود میں مصروف تھے آپ نے ایک لڑکے کو گود میں اٹھا لیا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اصحاب میں سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ حضور یہ کس کا لڑکا ہے جس سے آپ اس قدر محبت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن میرے حسین کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے پاؤں کی خاک اٹھا کر اپنی آنکھوں سے ملی پس اس دن سے میں بھی اسے محبت کی نگاہوں سے دیکھنے لگا ہوں۔ اور انشاء اللہ قیامت کے دن اس کا اور اس کے ماں باپ کا شفیع ہوں گا۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ و ابن حبان و حاکم سے روایت ہے کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ میں لڑونگا اُس سے جو لڑیگا۔ فاطمہؓ اور حسنؑ اور حسینؑ سے اور صلح کروں گا۔ اس سے جو صلح کرے گا ان سے۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک روز جناب رسول کریم صبح کے وقت باہر صحن میں بیٹھے ہوے تھے۔ اور ایک کمبل سیاہ بوٹہ دار جس میں کجاوہ شتر کی شکل بنی ہوئی تھی۔ آپکے جسم پر تھا۔ اتنے میں جناب امام حسنؑ آئے آپ نے انھیں اسی کمبل میں لے لیا اتنے میں جناب امام حسین علیہ السلام آئے آپ نے ان کو بھی وہ کمبل اڑھالیا۔ پھر حضرت فاطمہؓ آئیں انھیں بھی وہی کمبل اڑھا دیا۔ سب کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ آئے تو آپ نے انھیں بھی اسی کمبل میں جگہ دی اور آیہ تطہیر پڑہی۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔

ابن عبداللہ سے روایت ہے اور امام ترمذی نے روایت کی ہے کہ فرمایا جناب رسول کریم صلعم نے کہ آیا میرے پاس آسمان سے ایک فرشتہ جو اس سے قبل کبھی نہیں آیا تھا۔ اس نے سلام کیا اور خوشخبری دی کہ بتحقیق حسنؑ اور حسینؑ نوجوانان بہشت کے سردار ہیں۔

احمدؒ اور ترمذیؒ اور ابن ماجہؒ اور ابن داؤد و نسائی متفق الروایت ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں سامنے سے حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ تشریف لائے۔ بکم عمری کی وجہ سے دونوں صاحبزادوں کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے آپ نے دیکھا اور خیال کیا کہ کہیں گر نہ پڑیں۔ پس بے اختیار خطبہ چھوڑکر ان کی طرف دوڑے اور کمال محبت اور پیار کے ساتھ دونوں صاحبزادوں کو گود میں

اٹھالائے۔

اسی طرح ایک روز جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم مسجد نبوی میں نماز پڑھا رہے تھے اور سجدہ میں تھے کہ جناب امام حسین علیہ السلام دوڑے دوڑے آئے اور پشت مبارک پر سوار ہو گئے۔ آپ کو خیال ہوا کہ اگر سجدہ سے سر اٹھا دوں گا تو حسین علیہ السلام گر پڑیں گے ان کو چوٹ لگ جائے گی۔ یہ سوچ کر آپ سجدہ ہی میں پڑے رہے حتٰی کہ جناب امام خود پشت مبارک سے علیحدہ ہو گئے (سیرۃ الحسین)۔

سنہ ۶۱ھ میں کربلا کا وہ حادثہ پیش آیا جو تاریخ عالم میں خونیں الفاظ میں تحریر ہے اور ہر سال دسویں محرم کو نہ صرف مسلمان بلکہ بعض دیگر اقوام بھی کسی نہ کسی طرح اس کی یادگار مناتی ہیں۔ خداوند عالم کو یہ منظور ہے کہ قربان گاہ کربلا میں جن نیک بندوں نے خدا کی راہ میں سر کٹائے اور جن ظالموں نے ان کو بے دریغ قتل کیا ان کی یاد دلوں سے محو نہ ہو جائے ہم اپنے اس مختصر مضمون میں اس حادثہ عظیم کے حالات تفصیل تو کیا لکھ سکتے ہیں مگر اجمالاً ان کا ذکر کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔

سنہ ۶۰ھ میں جب یزید تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے ولید بن عقبہ حاکم مدینہ کو فرمان بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو حسینؑ بن علیؑ و عبداللہ ابن زبیرؓ و عبداللہ بن عمرؓ سے میری بیعت لیجائے اور اگر بیعت قبول نہ کریں تو ان کے سر کاٹ کر دار الخلافہ میں روانہ کئے جائیں۔ (روضۃ الصفا وحبیب السیر و تاریخ اعثم کوفی وغیرہ) تعمیل فرمان یزیدی حاکم مدینہ نے جناب امام علیہ السلام سے گفتگو کی بالآخر اس گفتگو کے ختم پر مرواں کے جواب میں جناب امام نے صاف طور پر فرمایا کہ یزید فاسق اور شرابی ہے۔ ومثلی لا یبایع مثلہ۔ (یعنی یہ کہ مجھ جیسا آدمی ایسے آدمی سے بیعت نہ کرے گا۔ اس جواب کی اطلاع دار الخلافہ جانے سے قبل جناب امام نے مکہ کا

سفر اختیار کیا۔ آنجناب کو اچھی طرح یزید کے احکام کا علم تھا۔ اور یہ نہ چاہتے تھے کہ مدینہ پاک میں اعمال سلطنت کے ہاتھ سے قتل کر دیے جائیں۔ لہذا آپ آیۂ (فخرج منہا خائفاً یترقب قال رب نجنی من القوم الظالمین) پڑھتے ہوئے بلا تاخیر سرگرم سفر ہو گئے (طبری)۔

ماہ شعبان ذی الحجہ کے شروع تک مکہ معظمہ میں آپ کا قیام رہا حج کے دن آچکے تھے مگر آنجناب کو اپنی گرفتاری اور قتل کے ارادوں سے اچھی طرح آگاہی تھی۔ پس نہایت عجلت کے ساتھ آنجناب نے حج کو عمرہ سے بدل کر عراق کی طرف سفر کیا ینابیع المودۃ میں تحریر ہے کہ

وکان فیہ خروج الحسینؑ من مکۃ الی العراق بعد ان طاف وسعی واحد من احرامہ وجعل حجۃ عمرۃ مفردۃ لانہ لم یتمکن من اتمام الحج ثلاثین رجلان من شیاطین بنی امیہ وامر بقتل الحسین فی کل حال (ینابیع المودۃ ص ۳۰۰)

یعنی یہ کہ ایام حج میں گرفتاری اور مکہ میں فساد ہونے کے احتمال سے آنجناب نے حج کو عمرہ سے بدل فرمایا اور اسی روز مکہ سے عراق کی طرف سے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ حاجیوں کی جماعت کے ہمراہ تیس شیاطین بنی امیہ یزید نے اس غرض سے بھیجے تھے کہ بہرحال حسینؑ کو قتل کر دیں۔ عراق پہنچنے پر جو صورت درپیش ہوی آج تک اہل عالم کی آنکھیں اس سانحہ علیم پر اشک بہا رہی ہیں۔ یہ وہی واقعہ ہے جو تاریخ عالم میں حادثہ فاجعہ کربلا کے نام سے خونین حروف میں درج ہے۔ جس میں بے وفا کوفیوں اور تیرہ دل شامیوں نے ابن رسول اللہ اور ان کے اعوان و انصار کو غایت ظلم و سفاکی سے بھوکا پیاسا تہ تیغ کیا۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔

آنجناب علیہ السلام جب روانہ ہونے لگے تو آپ کے بعض ہمدردوں نے آپ

عزم عراق سے باز رکھنا چاہا اور سمجھایا کہ کوفیوں سے امید وفا رکھنا غلطی ہے۔ اور خصوصاً جناب ابن عباسؓ نے زیادہ منع کیا۔ مگر آنجناب کو اچھی طرح علم ہو لیا تھا کہ دشمن درپئے قتل ہے۔ پس آپ نے اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرنے اور عزت کی شہادت حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اور مکہ میں گرفتار ہو کر گمنامی اور ذلت میں پڑ کر مارے جانے کو پسند نہ فرمایا سچ فرمایا ہے عارف رومیؒ نے ؎

خون شہیدان را ز آب اولی تر است　　　　و این خطا از صد صواب اولی تر است

تہذیب التہذیب کے حوالہ سے سعادۃ الکونین میں لکھا ہے :

ابن عباسؓ مخالفت کرد چنانکہ معلوم شد پس امام حسین علیہ السلام گفت کہ اے ابن عباسؓ پیر شدہ کہ سخن خرفی می گوئی مرا قتل شدن بجائے دیگر بہتر است ازاں کہ در مکہ کشتہ شوم۔ و حرمت مکہ بن حلال شود۔

وہ کونسی تاریخ اسلام کی کتاب ہے جس میں غایت افسوس و حزن کے ساتھ واقعات معرکۂ کربلا درج نہ کئے گئے ہوں اس کے علاوہ ہزارہا وہ کتابیں ہیں جو اکابر مصنفین نے مختلف زمانوں میں خاص اس واقعہ کی تفصیلات میں لکھی ہیں۔ اور اب تک برابر نظم و نثر میں یہ واقعات تحریر ہوتے چلے آرہے ہیں۔ در اصل یہ واقعہ ہی اس قدر ہوش ربا و جان گسل ہے کہ بڑے بڑے آزاد مورخین کی تحریر سے خواہ مخواہ بھی ہر پڑھنے والے کے دل میں جوش عقیدت سے توازن واقعات تاریخی کا قائم رکھنا از بس مشکل ہو جاتا ہے۔ دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ کربلا کو تحریراً و تقریراً و قولاً و فعلاً جس قدر دہرایا گیا ہے اس قدر کسی دوسرے واقعہ کو تاریخ عالم میں اب تک نہیں دہرایا گیا اور شائد (نہیں بلکہ یقیناً) یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سرالشہادتین میں فرماتے

[illegible] وحزن اور اس کا تذکرہ قیامت تک اس امت [illegible] اُستاد مورخ علامہ اکبرشاہ خاں نجیب آبادی کی مشہور معروف تاریخ اسلام [illegible] نقل کرتے ہیں یہ سب وہ واقعات ہیں جو مسلمات تاریخ [illegible] درجہ حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اور تمام معتبر کتب تواریخ و سیر میں درج ہوتے چلے آرہے ہیں۔ اکابر مورخین کے نزدیک اِن کی صحت کے باور کرنے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جب صبح ہوئی تو شمر ذی الجوشن اور عمرو بن سعد صفوف لشکر کو آراستہ کرکے میدان میں آئے حضرت امام حسینؓ نے بھی اپنے ہمراہیوں کو مناسب ہدایات کے ساتھ متعین کیا۔ شمر ذی الجوشن نے عبداللہ۔ جعفر۔ عثمان۔ عباس کو میدان میں بلا کر کہا کہ تم کو امیر ابن زیاد نے امان دیدی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ابن زیاد کی امان سے خدا کی امان بہتر ہے۔ شمر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا بعض روایات کے موافق آپ کے ہمراہ اس وقت جب کہ لڑائی ۱۰ محرم ۶۱ھ کی صبح کو شروع ہوئی۔ بہتّر آدمی موجود تھے۔ بعض روایات کے موافق ایک سو چالیس اور بعض کے موافق دو سو چالیس تھے۔ بہرحال اگر بڑی سے بڑی تعداد یعنے دو سو چالیس بھی تسلیم کریں تو دشمنوں کی ہزار ہا جرار فوج کے مقابلہ میں امام حسینؓ کے ساتھی کوئی حقیقت نہ رکھتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام اپنے ہمراہیوں کو مناسب مقامات پر کھڑا کرکے اور ضروری وصیتیں فرما کر اونٹ پر سوار ہوئے اور کوفی لشکر کی صفوف کے سامنے تنہا گئے۔ ان لوگوں کو بلند آواز سے مخاطب کرکے ایک تقریر شروع کی اور فرمایا کہ اے کوفیو! میں خوب جانتا ہوں کہ یہ تقریر کوئی نتیجہ میرے لیے

اس وقت پیدا نہ کرے گی اور تم کو جو کچھ کرنا ہے تم اُس سے باز نہ آؤ گے لیکن میں مناسب سمجھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی حجت تم پر پوری ہو جائے اور میرا عذر بھی ظاہر ہو جائے ابھی اسی قدر الفاظ کہنے پائے تھے کہ آپ کے خیمے سے عورتوں اور بچوں کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ ان آوازوں کے سننے سے آپ کو سخت ملال ہوا اور سلسلہ کلام کو روک کر اور لاحول پڑھ کر آپ نے کہا کہ عبداللہ بن عباسؓ مجھ سے سچ کہتے تھے کہ عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لیجاؤ۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے ان کے مشورہ پر عمل نہ کیا پھر لوٹ کر اپنے بھائی اور بیٹے کو پکار کر کہا کہ ان عورتوں کو رونے سے منع کردو اور کہو کہ اس وقت خاموش رہو کل خوب دل بھر کر رو لینا انہوں نے عورتوں کو سمجھایا۔ اور وہ آوازیں بند ہوئیں۔ حضرت حسین علیہ السلام نے پھر کوفیوں کی طرف متوجہ ہو کر اپنی تقریر اس طرح شروع کی۔

لوگو تم میں سے ہر ایک شخص جو مجھ سے واقف ہے۔ اور ہر ایک وہ شخص بھی جو مجھکو نہیں جانتا ابھی طرح آگاہ ہو جائے کہ میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسا اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کا بیٹا ہوں۔ اور حضرت فاطمہؓ میری ماں اور جعفرؓ طیار میرے چچا ہیں اس فخر نسبی کے علاوہ مجھکو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آنحضرت صلعم نے مجھکو اور میرے بھائی حسنؓ کو جوانان اہل جنت کا سردار بتایا ہے۔ اگر تم کو میری بات کا یقین نہ ہو تو ابھی تک آنحضرت صلعم کے بہت سے صحابی زندہ ہیں تم ان سے میری اس بات کی تصدیق کر سکتے ہو میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی میں نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور میں نے کسی مومن کو قتل نہ کیا نہ آزار پہنچایا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا بھی باقی ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک اس گدھے کی پرورش، اور نگہداشت میں مصروف رہتے

تم کیسے مسلمان اور کیسے امتی ہو کہ اپنے رسول کے نواسہ کو قتل کرنا چاہتے ہو نہ تم کو خدا کا خوف ہے نہ رسول کی شرم ہے۔ میں نے ساری عمر میں بھی کسی شخص کو کبھی قتل نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ مجھ پر کسی کا قصاص بھی نہیں۔ پھر بتاؤ کہ تم نے میرے خون کو کس طرح حلال سمجھ لیا ہے۔ میں دنیا کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر مدینہ میں آنحضرت صلعم کے قدموں میں جا پڑا تھا تم نے وہاں بھی مجھکو نہ رہنے دیا۔ پھر مکہ معظمہ کے اندر خانۂ خدا میں معروف عبادت تھا تم کوفیوں نے مجھکو وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور میرے پاس مسلسل خطوط بھیجے کہ ہم تم کو امامت کا حقدار سمجھتے اور تمہارے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ جب تمہارے بلانے کے موافق یہاں آیا تو اب تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے۔ اب بھی اگر تم میری مدد کرو تو میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو قتل نہ کرو اور آزاد چھوڑ دو تاکہ میں مکہ یا مدینے میں جا کر معروف عبادت ہو جاؤں اور خدا تعالیٰ خود اس جہان میں فیصلہ کر دے گا کہ کون حق پر تھا اور کون ظالم تھا۔

اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ :-

"خدا کا شکر ہے میں نے تم پر حجت پوری کر دی اور تم کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔"

پھر آپ نے ایک ایک کا نام لیکر آواز دی کہ اے شیث بن ربعی۔ اے حجاج بن الحسن۔ اے قیس بن الاشعث۔ اے حر بن یزید تمیمی۔ اے فلاں وفلاں کیا تم نے مجھکو خطوط نہیں لکھے تھے۔ اور مجھکو باصرار نہیں بلوایا تھا۔ اور اب جب کہ میں آیا ہوں تو مجھکو قتل کرنے پر آمادہ ہو۔ یہ سن کر ان سب لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ آپ کو بلایا۔ حضرت امام حسینؓ نے وہ خطوط نکالے اور الگ الگ پڑھ کر سنائے

کہ یہ تمہارے خطوط ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خواہ ہم نے یہ خطوط بھیجے یا نہیں بھیجے مگر اب ہم علی الاعلان آپ سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سن کر امام حسینؓ علیہ السلام اونٹ سے اترے اور گھوڑے پر سوار ہو کر لڑائی کے لئے مستعد ہو گئے کوفی لشکر سے اول ایک شخص میدان میں مقابلہ کی غرض سے نکلا مگر اس کا گھوڑا ایسا بدکا کہ وہ گھوڑے سے گرا اور گر کر مر گیا۔ اس کیفیت کو دیکھکر حر بن یزید تمیمی اس انداز سے جیسے کوئی حملہ آور ہوتا ہے اپنی ڈھال سامنے کرکے اور گھوڑا دوڑا کر امام حسینؓ کے پاس آیا اور ڈھال پھینک دی حضرت حسین نے پوچھا تو کس لئے آیا ہے اس نے کہا میں وہ شخص ہوں جس نے آپ کو ہر طرف سے گھیر کر اور روک کر واپس جانے نہ دیا اور اس میدان میں قیام کرنے پر مجبور کیا میں اپنی اس خطا کی تلافی میں اب آپ کی طرف سے کوفیوں سے مقابلہ کرونگا۔ آپ میرے لئے مغفرت کی دعا کریں امام حسینؓ نے اس کو دعا دی اور بہت خوش ہوئے۔ شمر ذی الجوشن نے سعد سے کہا کہ اب دیر کیوں کر رہے ہو۔ عمرو سعد نے فوراً ایک تیر کمان جوڑ کر حضرت حسین علیہ السلام کی طرف پھینکا۔ اور کہا کہ تم گواہ رہنا کہ سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے۔

اس کے بعد کوفیوں کے لشکر سے دو آدمی نکلے۔ امام حسین کی طرف سے ایک بہادر نے مقابلہ پر جا کر دونوں کو قتل کر دیا پھر اس طرح لڑائی کا سلسلہ جاری ہوا دیر تک مبارزہ کی لڑائی ہوتی رہی۔ اور اس میں کوفیوں کے زیادہ آدمی مارے گئے پھر اس کے بعد امام حسینؓ کی طرف سے ایک ایک آدمی نے کوفیوں کی صفوں پر حملہ کرنا شروع کیا۔ اس طرح بہت سے کوفیوں کا نقصان ہوا۔ حضرت امام حسینؓ کے ہمراہیوں نے آل ابی طالب کو اس وقت تک میدان میں نہ نکلنے دیا جب تک کہ وہ ایک ایک

کرکے سب کے سب نہ مارے گئے۔ آخر میں مسلم بن عقیل کے بیٹوں نے آل علی پر سبقت کی
ان کے بعد حضرت امام حسینؑ کے بیٹے علی اکبرؓ نے دشمنوں پر رستمانہ حملے کئے اور بہت سے
دشمنوں کو ہلاک کرنے کے بعد خود بھی شہید ہو گئے ان کے قتل ہونے کے بعد امام حسینؑ
سے ضبط نہ ہو سکا اور آپ رونے لگے پھر آپ کے بھائی عبداللہ و محمد و جعفر و عثمان
نے دشمنوں پر حملہ کیا اور بہت سے دشمنوں کو مار کر خود بھی ایک ہی جگہ ڈھیر ہو گئے۔
آخر امام حسنؑ کے ایک نوعمر بیٹے محمد قاسم نے حملہ کیا اور وہ بھی مارے گئے غرض کہ امام
حسینؑ کے لیے کربلا میں اپنی شہادت اور دوسری تمام مصیبتوں سے بڑھ کر مصیبت و
محنت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنے بھائیوں اور بیٹوں کو شہید ہوتے
ہوے اور اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ان روح فرسا نظاروں کا تماشا دیکھتے ہوے
دیکھا امام حسین علیہ السلام کے ہمراہیوں اور خاندان والوں نے ایک طرف اپنی بہادری
کے نمونے دکھائے تو دوسری طرف وفاداری و جان نثاری کی بھی انتہائی مثالیں
پیش کر دیں نہ کسی شخص نے کمزوری و بزدلی کا اظہار کیا نہ بیوفائی و تن آسانی کا الزام
اپنے اوپر لیا حضرت امام حسین علیہ السلام سب سے آخر تنہا رہ گئے تھے خیمہ میں عورتوں
کے سوا صرف علی اوسط معروف بہ زین العابدینؓ جو بیمار اور چھوٹے بچے تھے باقی رہ
گئے تھے۔ عبداللہ بن زیاد ظالم نے یہ بھی حکم بھیج دیا تھا کہ امام حسینؑ کا سر مبارک کاٹ کر
ان کی لاش گھوڑوں سے یہاں تک پامال کرا دی جائے کہ ہر ایک عضو ٹوٹ جائے
حضرت امام حسینؑ نے تنہا رہ جانے کے بعد جس بہادری اور جواں مردی کے ساتھ
دشمنوں پر حملے کئے ہیں ان حملوں کی شان دیکھنے والا ان کے ہمراہیوں میں سے کوئی
نہ تھا مگر عمرو بن سعد اور شمر ذی الجوشن آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے کہ

ہم نے آج تک ایسا بہادر وجری انسان نہیں دیکھا۔ اس غم کی داستان اور رنج کو مضمحل کردینے والی کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم پر پینتالیس زخم تلوار اور نیزے کے اور پینتیس زخم تیر کے تھے مگر آپ برابر دشمنوں کا مقابلہ کئے جا رہے تھے۔ ایک دوسری روایت کے موافق ۳۳ زخم نیزے کے اور ۳۴ زخم تلوار کے تھے اور تیروں کے زخم ان کے علاوہ تھے۔ شروع میں آپ گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ آور ہوتے رہے تھے لیکن جب گھوڑا مارا گیا تو پھر پیدل لڑنے لگے۔ دشمنوں میں کوئی شخص بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسینؑ میرے ہاتھ سے شہید ہوں بلکہ ہر شخص آپ کے مقابلہ سے بچتا اور طرح دیتا تھا۔ آخر شمر ذی الجوشن نے چھ شخصوں کو ہمراہ لے کر آپ پر حملہ کیا ان میں سے ایک نے شمشیر کا ایسا وار کیا کہ امام حسین علیہ السلام کا بایاں ہاتھ کٹ کر الگ گر پڑا حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس پر جوابی وار کرنا چاہا لیکن آپ کا داہنا ہاتھ بھی اسی قدر مجروح ہو چکا تھا کہ تلوار نہ اٹھا سکے پیچھے سے سنان بن انس نخعی نے آپ کو نیزہ مارا جو شکم سے پار ہو گیا۔ آپ نیزے کا یہ زخم کھا کر گرے اس نے نیزہ کھینچا اور ساتھ ہی آپ کی روح بھی کھنچ گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے بعد شمر نے یا شمر کے حکم سے کسی دوسرے شخص نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر جسم سے جدا کر دیا اور عبید اللہ بن زیاد کی حکم کی تعمیل کے لیے ۱۲ سوار متعین کئے گئے انہوں نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے آپ کے جسد مبارک کو خوب کچلوایا پھر خیمہ کو لوٹا۔ آپ کے اہل بیت کو گرفتار کیا زین العابدینؓ جو لڑکے تھے شمر ذی الجوشن کی نگاہ پڑی تو ان کو اس نے قتل کرنا چاہا مگر عمرو بن سعد نے اس کو اس حرکت سے باز رکھا۔

حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک اور آپ کے اہل بیت کوفہ میں ابن زیاد کے پاس بھیجے گئے۔ کوفہ میں ان کو تشہیر کیا گیا۔ ابن زیاد نے دربار کیا اور ایک طشت میں رکھ کر امام حسینؓ کا سر اس کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے اس سر کو دیکھ کر گستاخانہ کلمات کئے۔ پھر تیسرے روز شمر ذی الجوشن کو ایک دستہ فوج دے کر اس کی نگرانی میں یہ قیدی اور سر مبارک یزید کے پاس دمشق کی جانب روانہ کیا (تاریخ اسلام اکبر خانی)

اس حادثہ فاجعہ عظیمہ کی یاد اس وقت تک مسلمانوں کے دلوں میں تازہ ہے اور قیامت تک تازہ رہے گی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سر الشہادتین میں تحریر فرماتے ہیں (ذکر حسینؓ اس لئے ہے کہ مطلع ہوں حاضر و غائب اس کے وقوع پر بلکہ بکا و حزن دوامی کے بقا کے لیے ہے اور ذکر کرنا ان وقائع ہائلہ کا امت رسول میں روز قیامت تک رہے گا۔ اس کی انتہائی شہرت ملاء اعلیٰ و اسفل و غائب و حاضر و جن و انس و ناطق و صامت سب تک پہنچ گئی ہے (ترجمہ)۔

اگر وہ تمام آنسو جو غم حسینؓ میں اب تک بہائے گئے ہیں یکجا جمع کئے جائیں تو یقین ہے کہ سیلاب عظیم کا نقشہ آنکھوں میں سما جائے گا۔ اگر وہ سب آہیں اور نالے جو غم حسینؓ میں نکالے گئے ہیں یکجا کر دیئے جائیں تو یقین ہے کہ نفخ صور قیامت کا سماں بندھ جائے گا وہ کونسی مجلس حال و قال کی ہوئی ہے جو جناب سید الشہدا کے اسوۂ حسنہ کے ذکر سے خالی رہی ہو اور وہ کونسا بدقسمت شقی القلب انسان اور مسلمان ہے جس نے اس مظلومی کی داستان سن کر کم از کم دو چار بار اپنی زندگی میں آنسو نہ بہائے ہوں ؎

زین مصیبت داغہا بر سینۂ سوزان ماست ‏ زین عزا صد شعلۂ غم در دل بریان ماست
(عطارؒ)

حضرت امام احمد حنبلؒ اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ان من دفعت عینا ہ دفعتہ علی الحسین وقطرت بواہ اللہ تعالیٰ فی الجنۃ۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ جس روز امام حسینؑ شہید ہوے اسی رات میں نے جناب رسولؐ کو خواب میں دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں وہ خون جمع کرتے جاتے ہیں میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ یہ کیا ہے فرمایا کہ یہ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے میں اسے خدا کے سامنے پیش کروں گا۔ ابن عباسؓ نے صبح کو لوگوں کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر دی اور اپنا یہ خواب بیان کیا جو بعد تحقیق صحیح ثابت ہوا (تاریخ کامل ابن اثیر)۔

یہ بالکل سچ ہے کہ اکابر علما و جمہور مسلمین نے بے حد ہمدردی جناب امام علیہ السلام اور ان کے اعوان وانصار و جملہ شہدا و پسماندگان واقعہ کربلا کے ساتھ ظاہر کی ہے اور مسلمانوں کا سواد اعظم یہی مانتا آیا ہے کہ امام مظلوم نے جو کچھ کیا وہ برحق کیا اور ایسا ہی کرنا چاہیے تھا حتیٰ کہ آنجناب کی شہادت سے بارگاہ ایزدی میں توسل کرنا قدیم سے اہل اسلام کا شعار چلا آتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ایک قلیل جماعت ناصبیون اور ان لوگوں کی موجود رہی ہے جن کا شعار جناب امام ہمام کے اعمال حسنہ پر نکتہ چینی اور جہاں تک ممکن ہو سکے اعمال یزیدی کی طرف داری ہے اور وہ کونسی گراں پایہ ہستی دنیا میں ہوی ہے جس پر نکتہ چینوں نے تہمتیں نہ تراشی ہوں حتّٰی کہ حضور سرور کائنات صلعم کی پاک سیرۃ پر مخالفوں اور نکتہ چینوں نے کیا کسر اٹھا رکھی ہے۔ جناب امام ہمام علیہ السلام بھی تو آخر آنحضرت صلعم ہی کے نواسے ہیں اگر ابن عربی مالکی نے (ان الحسین قتل بسیف جدہ) لکھدیا تو کیا تعجب ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ حسینؓ اپنے جد کی تلوار سے قتل کیے گئے بالفاظ دیگر امام حسین نے حاکم وقت کے مقابل بغاوت کی اور ان کو بحکم شریعت رسول قتل کیا گیا۔ اور جو سزا باغی کی مقرر ہے وہ (نعوذ باللہ) باغی امام حسین کو دی گئی۔ اس کا اصلی اور حقیقی جواب تو ابن مالکی کو داور حشر کی عدالت میں ملیگا

جب خود جناب رسول کریم اور ان کے جگر پارہ جناب سیدہ کی جانب سے اس خون ناحق کا استغاثہ پیش کیا جائیگا اور یزید اور اس کے جملہ اعوان و انصار، وحامی وہم خیال عقوبت میں گرفتار رہوں گے مگر یہاں اس دار فانی میں بھی علمار ربانیین ومورخین صادقین نے ابن عربی مالکی کا جواب لکھنے اور یزید کے اعمال ظلم وجور کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی ہے مشہور مورخ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مشہور مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

ابن العربی مالکی نے اس مسئلہ میں سخت غلطی کی ہے کہ اپنی کتاب العواصم والقواصم میں لکھ گیا کہ حضرت امام حسینؓ علیہ السلام اپنے نانا کی شریعت پر قتل کئے گئے قاضی نے اس لیے غلطی کی کہ اسے معلوم نہ تھا کہ باغیوں سے لڑنے کے لیے امام عادل کا ہونا شرط ہے اور حضرت امام حسینؓ سے زیادہ آپ کے زمانے میں امامت وعدالت کے بارے میں کونسا شخص احق تھا پھر محض ایک فاسق وفاجر (یزید) کی رائے سے آپ کے قتل ہونے کو کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ شریعت محمدی پر آپ قتل کئے گئے حضرت امام کے قتل کی بابت یہ خیال کرنا کہ آپ جائز اجتہادی حکم سے قتل ہوئے سخت غلطی ہے (مقدمہ ابن خلدون جلد دوم)۔

اسی طرح سید الوسی بغدادی اپنی مشہور تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ) :۔" ابن عربی مالکی نے اس پر خدا کی طرف سے وہ نازل ہو۔ جس کا وہ مستوجب ہے سخت افترا اور بہتان کیا ہے جو اس نے یہ خیال کیا کہ حسینؓ اپنے جد کی تلوار سے قتل کئے گئے اور بعض جہلا اس کے ہم خیال ہیں لیکن یہ بڑی سخت بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے اور محض دروغ بے فروغ ہے"۔

اسی طرح دیگر علمائے کرام وصوفیائے عظام نے ہر زمانہ اور ہر زمین میں قولاً فعلاً

سراً وعلانیۃً ان خیالات واعتراضات واہیہ کی تردید ہمیشہ کی ہے فدائیان رسول اللہ صلعم سے یہ بات نہایت درجہ بعید ہے کہ وہ رسول اللہ کے بیٹے کے قاتل سے کسی طرح بھی تولاً جائز رکھیں یزید علیہ ما علیہ کی سیرۃ کا حال نہایت قدیم مورخ مسعودی نے مروج الذہب میں مختصر مگر جامع بیان کر دیا ہے۔ لکھتا ہے :-

ولیزید وغیرہ اخبار عجیبۃ ومثالب کثیرۃ من شرب الخمر وقتل ابن الرسول ولعن الوصی وھدم البیت واحراقہ وسفك الدماء والفسق والفجور وغیر ذالك مما قد ورد فیہ الوعید بالیاس من غفرانہ کورودہ فی من جحد توحیدہ وخالف رسلہ (مروج الذہب)۔

صاحب اتحاف تحریر فرماتے ہیں :-

لا شك ان یزید بن معاویہ ھو قاتل الحسینؓ لانہ الذی ندب عبید اللہ بن زیاد لقتل الحسینؓ (اتحاف لحب الاشراف ص۶۶)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :-

انہ کفر لما امر بقتل الحسینؓ (شرح عقاید نسفی)۔

نیز اسی مشہور و مقبول کتاب میں تحریر ہے :-

والحق ان رضا یزید بقتل الحسینؓ وتبشارہ بذالك واھانتہ اھلبیت النبی مما تواتر معناہ وان کان تفاصیلہ احاداً۔

علامہ عبد الحیٔ فرنگی محلی تحریر فرماتے ہیں :-

بعضے گویند کہ قتل امام حسینؓ گناہ کبیرہ است نہ کفر ولعنت مخصوص است بکفار

نازم بر فطانت ایشان۔ ندانستند کہ کفر یک طرف خود ایذاے جناب رسول الثقلین چہ ثمرہ دارد"

وقال اللہ تعالیٰ ان الذین یوذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ (شہادت حسین)۔

الغرض جناب حسین علیہ السلام کی بے گناہی اور حق پژوہی اور آنجناب کے قاتلین و مخالفین کے کفر و مظالم پر اگر لکھا جائے تو دفتر بھی کافی نہیں ہو سکتا۔ ہماری یہ مختصر کتاب ان تمام مباحث کی کس طرح حامل ہو سکتی ہے۔ عالم اسلام کے در و دیوار بلکہ شش جہت اس امر کے گواہ ہیں کہ حسین مظلوم ہیں اور یزید اور اس کے جملہ متبعین و اعوان و انصار ظالم اور امت محمدی میں ان کی ہستیاں غایت درجہ مبغوض و مردود ہیں حتیٰ کہ یزید کا نام بدکاری اور ظلم و ستم کے لیے ضرب المثل ہے حضرت شیخ سعدی شیرازی تحریر فراتے ہیں:۔

عاملان در زمان معزولی ہمہ شبلی و بایزید شوند

باز چوں بر سر عمل آیند شمر ذی الجوشن و یزید شوند

اگر ہمارے اس بیان کی صداقت میں کسی کو ادنیٰ شبہہ بھی ہو تو اسے چاہیے کہ اپنا نام بدل کر یا اپنی اولاد کا نام یزید رکھکر دیکھ لے۔ بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ یہ نام کس قدر عزیز و محبوب ہے۔ یا مبغوض و مردود۔ اس سے زیادہ کونسی زندہ شہادت اس نام کے ذلیل و خوار ہونے کی ہو سکتی ہے۔ ہر شخص جس طرح ابلیس و شیطان نام رکھنے میں کراہت کرتا ہے اسی طرح قاتل حسینؑ کا نام رکھنے میں بھی ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو بالطبع کراہت ہوتی ہے۔ اب دنیائے اسلام میں بدترین ناموں میں سے ایک نام یزید بھی ہے۔ اور کوئی شک نہیں کہ جس طرح فرعون اور اس کے نام سے مسلمان بیزار ہیں اسی طرح یزید کی ذات بھی ہے

بلکہ بقول مسعودی یزید فرعون سے بھی بدتر ہے (وسیرہ وسیرۃ فرعون بل کان فرعون اعدل منہ (مروج الذھب جلد ۲ صفحہ ۴۰)

علامہ سیوطی اپنی تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز رض خلیفہ اموی کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المومنین کہہ کر یاد کیا تو آپ نے اس کی پاداش میں اس شخص کے بیس کوڑے لگوائے (تاریخ الخلفا) شارح عقاید نسفیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

نحن لانتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ۔

ملک العلما دولت آبادی تحریر فرماتے ہیں:۔

الامۃ اجتمعت والائمۃ اتفقت علی الکفر واللعن قاتل الحسین رض

(مناقب السادات)

صاحب تفسیر روح المعانی تحریر فرماتے ہیں:۔

فلعنۃ عز وجل علیھم اجمعین وعلی انصادھم وعلی اعوانھم وشیعتھم ومن مال علیھم الی یوم الدین ما دمعت عین ابی طالب عبد اللہ الحسین رض۔

الغرض یزید کے مبغوض ومردود ہونے کے ثبوت میں ہم کہاں تک منقولات تحریر کر سکتے ہیں اگر ایک ابن عربی مالکی نہیں ہزار ابن عربی مالکی یزید کے ہاتھ میں قتل حسین رض کے لیے رسول اللہ کی تلوار دلانا چاہیں تو اس تلوار کا وار پلٹ کر خود یزید پر ہی پڑتا ہے اور اس کے بعد یزید کے ہواخواہوں اور ثناخوانوں پر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جوانان جنت کا سردار رسول اللہ کے حکم اور رسول کی تلوار سے قتل ہو حضور صلعم کا ارشاد ہے کہ حسین رض مجھ سے ہے اور میں حسین رض سے ہوں۔ خدا دوست رکھے اس کو جو حسین رض کو دوست رکھتا ہے

البخاری و ترمذی و صواعق محرقہ)۔

و در قصص بخاری میگوید دراں ساعت کہ سر مبارک حسینؓ راپیش یزید آوردند

یزید شاد شد و خمر خورد واز سر مبارک انواع اہانت میکرد۔ چوں خبر بہ بعضے صحابہ

رسول خدا رسید گریاں بیا مدند و گفتند کہ اے ملعون چہ میکنی ایشاں راگردن زد

پس بعضی گویند ہفت تن از صحابہ بودند و در عزرا لیہ میگوید کہ از امام شعبی روایت

است کہ بعد قتل حسینؓ فرزندان و منکوحۂ وی را یزید لعین در دمشق بگردانید و در

مناہج میگوید کہ قران راہدف ساختہ بود و در تہذیب الکاملہ میگوید یزید و ردہن

مبارک حسینؓ میخ زد و انواع اہانت کرد درین کتاب و در قصص سلو بہ می گوید

یزید لعین سر مبارک حسینؓ را انواع اہانت کرد و در مدینہ نامہ فرستاد کہ سرامیر

امام حسین برابر نامہ روان وارید و بعد قتل امام حسینؓ لشکر را بتخریب مدینہ فرستاد

مدینہ غارت نمود و یا نصد کس از صحابہ شہید شدند و مدینہ و خانہ مصطفی را تا سہ

روز غارت کردند و اسباب ام المومنین ام سلمہ غارت کردند و حرم رسول

خدا کہ باآن روز زندہ بودند بطریق بردہ ہا گرفت و در مشکوٰۃ میگوید کہ سر مبارک

حسینؓ بن علیؓ را رنگ کردہ آوردند برنگ وسمہ و نیل۔ و در صحیح بخاری و مسلم آمدہ است

کہ راوی میگوید کہ آن شب سر مبارک حسینؓ بیاوردند و در طشت رنگ کردہ بودند

و بر بینی مبارکش بنوک نیزہ می زدند و بطریق بے حرمتی و استہزا سخن میگفتند و در اہانت

کردن سر مبارک از یزید روایات بسیار واقع است دریں جا بسبب اختصار مذکور

نشد ہکذا در مناقب السادات حاصل آنکہ چون یزید قتل حسینؓ و تخریب مدینہ منورہ

و اہانت اہل بیت و حرم رسول خدا و گستاخی از کعبۃ اللہ و شہادت صحابہ شہید انبیا نمود

زنا و لواطت و شرب خمر و دیگر معاصی مباح گردانید بالقطع وے کافر باشد پس لعن بر وے جائز است ۔ ہکذا مذہب اہل السنۃ و بعضے از اعلام دین کہ منع نمودہ اند نظر بر آں کہ از لعن گفتن چہ حاصل آنقدر کلمات خیر مثل قرات قرآن و درود بر زبان راندہ روح ائمہ اطہار شاد نمایند و نزد ارباب تحقیق از اہل سنت و جماعت فقط از امر بہ قتل نمودن امام ہمام کافر شدہ قطع نظر از دیگر معاصی بالجملہ وی مبغوض ترین مردم و مقبوح ترین خلائق نزد علمائے سنت و جماعت است و آن کار ناشایستہ کہ وی ملعون کردہ ہیچکس دریں امت نکردہ لعنت خدا باد بر وی و بر پیروان و یاران و مددگاران وی لشکر وی از خدا و فرشتہ ہا و سائر مردمان ہر زمان و ہر لمحہ باد و آنچہ کہ از علمائے ما ذکر لعن و طعن بر آن ملعون و مطعون در کتب خود کردہ اند اگر دریں جا مذکور نماید این مختصر بطول انجامد و صاحب کتاب مناقب السادات گفتہ کہ از مذاہب اربعہ اہل السنن منع در لعن یزید دیدہ نشدہ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ ہذہ طریق الحق دمحی علوم الدین المبین ۔ (سعادۃ الکونین)۔

نواصب اور بعض سنی نما نواصب کی طرف سے ہمیشہ یہ خیال پھیلانے کی کوشش کیجاتی ہے کہ حسینؓ اندھے بن کر (معاذ اللہ) ملک گیری کی ہوس میں کربلا میں جا پہنچے اور بالآخر ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو ان کے باپ نے طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ جنگ جمل میں کیا تھا ۔ یہ ایک ایسا زبردست مغالطہ ہے کہ واقعات و حقائق تاریخی کی روشنی میں شاید ہی اس کا کوئی ثانی مل سکے افسوس ہے کہ ہماری اس مختصر کتاب میں اس مبحث پر لکھنے کے لیے کافی گنجایش نہیں ہے اللہ تعالی کا فضل و کرم ہو اُن علمائے حقانی پر کہ انہوں نے

نہایت زور و شور سے اس خیال فاسد کا اچھی طرح قلع قمع کر دیا ہے۔ مولنا محمد علی جوہر جو زمانہ حال میں مسلمانان ہند کے مشہور سیاسی رہنما اور عالم و فاضل ہوئے ہیں فرماتے ہیں (قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے ٭ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد) شاعر بے مثال علامہ اقبال تحریر فرماتے ہیں۔

مدعائش سلطنت بودے اگر خود نکردے باچنیں سامان سفر

ہم یہاں قرآن پہلوی کا ایک شعر نقل کرکے اس اعتراف کے ساتھ اپنے اس مضمون کو ختم کرتے ہیں کہ جناب سیدالشہدا کے جس قدر فضائل و مناقب ہیں اُن کا ایک شمہ بھی بیان نہیں کر سکے فرماتے ہیں۔ عارف رومیؒ:۔

کورکورانہ مرو در کربلا تا نیفتی چون حسینؑ اندر بلا (مثنوی شریف)

ممکن ہے کہ کوتاہ بینوں کو قلت بصیرت کے باعث اس کلام معجز نظام کے معنی سمجھنے میں غلطی ہو لہذا اس کی وضاحت ضروری ہے کہ مصرعہ ثانی میں (تا) کے معنی (تاکہ) نہیں ہیں بلکہ اس (تا) کے معنی (تا آنکہ یا حتیٰ) ہیں جیسا کہ فارسی میں کثرت استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً "تا مرد سخن نہ گفتہ باشد"۔ وغیرہ۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تو مثل حسینؑ کے آزمائش میں پڑنے کے لیے آمادہ نہ ہو اندھے پن سے کربلا میں (یعنی امتحان گاہ میں) نہ چلا جا بالفاظ دیگر یہ کہ صبر و استقامت کی دشوار اور جان گسل آزمائش میں پڑنے کے لئے حسینؑ کی سی عالی ظرفی اور صبر و رضا کی ضرورت ہے۔ ورنہ اندھے پن سے بغیر سوچے سمجھے اس آزمائش میں پڑنا بے سود ہے بقول شاعر۔

تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر ٭ سرفروشی کی تمنا ہے تو سر پیدا کر

یہ وہ معنی اس شعر کے ہیں جسے علمائے کرام بیان کرتے چلے آئے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ

عارف رومیؒ کے اِس کلام سے جناب امام حسین علیہ السلام کی غایت درجہ تمجید و عالی مقامی ثابت ہوتی ہے (ملاحظہ ہو التکشف عن مہمات التصوف مصنفہٗ حکیم الامت حضرت مولنا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی نیز دیگر کتب تصوف)۔ یہ سب تو مسلمان ہی ہیں اغیار کے اکابر نے بھی جن کی غیر جانب داری تسلیم شدہ امر ہے اس واقعہ شہادت کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے (واقعات کربلا سے قومی غیرت و حمیت کا درس ملتا ہے جو کسی تاریخ میں نہیں ملتا (کارلایل) حضرت امام حسینؓ دنیا کے سب سے بڑے شجاع تھے (جیمیں کارکرن) حسینؓ کی شہادت کا واقعہ ہر سنگدل کو خون کے آنسو رلائیگا (گبن) وغیرہ وغیرہ۔ اللہ اللہ امام ہمام کا وہ درجہ رفیع و اعلیٰ جس کی رفعت پر خود کلام الہٰی اور کلام رسول جا بجا ناطق ہے اور اس کے بعد اکابر امت اور ان لوگوں کے کلام آنجناب علیہ السلام کی مدح و منقبت میں ہیں جو کا نبیا بنی اسرائیل ہیں اور دیگر اکابر شعرا ور مصنفین کا اگر شمار کیا جائے تو محض اسم نویسی کے واسطے ہی ایک دفتر درکار ہے سلطان الہند خواجہ غریب نواز رح کے یہ دو شعر کس قدر مشہور و مقبول ہیں:۔

شاہ است حسینؓ بادشاہ است حسینؓ — دین است حسینؓ دین پناہ است حسینؓ

سرداد و نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؓ

شاعر بے مثال ترجمان حقیقت علامہ اقبال جناب امام حسین علیہ السلام کی شان میں لکھتے ہیں:۔

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است — پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

قطب العالم مدار الاعظم عارف بریلوی حضرت مولنا شاہ نیاز احمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

اے دل بگیر دامن سلطان اولیا	یعنی حسینؓ ابن علیؓ جان اولیا
ذوقے دگر بجام شہادت از و رسید	شوقے دگر بمستی عرفان اولیا
آئینۂ جمال الٰہی است صورتش	زان رو شداست قبلۂ ایمان اولیا
تا کرد صرف حق سر و ساماں تمیش	گوے سبق ربودہ ز میدان اولیا
روے نکوش مطلع صبح سعادت است	سیمائے اوست شمع شبستان اولیا
دارد نیاز حشر خود امید با حسینؓ	با اولیاست حشر محبان اولیا

زمانہ حال کے شاعر بے مثال علامہ اقبال سلمہ اللہ التعال نے کس قدر عقیدت کے ساتھ یہ مشہور و مقبول نظم لکھی ہے مولنا جامیؒ اگر بقید حیات ہوتے تو علامہ اقبال کی اس نظم کی داد کما حقہٗ دے سکتے تھے اور یقیناً آنجناب کی روح پر فتوح یہ دیکھکر سجدہ سرور ہوتی ہوگی۔ کہ اقلیم سخن میں انکا ایک حقیقی جانشین چودھویں صدی ہجری میں بھی موجود ہے خود اقبال لکھتے ہیں:۔

کشتۂ انداز ملا جامیم	نظم و نثر او علاج خامیم

در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا

(از ترجمان حقیقت علامہ سر شیخ محمد اقبال)

ہر کہ پیمان با ہوا الموجود بست	گردنش از بند ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است	عشق را ناممکن ما ممکن است
عقل سفاک است و او سفاک تر	پاک تر چالاک تر بیباک تر

عقل در پیچاک اسباب و علل — عشق چوگان باز میدان عمل

عشق صید از زور بازو افگند — عقل مکار است و دامی می‌زند

عقل را سرمایه از بیم و شک است — عشق را عزم و یقین لاینفک است

آن کند تعمیر تا ویران کند — این کند ویران که آبادان کند

عقل چون باد است ارزان در جهان — عشق کمیاب و بهای او گران

عقل محکم از اساس چون و چند — عشق عریان از لباس چون و چند

عقل می‌گوید که خود را پیش کن — عشق گوید امتحان خویش کن

عقل با غیر آشنا از اکتساب — عشق از فضل است و با خود در حساب

عقل گوید شاد شو آباد شو — عشق گوید بنده شو آزاد شو

عشق را آرام جان حریت است — ناقه‌اش را ساربان حریت است

آن شنیدستی که هنگام نبرد — عشق با عقل هوس پرور چه کرد

آن امام عاشقان پور بتولؓ — سرو آزادی ز بستان رسولؐ

الله الله بای بسم الله پدر — معنی ذبح عظیم آمد پسر

بهر آن شهزادهٔ خیر الملل — دوش ختم المرسلین نعم الجمل

سرخ رو عشق غیور از خون او — شوخی این مصرع از مضمون او

در میان امت آن کیوان جناب — همچو حرف قل هو الله در کتاب

موسیٰؑ و فرعون و شبیر و یزید — این دو قوت از حیات آید پدید

زنده حق از قوت شبیری است — باطل آخر داغ حسرت میری است

چون خلافت رشته از قرآن گسیخت — حریت را زهر اندر کام ریخت

خاست آں سر جلوۂ خیر الامم ؑ — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم

بر زمین کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خون او چمن ایجاد کرد

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است — پس بنائے لا الہٰ گردیدہ است

مدعایش سلطنت بودے اگر — خود نکردے با چنیں ساماں سفر

دشمناں چوں ریگ صحرا لاتعد — دوستانِ او بہ یزداں ہم عدد

سرِ ابراہیم ؑ و اسمٰعیل ؑ بود — یعنی آں اجمال را تفصیل بود

عزم او چوں کوہساراں استوار — پائدار و تند سیر و کامگار

تیغ بہر عزت دین است و بس — مقصد او حفظ آئین است و بس

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست — پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

خون او تفسیر ایں اسرار کرد — ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید — از رگ ارباب باطل خوں کشید

نقش اِلّا اللہ بر صحرا نوشت — سطر عنوانِ نجاتِ ما نوشت

رمز قرآں از حسین ؓ آموختیم — ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

شوکت شام و فرِ بغداد رفت — سطوت غرناطہ ہم از یاد رفت

تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

اے صبا اے پیک دور افتادگاں — اشک ما بر خاک پاک او رساں

صاحب سعادالکونین تحریر فرماتے ہیں :-

اولاد آنجناب درین زمان از علی ابن الحسین ؓ و از فاطمہ ؓ بنت الحسین ؓ

از شرق و غرب بر تمامی روی زمین است و ہیچ شہر و قریہ از اطراف ممالک نیست کہ در آں از اولاد حسین رضی اللہ عنہ ساکن نیستند و از اولاد یزید باوجودیکہ پانزدہ پسر داشت یک تنفسے باقی نماندہ چنانچہ اصدق القائلین در کتاب خود فرمودہ انا اعطینٰک الکوثر وان شانئک ھو الابتر۔ پس بتحقیق دشمن رسول خدا لاولد است پس چگونہ اولاد او باقی باشد و از امام حسینؓ فقط امام علی زین العابدین باقی بود اللہ تعالیٰ در اولاد وے آن چناں برکت بخشید کہ تمام روئے زمین از اولاد وے پر گردید (سعادۃ الکونین)

کوئی شک نہیں کہ حضرت امام حسینؓ علیہ السلام کے واقعہ شہادت میں شریعت حقۂ اسلامیہ کے بیشمار حقائق و اسرار مضمر ہیں۔ میدان کرب و بلا جس مقدس قربانی کے طیب و طاہر خون سے رنگین ہوا وہ محض شخصی واقعہ نہیں ہے اور نہ محض صبر و استقلال، صبر و ثبات و تحمل مصائب اور مردانہ وار جان سپاری کا ایک قصہ ہی ہے جیسے ہم اتباع و پیروی کے لیے ایک اسوہ بنائیں بلکہ اس کا تعلق سرتاسر اسلام کی حقیقت سے ہے۔ وہ حقیقت جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام پر طاری ہوئی تھی اور دونوں باپ بیٹے راہ حق میں قربان کرنے اور قربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ ان ھٰذا لھو البلٰوء المبین وفدینٰہ بذبح عظیم۔ اسی انقیاد حقیقی۔ اسی اطاعت کامل اسی ایثار و فدویت نفس و جان کو امت وسطیٰ کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ قد کان لکم اسوۃٌ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ .... الخ۔

یہ سچ ہے کہ یہ منزل ہر داعی حق و مجاہد فی سبیل اللہ کی راہ میں آتی ہے لیکن خانوادۂ نبوت و رسالت کی پوری تاریخ میں کوئی قربانی کوئی مصیبت کوئی ابتلا کوئی

آزمائش بجز ملت حنیف کے مورث اعلیٰ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے واقعہ اسلام کے شہید کربلا کی آزمائش سے زیادہ سخت و جان گداز نہ تھی ایک بزرگ فرماتے ہیں

ابتلائے انبیا و اولیا بسیار دید | لیک در عالم بدنیاں ابتلائے کس ندید
در سرائے دہر تا شد رسم ماتم آشکار | ہمچو دشت کربلا ماتم سرائے کس ندید

جس حقیقت کا ظہور زمین خشک سال میں اسمٰعیل علیہ السلام کی ذات سے ہوا تھا امام حسینؓ نے کربلا کے ہولناک بیابان میں اس کی تکمیل کر دی۔ کیا ہی خوب کہا ہے ڈاکٹر اقبال نے:۔

سِرّ ابراہیم و اسمٰعیل بُود | یعنی آن اجمال را تفصیل بُود

ادنیٰ ادنیٰ مقاصد بھی سعی و جہد چاہتے ہیں۔ اور جو مقصد جتنا زیادہ اہم اور اعلیٰ اور اکبر ہوتا ہے اتنے ہی بڑے جہاد کا طالب ہوتا ہے۔ ولذالک قال الاعرابی

لاتحسب المجد تمرا انت آکلہ | لن تبلغ المجد حتی تلعق الصبرا

پھر وہ مجد و شرف عزیز جس سے زیادہ کوئی مجد و شرف نہیں اور وہ مقصد عظیم و جلیل جو تمام مقاصد میں اقصی الغایات ہو اس کا حصول کتنا پر تعب اور کس قدر صبر آزما ہوگا (لن تنالوا ما تحبون الا بالصبر علیٰ ما تکرھون ولا تبخون ما تھوون الا ما یترک ما تشتھون۔

پس جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بتوں کے آگے سر نہ جھکایا اور ان کا قلب سلیم اجرام سماوی کی درخشان سطوت سے بھی مرعوب نہ ہوا اور انہوں نے (انی لا احب الافلین.......... انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض وما انا من المشرکین۔ کہکر اپنا منہ اس کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان

کو پیدا کیا۔ یہ کس طرح ممکن تھا کہ سردار انبیا کے فرزند پر نسبت براہیمی کا غلبہ نہ ہوتا حضرت امام حسین علیہ السلام نے بھی اسوۂ ابراہیمی پر عامل ہو کر فرمایا کہ:۔ (دامرت اسلم لرب العالمین) یعنے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس کے آگے جھک جاؤں جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ آنجناب کا یہ ایقان نہایت راسخ تھا۔ نہ صرف اپنی رگ جان کے خون سے بھی اس پر مہریں لگائیں۔ اور فرمایا کہ میں ان کی بیعت کس طرح کروں جو اسلام میں فتنہ کی تخم ریزی کر رہے ہیں۔ اللہ کی زمین میں فساد پھیلانا چاہتے ہیں اور وہ باتیں کر رہے ہیں جن کو رسول اللہ صلعم نے منع فرما دیا تھا۔ ایسے خلیفہ سے امت کیا فلاح پا سکتی ہے جس کا شیوہ ہوا و نفس کی غلامی ہے۔ جو علانیہ معصیت کرتا ہے جو سکیز و خمیر ہے (مثلی لا یبایع مثلہ) اور پھر ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا اور دیکھ لیا زمانہ نے جو کچھ کہ دیکھنا تھا جن خوش قسمت شہدا کو میدان کربلا میں جام شہادت نوش کرنا تھا وہ اس جرعۂ آبحیات کو نوش فرما کر یہ کہتے ہوئے زندہ جاوید ہو گئے ؎

زندۂ کش جاں نباشد دیدہ ٭ گر ندیدستی بیا ما را ببین۔

اللھم صلی علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آل سیدنا و مولانا محمد بعدد کل شھداء الدنیا و نور مرقد سید ابی عبداللہ الحسین و مرقد عترتہ و انصارہ و اھل بیتہ الیٰ یوم الدین و احشرنا معھم فی یوم القیٰمۃ و ادخلنا معھم فی الفردوس النعیم برحمتک یا ارحم الراحمین۔

شبیر اور شمشیر

از علامہ خدا بخش خاں صاحب اظہر امرتسری

اے آل نبی ابن علی حضرت شبیر — ہستی ہے تری آیہ تطہیر کی تفسیر
گفتار ہے یا نطق محمدؐ کا نمونہ — کردار ہے یا خواب براہیم کی تعبیر
دوزخ ترے اعدائے بداندیش کی میراث — جنت ترے احباب ہواخواہ کی جاگیر
شمشیر کے سایہ میں کبھی ہوتی نہ جنت — آتا نہ اگر سر ترا زیر دم شمشیر
یہ شان کرم تھی نہ ہوئے راکھ یزیدی — ورنہ تھا ترا موجۂ خون شعلۂ تقدیر
گو موت شہیدوں کی ہے اک خواب مسرت — لیکن ہے شہادت تری اس خواب کی تعبیر

اے سید احرار مگر آج تری قوم — صیاد حوادث کی ہوئی جاتی ہے نخچیر
پھر قلب مسلماں کے لئے مانگ خدا سے — وہ جوش جو ہے شعلہ ایمان سے تپش گیر
یا رات یزیدانہ مظالم کی ہو رخصت — یا پھر ہو درخشاں مہ تابانی شبیر

اک مرد مجاہد نے کہا مجھ سے کہ اظہر — بے سود ہے خلوت میں ترا نعرۂ تکبیر
دیتی ہے یہ پیغام مرے جوش عمل کو — حیدرؑ کی شجاعت ہو کہ قربانی شبیر
شمشیر کی تسخیر کو، نازل ہوا قرآن — قرآن کی حفاظت کیلئے اتری ہے شمشیر

سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام

اسم گرامی علی بن الحسینؑ ۔ سید الساجدین و زین العابدین و سجاد آپ کے القاب گرامی ہیں۔ ان میں سے زین العابدین زیادہ مشہور و معروف ہے ولادت باسعادت آنجناب کی پنجم شعبان ۳۸ھ میں بمقام مدینہ منورہ ہوئی ۔ واقعۂ کربلا میں آپ موجود تھے لیکن بباعث علالت شدید صف جنگ میں موجود نہ رہ سکے ۔ اور اس میں بھی حکمت خداوندی تھی کہ آپ کی ذات بابرکات سے نسل حسین علیہ السلام دنیا میں چلی۔ آپ پر جو جو مظالم ہوئے اور جس بیکسی اور بیماری سے آپ کو سامنا کرنا پڑا ۔ وہ آج تک مسلمانوں میں ضرب المثل ہے اور عابد بیمار آپ کا لقب عام طور پر متعارف ہے ۔ مرزا صاحب قادیانی اپنے زمانہ کے مسلمانوں کی حالت کا نقشہ نظم میں کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

ہر طرف کفار جو شاں ہجو افواج یزید ۔۔۔ دین حق بیمار و بیکس ہجو زین العابدینؑ

آپ از روئے علم و علم و زہد و عبادت آپنے آبا کے خلف الصدق تھے ۔ کثرت عبادت و ریاضت کے باعث آپ کا لقب زین العابدین ہوا منقول ہے کہ روزانہ ایک ہزار رکعت نماز آپ پڑھتے تھے (صواعق محرقہ) واقعہ کربلا کے بعد کچھ دنوں تک آپ مقید رہے اس کے بعد آپ کی اقامت زیادہ تر ارض حجاز میں رہی کتب تواریخ میں ایک واقعہ مسلسل نقل ہوتا چلا آیا ہے اور صاحب صواعق محرقہ وغیرہ نے بھی اسے درج کیا ہے ۔ تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہم بھی اسے تاریخ سے یہاں نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے ۔

اِنَّہٗ لَمَّا حَجَّ هِشَامُ بْنِ عَبْدُ الْمَلِكْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَجَهِدَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ

جب حج کیا ہشام بن عبدالملک نے طواف کیا بیت اللہ کا اور بہت ہی کوشش کی پہنچنے کی حجر اسود تک

لِيَسْتَلِمَهٗ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَيْهِ لِكَثْرَةِ الزِّحَامِ فَنُصِبَ لَهٗ مِنْبَرٌ وَجَلَسَ عَلَيْهِ

بوسہ دینے کے لئے نہ پہونچ سکا وہاں تک بسبب کثرت ازدحام کے آخر اس کے

يَنْظُرُ اِلَى النَّاسِ وَمَعَهٗ جَمَاعَةٌ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذَا

واسطے ایک منبر رکھا گیا اس پر وہ بیٹھ کر لوگوں کو دیکھتا رہا۔ اس وقت اسکی ہمراہی میں ایک

قَبِلَ الْاِمَامُ الْهُمَامُ سَيِّدُنَا زَيْنُ الْعَابِدِيْنَ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيِّ ابْنِ

گروہ اہل شام کا تھا۔ اسی اثناء میں ناگاہ تشریف لائے پیشوائے بزرگ سردار ہمارے زین العابدین علی بن

اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَكَانَ مِنْ اَحْسَنِ النَّاسِ وَجْهًا

حسین بن علی ابن ابی طالب راضی ہوئے اللہ تعالیٰ ان سبھوں سے اور تھے امام بہ نسبت لوگوں کے نہایت

وَّاَطْيَبِهِمْ اَرَجًا فَطَافَ بِالْبَيْتِ فَلَمَّا انْتَهٰى اِلَى الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ تَنَحّٰى لَهٗ

خوبصورت اور خوشبودار پھر طواف کر کے بیت اللہ کا جب چلے حجر اسود کی طرف فوراً ہٹ گئے

النَّاسُ حَتّٰى اسْتَلَمَهٗ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الشَّامِ مَنْ هٰذَا الَّذِيْ

لوگ ان کے لئے یہاں تک کہ چوما انہوں نے حجر اسود کو یہ حال دیکھکر ایک شامی نے کہا یہ کون

قَدْ هَابَهُ النَّاسُ هٰذِهِ الْهَيْبَةَ فَقَالَ هِشَامٌ لَا اَعْرِفُهٗ مَخَافَةَ اَنْ

ہے کہ جس سے لوگ ہیبت زدہ ہو گئے۔ ہشام نے کہا کہ میں تو اسے نہیں پہچانتا۔ یہ

يَّرْغَبَ فِيْهِ اَهْلُ الشَّامِ وَكَانَ اَبُوْ فِرَاسٍ الْفَرَزْدَقُ حَاضِرًا فَقَالَ

اس ڈر سے کہا کہ کہیں اہل شام ان کے معتقد نہ ہو جائیں اس وقت وہاں ابو فراس فرزدق شاعر

اَنَا وَاللّٰهِ اَعْرِفُهٗ فَقَالَ الشَّامِيُّ مَنْ هٰذَا يَا اَبَا فِرَاسٍ فَقَالَ ؎

بھی موجود تھا کہنے لگا قسم خدا کی میں ان کو پہچانتا ہوں۔ شامی نے کہا کون ہے یہ شخص اے ابو فراس تو اس نے کہا

هٰذا الذی تعرف البطحاءُ وطأتهٗ — والبیت یعرفهٗ والحلُّ والحرمُ

یہ وہ ہے کہ پہچانتی ہے زمین مکہ اس کے علو قدرت کو — اور بیت اللہ اس کو جانتا ہے اور زمین حل و حرم بھی

هٰذا ابن خیرِ عبادِ اللہِ کلّھم — هٰذا التقیُّ النقیُّ الطاهرُ العلمُ

یہ اس کا فرزند ہے جو بہترین بندگان خدا ہے — یہ خدا ترس ہے پاک صاف ہے سب کا پیشوا ہے

اِذا رأتهُ قریشٌ قالَ قائلُها — اِلیٰ مکارمِ هٰذا ینتهی الکرمُ

جب اس کو قریش دیکھتے ہیں تو کہتا ہے کہنے والا — انہیں کی بزرگیوں پر جود و کرم کی انتہا ہے

ینمی اِلیٰ ذروةِ العزِّ الّتی قصرت — عن نیلها عربُ الاسلامِ والعجمُ

عروج کرتا رہتا ہے عزت کی ایسی بلندیوں کو کہ قاصر ہیں — وہاں تک پہنچنے سے تمام عرب و عجم

یکاد یمسکهٗ عرفانَ راحتهٖ — رکنُ الحطیمِ اِذا ما جاءَ یستلمُ

مستفید ہونا چاہتا ہے خوشبو سے دست مبارک کی اسکی — رکن حطیم جس وقت یہ چومنے آتا ہے

یغضی حیاءً ویُغضیٰ من مهابتهٖ — فما یکلّمُ اِلّا حینَ یبتسمُ

وہ حیا سے نیچے دیکھتا ہے اور لوگ ہیبت سے جھک جاتے ہیں — اور کلام نہیں کرتا بغیر تبسم کے

ینشقُّ نورُ الهدیٰ من نورِ غرّتهٖ — کالشمسِ ینجابُ عن اشراقِها القتمُ

چمکتی ہے نور ہدایت کی شعاع پیشانی سے اسکی — جس طرح غبار آفتاب کے نور سے روشن ہو جاتا ہے

مشتقةٌ من رسولِ اللہِ نبعتهٗ — طابت عناصرهٗ والخیمُ والشیمُ

مشتق ہے نور رسول خدا سے ذات اس کی — پاک ہے جسم اس کا اور عادات اور خصلتیں

هٰذا ابنُ فاطمةٍ اِن کنتَ جاهلهٗ — بجدّهٖ انبیاءُ اللہِ قد ختموا

یہ فرزند فاطمہ زہرا کا ہے جان لے اگر تو نہیں جانتا ہے — اسی کے جد امجد پر خاتمہ ہوا نبوت کا

اللہ شرّفهٗ قدماً وعظّمهٗ — جریٰ بذاک لهٗ فی لوحهِ القلمُ

اللہ نے اس کو شرف بخشا ہے اور بزرگی دیا ہے — چل چکا اس بات میں اس کے لئے لوح محفوظ میں قلم

وَلَيْسَ قَوْلُكَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِهٖ ۔۔۔ اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ

نہیں ہے کہنا تیرا یہ کون ہے اس کو ضرر پہنچانیوالا ۔۔۔ عرب بھی جانتے ہیں جس کا تو نے انکار کیا اور عجم بھی

كِلْتَا يَدَيْهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا ۔۔۔ يَسْتَوْكِفَانِ وَلَا يَعْرُوْهُمَا عَدَمُ

دونوں ہاتھ اس کے باران جو وہیں کہ عام ہے فیض انکا ۔۔۔ ہمیشہ برستے رہتے ہیں اور نہیں عارض ہوتی ہے انکو مفلسی

سَهْلُ الْخَلِيْقَةِ لَا تُخْشٰى بَوَادِرُهٗ ۔۔۔ يَزِيْنُهُ اثْنَانِ حُسْنُ الْخَلْقِ وَالشِّيَمُ

ایسا نرم خو ہے کہ اس کے غضبناک ہونیکا خوف نہیں ۔۔۔ زینت دیتی ہیں اس کو دو چیزیں حسن خلق اور مکارم اخلاق

مَا قَالَ لَا قَطُّ اِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهٖ ۔۔۔ لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهٗ نَعَمُ

کبھی تم نہیں کہا ہی نہیں بجز تشہد کے (کہ نفی شریک لازمی ہے) ۔۔۔ اگر تشہد میں نہ ہوتا تو لا اسکا نعم ہوتا

عَمَّ الْبَرِيَّةَ بِالْاِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ ۔۔۔ عَنْهَا الْغَيَاهِبُ وَالْاِمْلَاقُ وَالْعَدَمُ

تمام جہان پر ایسا احسان کیا کہ دفع ہوگئیں ۔۔۔ اس سے تاریکیاں اور محتاجی اور مفلسی

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَبُغْضُهُمُ ۔۔۔ كُفْرٌ وَقُرْبُهُمْ مَنْجًى وَمُعْتَصَمُ

یہ اس گروہ میں ہے کہ جن کی محبت دین اور بغض انکا ۔۔۔ کفر ہے اور ان کا قرب نجات اور پناہ ہے

اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ ۔۔۔ اَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ اَهْلِ الْاَرْضِ قِيْلَ هُمُ

اگر شمار کیا جاوے متقیوں کا تو اس گروہ کے لوگ انکے پیشوا ہیں ۔۔۔ یا اگر کوئی پوچھے کہ کون ہے سب سے بہتر روئے زمین پر تو کہا جاتا ہے کہ یہی

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمُ ۔۔۔ فِيْ كُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُوْمٌ بِهِ الْكَلِمُ

ضرور ہے بعد ذکر خدا کے ذکر ان لوگوں کا ۔۔۔ ہر ابتدا میں اور ختم ہوتا ہے انہیں کے ذکر پر کلام

مَنْ يَعْرِفُ اللّٰهَ يَعْرِفْ اَوَّلِيَّةَ ذَا ۔۔۔ فَالدِّيْنُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْاُمَمُ

جو اللہ کو پہچانتا ہے وہ ان کی بھی بزرگی جانتا ہے ۔۔۔ دین برحق انہیں کے گھر سے تمام جہاں کو نصیب ہوا

فَلَمَّا سَمِعَ هِشَامُ ذٰلِكَ غَضِبَ وَحَبَسَ الْفَرَزْدَقَ فَانْفَذَ لَهُ

جب سنا ہشام نے یہ سب کچھ غضبناک ہو کر قید کیا فرزدق کو تو بھیجا اس کے لئے

سَیِّدُنَا زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفَ

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالےٰ عنہٗ نے بارہ ہزار

دَرَاھِمَ فَرَدَّھَا وَقَالَ مَدْحَۃٌ لِلّٰہِ لَا لِلْعَطَاءِ وَالصِّلَاتِ

درہم صلہ میں تو واپس کیا اسے شاعر نے اور کہا میں نے انکی تعریف رضائے حق کیلئے

فَقَالَ سَیِّدُنَا الْاِمَامُ زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ اَنَا اَھْلُ بَیْتٍ

کی ہے نہ بامید عطا و انعام پھر فرمایا حضرت زین العابدینؓ نے ہم لوگ اہلبیت نبوت ہیں

اِذَا وَھَبْنَا شَیْئًا لَا نَعُوْدُ فِیْہِ فَقَبِلَھَا الْفَرَزْدَقُ اِنْتَھٰی

جب بخش دیتے ہیں کوئی چیز واپس نہیں لیتے آخر فرزدق نے قبول کیا اُس

مال کو انتہیٰ۔

یہ قصیدہ ایک عمدہ نمونہ ہے اہل عرب کی آزادی اور حق گوئی کا کہ سلطنت دمشق کی ہیبت و شوکت بھی ان حق پرست اور حق گو بادیہ نشینوں کو مرعوب نہ کر سکتی تھی متغلبین شام کی خون آشام تلواریں سامنے رکھی رہتی تھیں اور یہ بدوی فدائیان آل رسول آتے تھے اور اپنی تیغ لسان صداقت ترجمان سے ان ظالموں کے دلوں کو مجروح کر جاتے تھے۔ آج ان حاکمان شام کو بھلائی سے یاد کرنیوالا کوئی نہیں بخلاف اس کے ان مظلومین کی حمایت تمام دنیائے اسلام کر رہی ہے سچ ہے :۔

بو مسیلم را لقب کذاب ماند ۔ مر محمدؐ را اولی الالباب ماند (عارف رومیؒ)

(مولانا جامیؒ) نے فارسی نظم میں اس قصیدہ کا ترجمہ کر دیا ہے جو قابل دید ہے۔

بوقت وفات جناب زین العابدین علیہ السلام کی عمر شریف ستاون سال تھی۔ جن میں سے دو سال جناب علی مرتضیٰؑ کے سامنے بسر ہوئے دس سال اپنے عم بزرگوار امام حسن علیہ السلام کے ساتھ۔ گیارہ سال اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ۔ کہا گیا ہے کہ ولید بن عبد الملک نے آپ کو زہر دیا۔ اپنے عم نامدار امام حسنؑ کے پاس بقیع میں دفن ہوئے۔ چار دختر اور گیارہ لڑکے اپنی یادگار چھوڑے۔ (صواعق محرقہ)۔

امام محمد باقر علیہ السلام ابن امام زین العابدینؑ

ولادت باسعادت آنجناب کی ۵۷ھ میں بطن جناب فاطمہ بنت الحسن سے ہوئی جو ام عبد اللہ کے نام سے متعارف ہیں۔ صاحب صواعق محرقہ تحریر فرماتے ہیں کہ ابو جعفر محمدؐ باقر اپنے باپ کے علم و عمل عبادت و زہد کے وارث اور ائمۂ اثنا عشر میں سے تھے۔ لفظ باقر لغت میں بقر الارض سے لیا گیا ہے یعنی زمین کو شگافتہ اور اس کی تحقیقات کو ظاہر کرنے والا۔ اور آپ کو باقر اس لئے کہتے ہیں کہ خزانہائے مخفی کا اظہار اور معارف اور حقائق کے احکام کا اعلان آپ سے ہوتا تھا۔ ۱۱۷ھ میں آپ کی وفات واقع ہوئی۔ اور آپ کو بھی مثل آپ کے پدر نامدار زہر دیا گیا۔ قبہ حسین و عباس میں جو بقیع میں ہے دفن ہوئے۔ چھ فرزند اپنی یادگار چھوڑے۔ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے جناب امام محمدؐ باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر

باتیں حاصل کیں۔ شیعہ وسنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت امام علیہ السلام کے فیض صحبت سے تھا۔ اسی طرح امام ابوحنیفہؒ نے جناب امام علیہ السلام کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اُٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے (سیرۃ النعمان صـ۲۷)

امام جعفر صادق علیہ السلام بن امام محمد باقرؑ

ولادت باسعادت آنجنابؑ کی سـ۸۳ـھ میں جناب ام فردہ بنت قاسم کے بطن سے مدینہ منورہ میں ہوی۔ آنجنابؑ بھی مثل اپنے آبا رصالحین وکاملین کے جامع مناقبؑ حاوی فضائل تھے صاحب صواعق محرقہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمدؑ باقرؑ کے فرزندوں میں اکمل وافضل امام جعفر صادق تھے چنانچہ انھیں کو جناب امام محمدؑ باقرؑ نے اپنا خلیفہ اوروصی بنایا اورعلوم ظاہر وباطن سے مکمل کیا اوران کا علم تمام شہروں میں پھیلا۔ اکابر علما مثلاً یحیٰی بن سعد وابن جریج ومالک وسفیان وامام اعظم ابوحنیفہؒ وشعبہ وایوب سجستانی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم نقل کیا ہے۔ (صواعق محرقہ) سرگروہ صوفیہ کبار حضرت فریدالدین عطارؒ اپنی مشہور آفاق کتاب (تذکرۃ الاولیا) کا آغاز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ذکر شریف سے کرتے ہیں اورتحریر فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) سلطان ملت مصطفوی دلیل حجت نبوی صدیق عالم۔ دل اولیا۔ جگر گوشۂ انبیا وارث نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ابو محمدؑ جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم نے

ذکر کیا تھا کہ اگر انبیاء و صحابہ و اہلبیت کا ذکر کریں تو ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے اور یہ کتاب اولیاء امت کے حالات پر مشتمل ہے جو ان کے بعد ہوئے ہیں تبرکاً حضرت امام جعفر کے حالات سے شروع کرتے ہیں وہ بھی انہیں کے بعد ہوئے ہیں۔

اور چونکہ وہ اہلبیت میں سے تھے اس لیے طریقت کے بارے میں ان کے بہت سے ارشادات ہیں اور بہت سی روایات ان سے مروی ہیں........ میری زبان و عبارت میں ان کی تعریف و توصیف کی طاقت نہیں ہے کیونکہ وہ بلاتکلیف تمام علوم و اشارات سے واقف تھے وہ تمام مشائخ کے سردار ہیں ہر شخص ان پر کامل اعتبار رکھتا ہے وہ مقتدائے مطلق تھے...... وہ اہل ذوق کے پیشرو اور اہل حق کے پیشوا تھے عابدوں کے مقدم اور زاہدوں کے مکرم تھے حقائق میں صاحب تصنیف تھے اور لطائف تفسیر و تنزیل میں بے نظیر تھے........ میں حیران ہوں کہ وہ شخص کس خیال باطل کو لئے ہوئے ہے جو حضور صلعم پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن آپ کے فرزندوں سے محبت نہیں رکھتا ہے...... الخ علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔

(امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ نے جناب امام محمدؑ باقر کے فرزند رشید حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تمام تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے۔ اس لئے ان کی شاگردی کیوں اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں امام جعفر

صادق علیہ السلام سے انہیں کیا نسبت؟ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے ہیں۔ وصاحب البیت ۔ ادرہی بما فیھا۔ (سیرۃ النعمان ۳۷)

وفات آنجناب کی بتاریخ پندرہ رجب ۱۴۸ھ مدینہ منورہ میں واقع ہوئی۔ قبہ حسنؑ میں اپنے آبائے کرام کے پاس دفن ہوئے۔ صاحب صواعق محرقہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ جناب جعفر صادق کو بھی مثل ان کے باپ اور دادا کے زہر دے کر ہلاک کیا گیا اور ایک دختر اور چھ بیٹے آپ نے چھوڑے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بن امام جعفر صادقؑ

ولادت آنجنابؑ کی ۱۲۸ھ ہجری میں بتاریخ ۷ صفر جناب حمیدہ خاتون کے بطن سے ہوئی علم وعبادت واجتہاد وسخاوقیام لیل وصبر وشکر کی بنا پر اور عفو ودرگذر کرنے کے لئے خاص طور پر ممتاز تھے۔ اور اس لیے آپ کا لقب شریف کاظم ہے۔ آپ ہارون الرشید خلیفہ عباسی کے ہمعصر ہیں۔ مورخین ایک روایت نقل کرتے آئے ہیں۔ جسے تاریخی دلچسپی کے لحاظ سے ہم بھی یہاں سعادت الکونین سے نقل کرتے ہیں۔

(ترجمہ) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے قید کرنے کا سبب یہ ہوا کہ ہارون مع اپنے ہمراہیوں کے مزار شریف آنحضرت صلعم کی زیارت کے لیے پہنچا اور قبر شریف کے سامنے پہنچ کر فخریہ کہنے لگا کہ السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک اے میرے چچا کے بیٹے۔ یہ ہارون نے فخریہ اس لیے کہا کہ وہ حضرت عباس عم رسول کی

اولاد میں تھا۔ اس کے بعد امام موسیٰ کاظم قبر شریف کے سامنے آے اور کہنے
لگے السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک اے میرے باپ یہ سن کر ہارون کا
رنگ فق ہوگیا۔ اور غصہ کا اظہار کرنے لگا۔ اور امام موسیٰ کاظم کو اپنے ہمراہ
بغداد میں لے جاکر قید کر دیا اور حکم دیا کہ موسیٰ کاظم کو زہر دیا جائے پس آنجناب کو بخار چڑھ گیا
اور تین دن کے بعد وفات واقع ہوی۔ یہ واقعہ مشہور ہے اور بعض اہل تاریخ بیان کرتے ہیں کہ ہارون نے
آنجناب کو زہر نہیں دیا بلکہ طبعی موت سے آنجناب نے رحلت فرمائی (سعادت الکونین ص۲۳۱
یہ واقعہ کتب تاریخ میں جابجا منقول ہے صاحب صواعق محرقہ حتیٰ کہ یوروپین مصنفین مثلاً
پامر وغیرہ نے بھی اس نسبی مفاخرہ کے واقعہ کو نقل کر دیا ہے

ایک اور واقعہ بھی اسی سلسلہ میں مشہور ہے اور وہ یہ کہ ہارون کا گذر ایک
روز حبس کی طرف سے ہوا۔ امام موسیٰ کاظم یہاں محبوس و مقید تھے۔ ہارون اپنے خاصہ کے
گھوڑے پر سوار تھا اور اکابر امرا و اعیان سلطنت اُس وقت اس کے ہمراہ رکاب
برداری کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ہارون نے فخریہ امام موسیٰ کاظم سے کہا کہ کیا تیرا
رتبہ میرے ان رکاب بردار خدام سے زیادہ ہے امام علیہ السلام نے جواب دیا کہ یوم حنین
یاد کرو۔ وہاں ہم دونوں میں سے کس کے باپ نے کس کے باپ کی رکاب برداری کی
تھی جس پر بجا طور پر قیامت تک تم فخر کروگے اور یہاں اس بے بسی اور بے کسی کے
عالم میں بوریہ نشینی میرے لیے باعث ذلت نہیں کہ انبیا اور اولوالعزم پر ایسے اوقات
گذر چکے ہیں اور تمہارا یہ حشم و خدم میرے سامنے تمہارے لیے باعث فخر نہیں۔ یہ روایت
مشہور تو ہے مگر کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گذری یا اگر کہیں لکھی دیکھی ہے تو یاد نہیں کہ
کس جگہ دیکھی تھی۔ اسی طرح یہ بھی ایک روایت مشہور ہے کہ ہارون نے امام موسیٰ کاظم

سے بیان کیا کہ رسول اللہ کے ایک چچا کی اولاد تم ہو اور ایک چچا کی اولاد ہم ہیں پھر ہم میں اور تم میں باعتبار قرابت رسول کوئی فرق نہیں ہے امام نے جواب دیا کہ بے شک فرق ہے اگر ابھی جناب رسولؐ اپنی قبر مطہر سے باہر تشریف لائیں تو میرے گھر میں بلا پس و پیش بغیر پردہ کرائے تشریف فرما ہو جائیں گے کہ میری امہات و بنات آنحضرت کے لیے ابداً حرام ہیں بخلاف تمہارے گھر کے کہ اس کے اندر داخل ہونے کے لیے آنحضرت صلعم کو خاص اہتمام کرانا پڑے گا۔ اور جس طرح کسی غیر شخص کے مکان میں کسی کا داخلہ ہوتا ہے وہ سب انتظام جب تک مکمل نہ ہو آنحضرت صلعم تمہارے گھر میں کبھی داخل نہ ہونگے در حالیکہ تم بھی ایک چچا کی اولاد ہو۔

صاحب صواعق محرقہ نے ایک دوسرا واقعہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہارون نے جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ تم کس طرح اولاد رسول ہو حالانکہ تم علیؓ ابن ابی طالب کی اولاد ہو۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے اس کے جواب میں آیہ ومن ذریتہ داؤد وسلیمان ...... عیسیٰ تلاوت فرمائی اور جب لفظ عیسیٰ پر پہنچے تو امامؑ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تو باپ نہیں ہیں مگر خدا نے ان کو اولاد ابراہیم میں شامل کیا ہے۔ اس کے بعد جناب امام علیہ السلام نے آیۂ مباہلہ تلاوت فرما کر ارشاد کیا کہ خدا نے جب پیغمبر صلعم کو مباہلہ کا حکم دیا تو آنحضرتؐ نے علی و فاطمہؑ و حسنینؑ کو بلایا۔ پس حسنینؑ اس دلیل سے فرزندان رسول خدا ہیں اور ہم حسینؑ کی اولاد ہیں۔

سنہ ۱۸۳ھ میں بتاریخ ۲۵ رجب محبس بغداد میں آنجناب علیہ السلام کی وفات واقع ہوئی۔ کاظمین شریفین میں آنجناب کا مزار ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ قبر امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام تریاق مجرب ہے۔ اجابت دعا کے لیے (کشف الغطا)۔

جناب امام رضا علیہ السلام ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

ولادت باسعادت آنجناب علیہ السلام کی مدینہ منورہ میں بروایت صاحب سعادۃ الکونین بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۵۳ھ ہوئی۔ بعض کا بیان ہے کہ ۱۴۸ھ میں ولادت ہوئی۔ مامون الرشید عباسی کے آپ ہم عصر ہیں۔ بقول صاحب صواعق محرقہ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اولاد میں آپ اعلم واکمل واجل تھے۔ منقول ہے کہ مامون الرشید عباسی نے اپنے ہاتھ سے عہدنامہ لکھ کر آپ کو ولیعہد سلطنت قرار دیا تھا مگر حکم خداوندی اس کے خلاف تھا کہ آپ خلفا بنی عباس کے تخت سلطنت پر حکومت کریں۔ یہ بھی روایت ہے کہ مامون نے اپنی دختر آنجناب علیہ السلام کے عقد میں دی تھی۔ جہاں تک روایات مندرجہ کتب تواریخ کا تعلق ہے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مامون کو جناب امام علی رضا علیہ السلام سے غایت درجہ الفت و محبت تھی۔ اور آنجناب علیہ السلام کے علم و فضل و زہد و تقویٰ اور بے مثل شرافت و بزرگی پر نظر کرتے ہوئے اس نے آنجناب کو اپنا ولی عہد سلطنت بھی قرار دیا اور مصاہرت کا تعلق بھی قائم کیا۔ اس کے بعد جو واقعات درپیش ہوئے وہ ایک تاریخی معمہ بن گئے ہیں جناب امام رضا علیہ السلام کی وفات کے متعلق مامون کو ملزم قرار دیا گیا ہے کہ اس نے مسموم انگور آنجناب کو کھلائے جو باعث آنجناب کی وفات کا ہوئے۔ بعض شیعہ وسنی مورخین بیان کرتے ہیں کہ مامون نے آنجناب کو زہر نہیں دیا۔ بعض شیعہ وسنی مورخین مامون کو زہر دینے کے الزام میں مجرم قرار دیتے ہیں

دگویندکہ مامون علی رضاؑ را زہر داد واکثر اہل سنت وجماعت گویند کہ ثبوت غدر مامون بعلی رضاؑ ثابت نشدہ بلکہ علامہ ابوالحسن علی ابن عیسیٰ کہ از اعاظم علماء شیعہ است درکشف الغمہ فی مناقب الائمہ۔ بعد ذکر زہر دادن مامون بعلی رضاؑ گفتہ کہ مرا از معتمدے دریافت شد کہ مامون زہر ندادہ بود (سعادۃ الکونین صفحہ)

اسی طرح بعض دیگر مورخین بھی مامون کو اس الزام سے بری کرتے ہیں لیکن اس کے خلاف بعض اکابر مورخین مامون کو قتل امام رضاؑ کا مجرم قرار دیتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ بنی عباس کی عام ناراضی اور تخت سلطنت ہاتھ سے نکل جانے کے خوف سے مامون اپنا وہی دسیسہ مخفی کام میں لایا جو ذوالریاستین وغیرہ کے مقابل لایا گیا تھا از انجملہ روضۃ الصفا وحبیب السیر وشواہد النبوۃ وغیرہ میں مامون کو قتل امام رضا علیہ السلام کا مجرم قرار دیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اکثر وبیشتر اکابر نے اس الزام سے مامون کو بری کیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ مامون آل فاطمہؑ سے سچی عقیدت رکھتا تھا۔ یہ ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ جناب رضا علیہ السلام کی ولیعہدی۔ سیاہ لباس کا ممنوع قرار دیا جانا اور طرح طرح سے آل رسول کے ساتھ الفت ومحبت کا اظہار کرنا اور سادات میں سے جن اصحاب نے مامون کے مخالف کارروائیاں کیں ان سے بار بار درگذر کرتا یہ سب نمائشی کارروائیاں اس غرض سے کی جارہی تھیں کہ امام رضا علیہ السلام کو انگوروں میں زہر کھلا کر قتل کرایا جائے۔ اور مامون کو اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ جناب امام رضاؑ نہ کوئی سیاسی آدمی تھے نہ ان کی طرف سے کوئی خدشہ حکومت کو تھا۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو مامون نہایت آسانی سے جناب امامؑ کو بغیر کسی شور وشغب کے بھی قتل کرا سکتا تھا ولیعہدی قائم کرنے اور اس قسم کے دیگر اعمال

کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی جن سے اس نے تمام اہل خاندان کو اپنا مخالف کر لیا۔ یہاں تک کہ مامون کی بیعت شکست کر کے عباسیوں نے مامون کے چچا ابراہیم سے بیعت خلافت کر لی عقل ہرگز اسے قبول نہیں کرتی کہ مامون نے یہ مشاغبہ بے محل وغیر ضروری بارادہ قتل امام رضا علیہ السلام کیا تھا۔ بلا خوف تردید اس حد تک کہا جا سکتا ہے کہ مامون نے جو کچھ کیا خلوص نیت و عقیدت آل رسول کی بنا پر ہی کیا اس حد تک کسی طرح مامون کا دامن آلودہ نہیں کہا جا سکتا ہے البتہ ان واقعات کے پیش آنے سے بعد میں جو واقعات درپیش ہوے وہاں مامون کا حال متعدد و متضاد روایتوں اور ظنون غالبہ کی الجھنوں میں پڑ کر ایک تاریخی معمہ بن گیا ہے اصل یہ ہے کہ ملک گیری اور ملک داری کی ہوس انسان سے سب کچھ کراتی ہے۔ اسی مامون کے بھائی امین کا سر جب مامون کے پاس لایا گیا تو ملک گیری کے جذبہ نامحمود اور شکوہ تاج سلطانی کے درد سر نے مامون جیسے شخص سے کن امور کا اظہار کرایا اسے مولانا شبلی نعمانی کے الفاظ میں سنیئے۔

> طاہر نے مامون کو ان وحسب اور مختصر لفظوں میں نامۂ فتح لکھا "میں امیر المومنین کی حضور میں دنیا اور دین دونوں پیشکش بھیجتا ہوں" دنیا سے مظلوم امین کا سر مراد تھا اور دین سے چادر اور خاتم خلافت ذوالریاستین نے امین کا سر ایک سپر پر رکھکر مامون کے سامنے پیش کیا۔ اس غیر متوقع فتح کی خوشی نے مامون جیسے رقیق القلب شخص کو بھی ایسا سنگدل بنا دیا کہ اس نے اپنے بھائی کے خون آلود سر کو مسرت کی نگاہ سے دیکھا اور جوش خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا۔ قاصد کو مژدہ فتح کے صلہ میں دس لاکھ درہم انعام دیے اسی تقریب سے ایک بڑا دربار منعقد کیا اور تمام ارکین دولت و افسران فوج مبارکباد دینے کو حاضر ہوے۔ (المامون)

الغرض امام علی رضا علیہ السلام کے ولی عہد بنائے جانے سے مامون کو متعدد دشواریوں سے دوچار ہونا پڑا اور اسے تعین ہوگیا کہ آل رسولؐ کی دوستی اور تخت سلطنت اجتماع النقیضین کا حکم رکھتے ہیں اس کے بعد جن اعمال و افعال کو مامون کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہاں مامون کے حالات مشتبہ ضرور ہو جاتے ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کا انگور کھا کر یکایک انتقال کر جانا شبہہ خیز واقعہ ضرور ہے لیکن خدا جانے کہ یہ فعل کس کا تھا۔ بعض مورخین قدیم مثلاً یعقوبی کا خیال یہ ہے کہ ابن ہشام کی سازش سے جناب امامؑ کو زہر دیا گیا اور مامون کا کوئی ہاتھ اس کارروائی میں نہ تھا۔ بعض دیگر مورخین بھی ایسا ہی کہتے آئے ہیں۔ پس ایمان و انصاف کی بات یہ ہے کہ یقین و وثوق کے ساتھ مامون کو امام رضاؑ کا قاتل ہرگز نہیں کہا جا سکتا ہے اگر اس نے ابن رسول اللہ کو قتل کیا یا کرایا ہے تو دائم حشر کی لازوال عدالت موجود ہے۔ وہاں نہ کسی مورخ کی شہادت درکار ہے۔ اور نہ مامون کی شہادت صفائی پر غور کی ضرورت۔ مامون کو معلوم ہو جائے گا کہ ابن رسول اللہ کے بے گناہ قتل کی کیا سزا عدالت خداوندی میں مقرر ہے۔ اور اگر اس کا دامن اس قتل سے پاک ہے جیسا کہ ظن غالب بھی ہے تو پھر کسی مورخ یا مخالف کی تحریرات کے شر سے مامون مامون ہی رہے گا۔

آخر سفر ۲۰۳ھ میں جناب امام رضا علیہ السلام مامون کے ہم سفر تھے کہ مقام طوس میں پہنچ کر مسموم انگوروں کے کھا لینے سے آنجناب کا دفعۃً انتقال ہوگیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مامون کو آنجناب کی وفات سے نہایت صدمہ ہوا۔ جنازہ کے ساتھ برہنہ پا و برہنہ سر گیا اور رو رو کر کہتا تھا کہ اے ابوالحسن اب تیرے بعد میں کہاں جاؤں اور کیا کروں۔ تین دن تک آنجناب کی قبر پر مجاور رہا۔ ایک روٹی اور نمک اس کی غذا تھی

(تاریخ اسلام و المامون وغیرہ) مامون نے حکم دیا تھا کہ مامون کے باپ ہارون کی قبر کھول کر اس میں جناب علی رضا کو دفن کیا جائے اس پر ایک شاعر دعبل نامی نے جو اہلبیتؑ کا مداح اور خلفا بنی عباس کا دشمن تھا ایک ظرافت آمیز ہجو لکھی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ماینفع الرجس من قرب الذکی ولا ۔۔۔ علی الذکی بقرب الرجس من ضرر

یعنی ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ پاک کا اس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے (المامون)

حضرت علی رضا علیہ السلام آئمہ اثنا عشر میں ہیں۔ بڑے عالم اور اتقیاء روزگار میں سے تھے۔ ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون کے شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ لکھے اس نے جواب دیا کہ ان کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے۔ (المامون)۔

علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں:۔

شخصی حکومت کا زور مامون کے عہد میں بھی پوری قوت کے ساتھ قائم تھا۔ لیکن وہ اس بدعت کا موجد نہیں ہے اور اگر اس کی چلتی تو اس حالت میں ایک مفید انقلاب پیدا ہو جاتا۔ بنو امیہ اور عباسیہ دونوں نے اس طریق عمل سے خلافت اسلام کو خاندانی ترکہ قرار دیا تھا۔ مامون پہلا شخص ہے جس نے اس جابرانہ قانون کو مٹا دینا چاہا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے بڑی تحقیق اور تجربہ کے بعد ایک ایسے برگزیدہ شخص کو ولی عہدی کے لیئے انتخاب کیا جو خاندان شاہی سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ خاندان عباس ان کے

ساتھ ایک موروثی رقابت کا خیال رکھتا تھا۔ یہی بات تھی کہ ان کے انتخاب پر آل عباس دفعتہً برہم ہو گئے اور تمام ملک میں بغاوتیں برپا ہو گئیں تاہم ماموں نے وہی کیا جو سچے کانشنس کی رو سے اس کو کرنا چاہیئے تھا۔

جب ان کو زہر دیدیا گیا اور ماموں کو پورا تجربہ ہو گیا کہ جو خاندان ڈیڑھ سو برس سے خلافت پر قبضہ کرتا آیا ہے وہ کسی طرح اپنے فرضی حق سے باز نہیں آسکتا تو مجبوراً اس نے بھی وہی کیا جو اس کے اسلاف کرتے آرہے تھے تاہم اس بات سے کہ اس نے اپنی اولاد کو چھوڑ کر جو حکومت کی قابلیت رکھتی تھی اپنے بھائی کو منتخب کیا ایک ایسی عالی حوصلگی اور سچی بے غرضی کا ثبوت ملتا ہے جو تمام تاریخ اسلام میں بے نظیر ہے (المامون)

ماموں نے آل رسول کے ساتھ جو مراعات کیں اور اپنی عقیدت کا اظہار بارہا اس دودمان والا شان سے کیا اس پر بعض تنگ نظر لوگوں نے طرح طرح کی چہ میگوئیاں کی ہیں اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے بنظر اختصار ہم صرف دو حوالوں پر بس کرتے ہیں علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) صولی کہتے ہیں کہ ماموں کے بعض گھر والوں نے کہا کہ خلافت کا امر اولاد حضرت علیؓ کے متعلق نہ کرو ورنہ یاد رکھ کہ ان کے نیک لوگوں پر بھی تیرا قابو نہ ہوگا اس نے جواب دیا کہ میں یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ جس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تھے تو انہوں نے کسی ہاشمی کو ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا اسی طرح حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی کسی ہاشمی کو کوئی امر تفویض نہیں فرمایا تھا مگر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے عبداللہ بن عباس کو بصرہ میں عبیداللہ کو یمن میں معبد کو مکہ میں اور قثم کو بحرین میں

حاکم مقرر کیا تھا بلکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی بات میں ولی عہد مقرر کر دیا تھا ان کا یہ احسان ابتک ہماری گردن پر برابر چلا آرہا ہے۔ لہذا میں اس کا بدلہ ان کی اولاد کو دینا چاہتا ہوں۔ (تاریخ الخلفاء)

اس کی تائید میں علامہ شبلی نعمانی تحریر فرماتے ہیں۔

مامون کو بے شبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت پر جوش محبت آمیز عقیدت تھی اس کا لازمی اثر تھا کہ خاندان نبوت کے ساتھ بھی اس کو دلی اخلاص ہو۔ اس مراعات کا ایک اور سبب تھا جس کو خود مامون نے ایک اور موقع پر بیان کیا ہے۔ اس نے کہا کہ "ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہٗ، عثمان رضی اللہ عنہٗ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی لیکن علی مرتضیٰ جب خلیفہ ہوئے تو عبد اللہ بن عباس کو بصرہ۔ عبید اللہ کو یمن۔ معبد کو مکہ۔ قثم کو بحرین کی حکومت دی اور آل عباس میں کوئی باقی نہ رہا۔ جس کو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ہمارے خاندان پر یہ قرض باقی چلا آتا تھا جس کو اب میں نے ادا کیا ہے۔ (المامون)

لقب شریف آنجناب علیہ السلام کا **امام ضامن** زیادہ مشہور ہے۔ مزار مبارک طوس میں ہے جو بعد وفات آنجناب مشہد مقدس کے نام سے موسوم ہو گیا ہے اور مرجع خاص و عام ہے۔

لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

اے دل غلام شاہ جہاں باش و شاہ باش ۔۔۔ پیوستہ در حمایت لطف الٰہ باش

از خارجی ہزار بیک جو نمی خرند ۔۔۔ گو کوہ تا بہ کوہ منافق سپاہ باش

چوں احمدم شفیع بود روز رستخیز — گو این تن بلاکش من پرگناه باش
آنرا که دوستی علی نیست کافر است — گو زاہد زمانہ و گو شیخ راہ باش
امروز زندہ ام بولائے تو یا علی — فردا بروح پاک امامان گواہ باش
قبر امام ہشتم سلطان دین رضا — از جان ببوس و بر در آں بارگاہ باش
دستت نمی رسد کہ بچینی گلی زشاخ — باری بپای گلبن ایشاں گیاہ باش
مرو خدا کہ زاہد تقویٰ طلب بود — خواہی سفید جامہ و خواہی سیاہ باش

حافظ طریق بندگی شاہ پیشہ کن
وانگاہ در طریق چو مردان راہ باش

مداح آل رسول مولانا جامی رح جناب امام رضا علیہ التحیۃ والثنا کی منقبت میں تحریر فرماتے ہیں:-

سلام علی آل طٰہٰ و یٰس — سلام علی آل خیر النبیین
سلام علی روضۃ حل فیہا — امام یباہی بہ الملک والدین
امام بحق شاہ مطلق کہ آمد — حریم درش قبلہ گاہ سلاطین
شہ کاخ عرفان گل شاخ احسان — در درج امکان مہ برج تمکین
علی ابن موسیٰ الرضا کز خدایش — رضا شد لقب چوں رضا بودش آئین
ز فضل و شرف بینی او را جہانے — اگر نبود ت تیرہ چشم جہاں بین
پی عطر روبند حوران جنت — غبار درش گیسوی مشکین
اگر خواہی آری بکف دامن او — برو دامن از ہر چہ جز اوست درچین
چو جامی چشد لذت تیغ مہرش — چہ غم گر مخالف کشد خنجر کین

دیگر شعرائے نامدار نے بھی ہزارہا مقامات پر جناب امام علیہ السلام کی مدح و منقبت میں گہر ریزی کی ہے۔ یہاں چند اشعار ملک الشعراء زبان العجم حکیم قاآنی کے ناظرین کی ادبی ضیافت کے خیال سے نقل کئے جاتے ہیں :—

بگردون تیره ابری بامدادان بر شد از دریا — جواهر خیز و گوهر ریز و گوهر بیز و گوهر زا

چو چشم اهرمن خیره چو روی زنگیان تیره — شده گیتی همه چیره مغزش علت سودا

شبه گون چون شب عاشق گرفته چون دل عاشق — باشک دیده وامق برنگ طره عذرا

تنش با قیر آلوده دلش از شیر آموده — برون پر سرمه سوده درون پر لؤلؤ لالا

بدل گلشن بتن زندان گهی گریان گهی خندان — چو در بزم طرب رندان ز شور نشاء صهبا

چو دودی بر هوا رفته چو دیوی مست و آشفته — زده بس در ناسفته ز مستی خیره بر خارا

شده خورشید نور افشان بتاری جرم او پنهان — چو شاه مصر در زندان چو ماه چرخ در ظلما

و یا در تیره چه بیژن نهفته چهرهٔ روشن — و یا روشن گهر بهمن شده در کام اژدرها

لب غنچه رخ لاله برون آورده تبخاله — ز بس باران از آن ژاله بطرف گلشن و صحرا

ز فیض او دمیده گل شمیده طرهٔ سنبل — کشیده از طرب بلبل بشاخ سرخ گل آوا

عذار گل خراشیده خط ریحان تراشیده — ز بس الماس پاشیده بباغ از ژاله بیضا

از او اطراف خارستان شده یکسر بهارستان — وز او رشک نگارستان زمین از لالهٔ حمرا

فگنده بر سمن سایه دمن را داده سرمایه — چمن ز و غرق پیرایه چو رنگین شاهد رعنا

ز بیمش مرغ جان پر زد ز سهمش زهرها در ذرد — چو او چون اژدها غرد و یا چون دد کشد آوا

خرد شد هر دم از گردون که پوشد بر تن هامون — ز سنبل کسوت اکسون ز لاله خلعت دیبا

فشاند در چمن ژاله دمانده از دمن لاله — چنان از دل کشد ناله که سعد از فرقت اسما

کنون از فیض او بستان نماید از گل و ریحان — برنگ چهرهٔ غلمان ببوی طرهٔ حورا

چمن از سرو و سیسنبر بحال خلخ و کشمر — دمن از لاله و عبهر طراز تبت و یغما

ز بس گلهای گوناگون چمن چون صحف انگلیون — تو گوئی فرش سقلاطون صبا گسترده در مرعی

ز بس خوبان فرخ رخ گلستان غیرت خلخ — همه چون نوش در پاسخ همه چون سیم در سیما

ز بس لاله ز بس نسرین دمن رنگین چمن مشکین — ز بوی آن ز رنگ این هوا بخش زمین زیبا

گل از باد وزان لرزان و زان مشک ختن ارزان — بلی بود شگفت ارزان کساد عنبر سارا

ز فر لاله و سوسن ز نور نور و نسترون — دمن چون وادی ایمن چمن چون سینهٔ سینا

چو در ماموں چو در بستان بصف اندر صف گل ریحان — ز نیکو لالهٔ نعمان ز نیکو نرگس شهلا

تو گوئی اهل یک کشور برهنه پا برهنه سر — چنان در خشکسال اندر بهاموں بهر استسقا

چمن از فر افروردین چنان نازان بدشت چین — که طوس از فر شاه دین برین نه گنبد خضرا

هژبر بیشهٔ امکان نهنگ لجهٔ ایمان — ولی ایزد منان علی عالی اعلا

امام ثامن ضامن حریمش چون حرم آمن — زمین از حزم او ساکن سپهر از عزم او پویا

نهال باغ علیین بهار مرغزار دین — نسیم روضهٔ یسین شمیم دوحهٔ طه

سحاب عدل را ژاله ریاض شرع را لاله — خرد بر چهر او واله روان از مهر او شیدا

نظام عالم اکبر قوام شرع پیغمبر — فروغ دیدهٔ حیدر سرور سینهٔ زهرا

رضای او رضای حق قضای او قضای حق — دلش از ماسوای حق گزیده عزلت عنقا

ردای قدس پوشیده بهضم نفس کوشیده — ببزم انس نوشیده میی وحدت ز جام لا

می از مینای لا خورده سبق از ماسوا برده — وزان پس سر بر آورده ز جیب جامهٔ الا

ندوده زنگ امکانی شده در نور حق فانی — چو در مهر نورسانی چو آب دجله در دریا

زدہ در دشت لاخر گہ کہ لامعبود الا اللہ ۔ زکلخ نفی جستہ رہ بخلوتگاہ استثنا
شدہ از بس بیاد حق بحر نفی مستغرق ۔ چناں باحق شدہ ملحق کہ استثنا بستثنیٰ
رموز علم ادریسی بود ذوقی نہ تدریسی ۔ چہ داند ذوق ابلیسی رموز علّم الاسما
بسر از لطف حق تا جست طریق شرع منہاجت ۔ بسا ما قرب معراجت فسبحان الذی اسریٰ
مہین نو بادہ آدم ہمیں پیرایۂ عالم ۔ چو خیر المرسلین محرم بخلوتگاہ او ادنیٰ
تو جسم شرع را جانی تو در عقل را کانی ۔ تو گنج کان یزدانی تو دانی سر ما فے
تو دانائی حقائق را تو بینائی دقائق را ۔ تو ردیانی شقائق را زناف صخرہ صمّا

امام محمد تقی بن امام علی رضا

لقب شریعت آپ کا جواد زیادہ مشہور ہے ۔ مشہور ہے کہ ولادت باسعادت انجناب کی ۱۹۵ھ میں ہوی اور وفات پچیس سال کی عمر میں سنہ ۲۲۰ھ میں بماہ ذیقعدہ ہوی اور جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام کی قبر مبارک کے قریب ہی تدفین عمل میں آئی ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو بھی زہر دیا گیا ۔ دو بیٹے اور دو بیٹیاں اور بقول بعض تین بیٹیاں آپ کی یادگار رہیں ۔

امام علی نقی علیہ السلام ابن امام محمد تقی علیہ السلام

ولادت باسعادت آنجناب کی سنہ ۲۱۲ھ میں بقول بعض سنہ ۲۱۴ھ میں ہوی ۔ علم و

فضل وسخاوت میں اپنے باپ کے وارث تھے صاحب سعادۃ الکونین لکھتے ہیں۔

لقب وی نقی وہادی است ومعروف بعسکری است زیراکہ وی رضی اللہ
عنہ را خلیفہ معتصم از مدینہ بسرمن رائے سکونت کنانید و این سرمن رائی را
عسکر گویند چہ اعسکر یعنی لشکر است۔ درآنجا لشکر خلیفہ مدتہا اقامت داشت
پس او را باعتبار این نسبت عسکری گویند و در فصل الخطاب نوشتہ کہ از کثرت
مردمان در بغداد تنگی شد۔ لہذا خلیفہ انجا بالشکر خود قرار گرفت۔ آن شہر
مشہور بہ عسکر شد وے رضی اللہ عنہ ہمیشہ مکرم ومعزز نزد خلفاء عباسیہ ماند تاکہ
در زمانہ معتز باللہ بن متوکل باللہ روز دوشنبہ بتاریخ بست وپنجم در شہر جمادی الآخر
سنہ دوصد وپنجاہ وچہار سفر آخرت گزید و ابن الاخضر وشیخ مفید شیعی وطبری
در ماہ رجب از سنہ مذکور گفتہ وبعضی شیعہ گویند کہ او را معتز باللہ زہر دادہ بود
وعمر شریف وی بہ روایت اول کہ در پیدایش گذشتہ چہل سال و بہ روایت ثانی چہل ودو سال وچند ماہ بود
و وی رضی اللہ عنہ در خانہ خود در سرمن رائے در شارع ابو احمد رشیدی مدفون
شد وبودن مزار شریف وی در قم صحیح نیست درآنجا قبر فاطمہ دختر موسی بن جعفر
است رضی اللہ عنہم وبودن وی در سرمن رای دہ سال وبعضی بست سال گفتہ
اند واما فرزندان وی رضی اللہ عنہ سہ پسر ویک دختر است وآن حسن وحسین
وجعفر وعالیہ اند وبعضی نام دختر عائشہ گفتہ اند ومفید شیعی چہار پسر گفتہ ونام چہارم
محمد میگوید۔ احوال حسین معلوم نیست واما بعض او را ابوجعفر گویند بعد فوت والد ماجد
بحجاز رفت تا ببالائی قریہ موصل بہفت فرسنگ رسیدہ وفات یافت وقبر وی آنجا است
ومسجد ہم است واما جعفر او را ابو عبد اللہ گویند و وی ہمنام امام جعفر جد خود است
وجد او را شیعہ امام صادق دا و را جعفر کذاب گویند۔

ذکر خاندان نقوی متوطنہ امروہہ

جعفر بن امام علی نقی سے مورث خاندان نقوی متوطنہ امروہہ جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کا شجرۂ نسب بذریعہ سید ہارون (بن جعفر بن امام علی نقیؑ) متفرع ہوتا ہے صاحب عمدۃ الطالب نے اس کی صراحت اس طرح کی ہے۔

امام علی الھادی فیلقب العسکری لمقامہ بسر من رائی وکانت تسمی العسکر و امہ ام ولد وکان فی غایۃ الفضل ونہایۃ النبل اشخصہ المتوکل الی سر من رائی فاقامہ بہا الی ان توفی واعقب من رجلین ہما الامام ابو محمد الحسن العسکری کان من الزہد والعلم علی امر عظیم وہو والد الامام محمد المہدی ثانی عشر الائمۃ عند الامامیہ وہو القائم المنتظر عندہم من ام ولد اسمہا نرجس واسم اخیہ ابو عبد اللہ جعفر الملقب بالکذاب لادعائہ الامامۃ بعد اخیہ الحسن ویدعی ابا کرین لانہ اولد مائۃ وعشرین ولدا ویقال لولدہ الرضویون نسبۃ الی جدہ الرضا واعقب من جماعۃ انتشر منہم عقب ستۃ ما بین مقل و مکثر وہم اسمعیل حریفا وطاہر ویحیی الصوفی وہارون وعلی وادریس فمن ولد اسمعیل بن جعفر الکذاب ناصر بن اسمعیل المذکور

واخوہ ابوالبقاء محمد ومن ولد طاہر بن جعفر الکذاب ابو الغنائم بن محمد الدقاق بن طاہر بن محمد بن طاہر المذکور وابویعلی محمد الدلال بن ابی طالب حمزہ بن محمد بن طاہر المذکور ومن ولد یحیی الصوفی بن جعفر الکذاب ابوالفتح احمد بن محمد بن الحسن بن یحیی الصوفی المذکور وھو نسابۃ المعروف بابن الحسن الرضوی وله اخ اسمه علی وابالقاسم کان فاضلا ویحفظ القران وبری بالنصب؛ عقب بمصر ومن ولد ھارون بن جعفر الکذاب علی بن ھارون ابناہ الحسن والحسین اعقبا بصیدا من بلاد الشام (عمدۃ الطالب)

نیز یہ عبارت اس کتاب مطبوع کے حاشیہ پر مرقوم ہے۔

من اولادہ سادات امروھہ وھی قریۃ من مضافات دھلی وردھا اولاد السید شرف الدین شاہ ولایت وھو ابن السید علی بزرگ وھو ابن السید مرتضی وھو ابن السید ابی المعالی وھو ابن السید ابی الفرح الصیداوی الواسطی وھو ابن السید داؤد وھو ابن السید حسین وھو ابن السید علی وھو ابن السید ھارون المذکور فی المتن وایضا من اولاد السید ھارون سادات کرویز المشھورون فی الھند۔

اسی طرح کتاب مستطاب کنز الانساب وبحر المصائب میں جو شیخ سید مرتضی علم الہدی نے مستند سادات ہندوستان وغیرہ کی لکھی ہے۔ اس میں سادات امروہہ کے نسب کے

اتصال کے متعلق حسب ذیل عبارت تحریر ہے:۔

امروہہ قریہ از مضافات دہلی است۔ سادات آنجا از اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت بن سید علی بن سید مرتضیٰ بن ابی المعالی بن ابی الفرح بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر کذاب بن امام علی نقی الہادی علیہ السلام می باشد۔

اسی شجرہ کو صاحب اسراریہ وغیرہ بھی نقل کرتے آئے ہیں۔ عبارت اسراریہ کی یہ ہے

می گوید فقیر حقیر محمد کمال بن سید محمد لال سید بدھ بن سید حامد بن سید چاند بن سید ہون بن سید مجدالدین بن سید عزیز الدین بن سید شرف الدین بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابی المعالی بن سید ابوالفضل و اسلمی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی بن امام ہادی علی نقی بن امام جواد محمد تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین سید الشہدا بن امام علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ رضی اللہ عنہم و قدس اسرارہم کہ احوال اکثری ازین بزرگان اندر کتب تواریخ سلف مسطور است و برالسنہ مذکور اما در ثمرات القدس مجملے از احوال سید شرف الدین و بعض از اولاد و یاران وے چنین مے نویسد کہ سید شرف الدین امروہہ ملقب بصاحب ولایت نور اللہ مضجعہ وے از بزرگان سادات واسطیہ است صاحب خوارق جلیلہ و کرامات عظیمہ در علوم ظاہری و باطنی بعہد وے کسے بوے نرسیدہ۔

صاحب ریاض الانساب لکھتے ہیں۔

(ودیگر نسب سادات امروہہ ہنداست۔ ایشان از اولاد سید شرف الدین شاہ ابن سید علی بن سید مرتضیٰ بن سید ابی المعالی بن سید ابو الفرح الصیداوی الواسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی (کذاب) بن علی النقی علیہ السلام۔ (ریاض الانساب ومجمع الاعقاب معروف بحرالانساب جامع مرزا محمد ملک الکتاب شیرازی مطبع داؤدی بمبئی جلد دوم) صـ۲۲۳

صاحب تاریخ گلزار شمس تبریز لکھتے ہیں۔

(ذکر سادات امروہہ من مضافات دہلی اولاد سید شرف الدین شاہ دارد ہند۔ بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفرح صیداوی واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر کذاب تواب بن علی نقیؑ۔ (صـ۲۴۳ مصنفہ سید ملک شاہ المعروف شجاع الملک شمسی)۔

الغرض جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایتؒ مورث خاندان نقوی امروہوی کا سلسلہ نسب متواترات سے جناب امام علی نقی علیہ السلام سے متصل اور ثابت ہے، ہزارہا دستاویزی شہادتیں صدہا سال کی اس کے اثبات کے لیے موجود ہیں اور صدہا سال کا تواتر سماعی وشہرت ملکی اس کی مزید تائید میں موجود ہے سلطنت وحکومت کے ہزارہا فرامین وکاغذات اور دیگر مصنفین کی صدہا تصنیفات اور دیگر کتب معتبرہ سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ حسب صراحت عمدۃ النسابین السید جمال الملۃ والدین احمد بن علی بن مہنا داؤدی الحسنی المتوفی ۸۲۸ھ سید ہارون (ابن جعفر بن الامام علی نقی) کے فرزندان سید حسن وسید حسین ملک شام کے شہر صیدا میں صاحب اولاد ہوئے (ومن ولدہ وہان

بن جعفر الکذاب علی بن ہارون ابناہ الحسن والحسین اعقبا بصیدا من بلاد الشام (عمدۃ الطالب) سید حسین (بن سید علی بن سید ہارون بن جعفر بن امام نقی علیہ السلام) کے پوتے سید ابو الفرح (بن سید داؤد بن سید حسین مذکور) مقام صیدا سے نقل مقام کر کے شہر واسط میں اقامت فرما ہوئے۔ اسی لیے سید ابو الفرح صیداوی الواسطی مشہور ہیں۔ اور یہی عمدۃ الطالب کے حاشیہ میں بھی درج ہے جس کی نقل اوپر درج ہو چکی ہے۔ سید ابو الفرح صیداوی الواسطی کا نام سید ابو الفضل بھی بعض شجروں میں درج ہے اور کیا عجب ہے کہ آنجناب کا اصلی اور حقیقی نام ابو الفضل ہی ہو اس کی تائید سید محمد میر عدل امیر اکبری کے فرزندان نامدار کے اسماء گرامی ابو الفضل و ابو المعالی سے بھی ہوتی ہے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ شائد میر عدل موصوف نے اپنے اجداد کے ناموں پر اپنے بیٹوں کے نام ابو المعالی و ابو الفضل رکھے تھے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ سید ابو الفرح مذکور کا دوسرا نام یا کنیت ابو الفضل ہو۔ اور یہ شکل بھی کثیر الوقوع ہے کہ ایک ایک فرد کے کئی کئی نام نظر آتے ہیں۔ بہر حال سید ابو الفرح واسطی سے نیچے کی طرف سلسلہ نسب بتوسط سید ابو المعالی و سید مرتضیٰ و سید علی بزرگ حضرت مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ سے متصل ہے علاوہ کثیر اور قدیم ترین دستاویزی شہادتوں کے جو اس ماضی بعید کی اب ملنی ممکن ہیں اطراف واکناف وخاص امروہہ کی صدہا سال کی مسلسل اور غیر منقطع شہادت سماعی وشہرت ملکی آنجناب کے صحیح النسب سید نقوی واسطی ہونے کی قطعی دلیل ہے حتیٰ کہ امروہہ ومضافات امروہہ کا بچہ بچہ ہمیشہ سے جناب کی سیادت نسب وعظمت حسب اور شاہ ولایت ہونے پر ہمیشہ سے گواہی دیتا آیا ہے۔ اور اب بھی امروہہ کے در و دیوار و کوچہ و بازار و صغار و کبار اس پر گواہی دے رہے ہیں

امروہہ میں جناب کی آمد کے متعلق مختلف روایات مشہور ہیں۔ قدیم تذکرہ نویسوں نے یوں تو جناب کے تصرفات روحانی و فیوض باطنی و سیادت نسب و شوکت حسب وکشف وکرامات پر بہت کچھ تحریر فرمایا ہے لیکن افسوس ہے کہ زمانہ ورود امروہہ کے متعلق ان تذکرہ نویسوں کے بیانات میں اختلاف ہے اور کسی ایک مقام سے کوئی ایسی مستند روایت دستیاب نہیں ہوسکتی جس سے قطعی طور پر تاریخ ورود انجناب یا سال پیدائش آنجناب رح کا یقین کامل ہوسکے۔ البتہ اس پر سب متفق ہیں کہ ابن بطوطہ مشہور سیاح جب ۱۴۱ھ میں امروہہ پہنچا اس وقت آنجناب کے فرزند نامدار امروہہ کے حاکم وقاضی تھے۔ ابن بطوطہ کا قیام دو ماہ تک اپنے سفر کے سلسلہ میں امروہہ میں رہا۔ اپنے مشہور سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ (ثم وصلنا الی امروھا وھی بلدۃ صغیرۃ حسنۃ فخرج عمالھا وجاء قاضیھا الشریف امیر علی وشیخ زاویتھا واضافانی ضیافۃ حسنۃ) یعنی پھر ہم امروہہ پہنچے جو ایک چھوٹا سا اچھا شہر ہے اس کے حکام اور قاضی شہر امیر علی اور شیخ زاویہ دونوں باہر آئے اور انہوں نے میری ضیافت عمدہ طور پر کی۔ ابن بطوطہ کے اس بیان سے یہ امر متحقق ہوجاتا ہے کہ ۱۴۲ھ میں جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کے فرزند نامدار قاضی سید امیر علی بقید حیات موجود تھے۔ عہدہ قضا پر مامور ہونے کے لیے یہ بھی خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس زمانہ میں یہ عہدہ محض نکاح خوانی کی حد تک ہی نہ تھا جیسا کہ ہم اس زمانہ میں دیکھتے ہیں۔ بلکہ ان کے متعلق اہم فرائض تصفیہ حقوق رعایا و دیوانی و فوجداری مقدمات کے انفصال وغیرہ کے ہوتے تھے۔ اور علی العموم ان عہدوں پر علماء نامدار اور سن رسیدہ لوگوں کا تقرر ہوتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ کمسن و ناتجربہ کار لوگوں سے ان خدمات جلیلہ وحقوق العباد کا تصفیہ متعلق نہیں کیا جاسکتا ہے ان جملہ حالات

میں سید امیر علی صاحب موصوف کی عمر کا تخمینہ ۷۴۱ھ میں پچاس ساٹھ سال ہوتا ہے۔ اور یہی قرین عقل ہے کہ ایسے اہم عہدوں پر اسی سن و سال کے لوگ ہوتے تھے پس اگر ۷۴۱ھ میں آنجناب کا سن ساٹھ سال قرار دیا جائے تو آپ کی پیدائش (۷۴۰-۶۰=۶۸۰) قریباً ۶۸۰ھ میں ہوئی جو قرین عقل و صواب ہے ۶۸۰ھ میں اگر سید امیر علی صاحب کے پدر بزرگوار یعنی مخدوم شاہ ولایتؒ کی عمر شریف چالیس سال قرار دی جائے تو بہرحال یہ تخمینہ قرین عقل اور یہ تعین قرین قیاس قرار پاتا ہے۔ اس میں دس بیس کی کمی بیشی بھی ممکن ہے مگر چالیس سال کی عمر صاحب اولاد ہونے کے لیے عام حالات انسانی میں زیادہ قرین صواب ہے۔ پس (۶۸۰-۴۰=۶۴۰) قریباً چھ سو چالیس ہجری حضرت شاہ ولایتؒ کا سال پیدائش قرار پاتا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے آنجناب کا سال پیدائش ۵۵۳ھ لکھدیا ہے جو ابن بطوطہ کی صراحت متعلق ہو جانے کے بعد قرین عقل نہیں رہتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ غلطی سے بجائے ۶۵۳ھ کے ۵۵۳ھ تحریر ہو گیا ہو اس قسم کی غلطیاں اکثر تذکرہ نویسوں کے بیانات میں بعض اوقات بوجہ عدم تحقیق اور بعض اوقات بوجہ سہو و خطاء انسانی اور بعض اوقات بیانات نقل در نقل ہوتے میں ہو جاتی تھیں۔ پس بعض تذکرہ نویسوں کے بیان کردہ سال پیدائش کو بجائے ۵۵۳ھ کے ۶۵۳ھ باور کر لینا بھی قرین قیاس ہے ہمارے ان بیانات کی تائید ایک دوسری متواتر روایت سے بھی ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ متواتر نقل ہوتا آیا ہے کہ جناب شاہ ولایت رح کا نکاح سید جلال الدین میر سرخ بخاریؒ کی دختر سے ہوا تھا۔ بقول مصنف مظہر جلالی و صاحب تاریخ اولیا میر سرخ بخاریؒ کا وصال انیسویں جمادی الاول ۶۹۰ھ میں ہوا اور زمانہ ورود ہند آنجناب کا ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ہے پس اگر جناب شاہ ولایتؒ کا سال پیدائش ۶۴۰ یا

۶۵۳ء قرار پائے تو اس حساب سے میر سرخ بخاری رح کی دختر سے عقد ہونے کی روایت متواتر کی بڑی حد تک تصدیق ہوتی ہے۔ دیگر قرائن سے بھی یہی رائے قرار پاتی ہے کہ حضرت شاہ ولایت رح کی پیدائش ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ہوی ہے۔ اور قیاس غالب یہ ہے کہ جناب کا سال پیدائش ۶۴۰ یا اس کے قریب ہی قریب ہے۔

علمائے علم نسب نے متعدد اصول علمی حیثیت سے تحقیق نسب کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔ مثلاً شہرت ملکی و شہرت مقامی و تواتر سماعی و شہادت دستاویزی و شہادت ادی (مثلاً ہم شباہت ہونا باپ دادا کا) وغیرہ وغیرہ۔ ازانجملہ اتصال نسب کی جانچ کے لیے ایک مقبول معیار یہ بھی قرار دیا ہے کہ جس مورث سے سلسلہ نسب کو جانچنا منظور ہو یہ دیکھا جائے کہ وارث اور مورث کے درمیان فی صدی تین پشتوں کا اوسط برآمد ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر فی صدی تین کا اوسط برآمد ہو تو سمجھنا چاہیے کہ سلسلہ نسب بیان شدہ متصل ہے۔ عام مشاہدہ کی بنا پر بھی اس معیار کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔ اور جہاں تک عام حالات پر غور کر کے دیکھا گیا یہ اوسط صحیح نکلتا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مشہور مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

اس بیان سے ایک استقرائی قانون پیدا ہوتا ہے اور اس سے آبائی پشتوں کا شمار دریافت ہو سکتا ہے اس طرح کہ جب کسی خاص شخص سے لے کر اپنے آپ تک کا زمانہ کسی کو معلوم ہو لیکن پیڑھیوں کے شمار میں کچھ شبہ ہو کہ کس قدر گذر چکی ہیں۔ تو اس حالت میں یہی کیا جاے کہ ہر صدی کے لئے تین پیڑھی یا پشتیں خیال کی جائیں۔ اگر زمانہ معلوم پیڑھیوں کے مشتبہ عدد پر پورا تقسیم ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ عدد معلوم صحیح ہے۔ اور اسی قدر پیڑھیاں اب تک

گذر چکی ہیں۔ اور اگر ایک قرن کی کمی رہ جائے تو جاننا چاہیئے کہ عدد میں غلطی ہے۔ اور عدد میں ایک پیڑہی زیادہ مان لی گئی ہے۔ اور اگر عدد زمانیہ ایک قرن کی برابر زیادہ ہو تو ایک پیڑہی کم خیال کرنا چاہیے۔ اسی طرح آباد اجداد کا شمار معلوم ہونے سے کسی خاص پیڑہی کا زمانہ بالعکس عمل کرنے سے تقریباً صحیح معلوم ہو سکتا ہے۔ (ترجمہ مقدمہ ابن خلدون)۔

لیکن یہ بیان کردہ معیار بطور قاعدہ کلیہ کے نہیں ہے۔ البتہ اسے قاعدہ اکثریہ کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ بعض غیر معمولی صورتوں میں خصوصاً ان اقوام میں جن میں تعدد ازدواج پر عموماً عمل ہوتا اور آرام وعیش کا سامان بافراط ہوتا ہے۔ اس کے خلاف بھی دیکھا گیا ہے۔ اور اسی اور نوے سال کی عمر تک بھی بعض اشخاص کے اولاد ہوتی دیکھی گئی ہے۔ برسبیل مثال دیکھئے امروہہ کے مشہور ومعروف مولوی جناب مولوی سید محمد احسن صاحب الحسنی القادری مرحوم ساکن محلہ شاہ علی سرائے کے ۹۵ سال کی عمر میں اولاد ہوی۔ اور اس وقت ان کا یہ فرزند بفضلہ تعالیٰ بقید حیات موجود ہے۔ اور اسی سال کی عمر میں اولاد ہونے کی مثالیں تو بکثرت مل سکتی ہیں پس اس قسم کی خاص صورتوں میں فی صد سال تین پشتوں کا اوسط قائم رہنا ممکن نہیں ہے لیکن چند صدیاں گذر لینے کے بعد عام مشاہدہ کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہی اوسط قریب قریب صحیح برآمد ہو جاتا ہے۔ بعض صورتوں میں فی صدی تین پشتوں سے زیادہ کا اوسط برآمد ہونا بھی ممکن ہے۔ الغرض قاعدہ اکثریہ یہی ہے کہ پشتوں کا شمار کرنے میں تین پشت فی صد سال کا اوسط مانا جاتا ہے۔ اور جب کسی نسب کا اتصال دریافت طلب ہو مثلاً یعنی تین پشت فی صد سال کے حساب سے ہی اس کی جانچ کرتے ہیں اب تک اسی مقبولہ ومسلمہ معیار پر انساب کی جانچ ہوتی آئی ہے۔ اور

تمام مشہور و مقبول خاندانوں کے شجرہ ہائے نسب دیکھنے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔
اگر وارث اور مورث اور اس سلسلہ کے تمام افراد کا تعین ہو چکا ہے تو ان سے اسی معیار پر
زمانہ درمیانی کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ اور اگر زمانہ معلوم ہے تو پشتوں کا شمار اسی معیار پر کیا
جاتا ہے۔ البتہ یہ ایک سوال ہے کہ جب زمانہ معلوم ہو اور اس قاعدہ کی بنا پر پشتوں کا
تعین کیا جائے تو اس شمار میں وارث اور مورث یا بالفاظ دیگر جانبین کا شمار بھی ان افراد
میں کیا جاتا ہے یا نہیں اس میں دونوں طریق سے عمل جاری ہے۔ بعض نسابین) تین فیصدی
کا اوسط شمار کرنے میں جانبین کو بھی شمار کرتے ہیں۔ اور بعض اس کے خلاف جانبین کے
نام چھوڑ کر درمیانی وسائط کا شمار کرتے ہیں۔ نتیجہ قریب قریب وہی ہے اور جب کئی صدیوں کا
زمانہ زیر بحث ہو تو دو تین پشتوں کی کمی بیشی اتصال نسب کے لئے نا قابل لحاظ قرار پاتی ہے
اور ان صورتوں میں وارث کے صحیح النسب ہونے میں کلام نہیں کیا جاتا ہے (اس پر اور نسب
کی دیگر اصولی بحثوں کے لیے ملاحظہ ہو جلد دوم)۔

بقول علامہ ابن خلدون جس کی نقل اوپر ہوئی۔ اور بقول دیگر علماء علم نسب نا
درمیانی معلوم ہونے کے بعد فی صد سال تین پشت کا اوسط بالعموم اتصال نسب کے لئے
بطور قاعدہ اکثریہ کے دیکھا جاتا ہے پس اس قاعدہ کی بنا پر دیکھا جائے کہ جناب شاہ
ولایت ؒ اور ان کے مورث جناب امام علی نقی علیہ السلام کا درمیانی زمانہ کس قدر ہے
جیسا کہ ابھی تحقیق ہوا۔ جناب شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا سال پیدائش قریباً ۶۴۰ھ ہے۔
اور جناب علی نقی علیہ السلام کا سال وفات ۲۵۴ھ تمام تذکرہ نویسوں کا مسلمہ ہے۔ پس
ان دونوں بزرگوں کا درمیانی زمانہ (۶۴۰-۲۵۴=۳۸۶) تین سو چھیاسی سال برآمد
ہوتا ہے۔ اس مدت میں یعنے تین سو چھیاسی سال میں قریباً گیارہ پشتوں کا اوسط بحساب

تین پشت فی صد سال قاعدۂ اکثریہ کی بنا پر بغرض اتصال نسب دیکھا جائے گا۔ ملاحظہ ہو شجرۂ نسب جناب شاہ ولایت رح اور وہ یہ ہے:-

سید شرف الدین بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفرح بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر بن امام علی نقی ع۔ اب اگر جانبین یعنے سید شرف الدین شاہ ولایت رح اور امام علی نقی کے ناموں کا شمار کر لیا جائے تو گیارہ پشتیں شمار میں آتی ہیں اور اس طرح اتصال نسب میں اس قاعدہ مقررہ مقبولہ کی بنا پر کوئی شک و شبہہ باقی نہیں رہتا ہے۔ اور اسی عدد یعنی گیارہ پشتوں کی ضرورت ۳۶۳ سال زمانہ درمیانی کے لیے بر بنا ر قاعدہ اکثریہ مقبولہ تھی جو قطعاً ثابت اور سلسلۂ نسب ہمہ جہت متصل اور غیر منقطع اور بہر نہج صحیح ہے۔ اب رہی دوسری صورت یعنی یہ کہ جانبین (جناب شاہ ولایت و امام نقی ع) کے ناموں کو اس قاعدہ کی بنا پر جانچ کرنے میں نہ شمار کیا جائے تو درمیانی اسما کا شمار "۹" ہوتا ہے اور اس طرح بھی سلسلہ نسب متصل اور غیر منقطع قرار پاتا ہے۔ آنجناب کا نسب شریف اپنے مورث امام نقی ع سے بہر دو صورت متصل ہے۔ خواہ جانبین کے ناموں کو شمار میں لایا جائے یا نہ لایا جائے کیونکہ عام مشاہدہ کی بنا پر اور بقول نسابین ثابت ہے کہ دو صدیوں میں پانچ اور چار واسطے بھی پائے جاتے ہیں اور آنجناب اور امام علی نقی علیہ السلام میں قریبًا پونے چار صدی کا فصل ثابت شدہ امر ہے۔ پس اگر درمیان کے پشتوں کا عدد "۹" بھی مانا جائے تب بھی اتصال نسب اور کامل طور پر صحت نسب ثابت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔

اس حد تک جناب شاہ ولایت رح کی ولادت کے متعلق بحث تھی۔ آنجناب کے سال وفات کے متعلق بھی تذکرہ نویسوں میں باہم اختلاف ہے اور کسی ایک مقام سے اس کا

تعین بدرجہ یقین نہیں کیا جا سکتا ہے۔ البتہ علی وجہ الیقین اس قدر بربنا ء متواترات کہا جا سکتا
ہے کہ آنجناب نے بزمانہ پیری کہن سال ہو کر انتقال فرمایا ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے (قدم
مردانہ فوق الامکان زد) مادۂ تاریخی آنجناب کے وصال کا تحریر فرمایا ہے۔ یہ مصرعہ جس نظم کا
بیان کیا جاتا ہے اسے ہم یہاں از اول تا آخر نقل کرتے ہیں:۔

شہ من سکہ بر نقد روان زد   علم بر قبۂ نہ آسمان زد
چو ماہ چاردہ تابندہ بر ملک   طبر در پردہ ہوش جہان زد
سر شاہاں عالم کارفرمائے   خیال اندیش را راہ گمان زد
چراغ خانۂ نور نبوت   فروغ دیدا اندر دیدگان زد
خوری سرچشمہ جود و فیوضات   ضیا بر مطلع امن و امان زد
سواد کلک عالی ہمت او   رقم بر لوح مشق کن فکان زد
متاعش منزل قرب الٰہی است   خیال او مثال این و آن زد
سر اہل صفا را اوست سردار   جمالش جلوہ اندر قدسیان زد
زہے شاہ ولی قطب اقطاب   کہ بر انس و ملک حبش بجان زد
بگنجد در قلم وصف کمالش   کہ ہر یک ذرہ وصفش بزبان زد
سفر کردہ چو او بالائے افلاک   جہاں را دل شکست و بر فغان زد
چو جستم سال تاریخ وفاتش   بدم این مصرع ہاتف بزبان زد

کہ سال نقل آن شاہ ولایت رہ
قدم مردانہ فوق لامکان زد

اس نظم کے شعر آخر میں اگرچہ شاہ ولایت کا ذکر ضرور ہے لیکن کسی شاہ ولایت

کا نام نظم میں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی غور طلب ہے کہ یہ نظم کب اور کس نے لکھی۔ چند تذکرہ نویسوں نے اسے بلا کسی صراحت کے درج کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ نظم کسی دوسرے شاہ ولایت سے متعلق ہو۔ اور جناب سید شرف الدین سے زمانہ دراز گزر لینے کے بعد یہ نظم مرتب ہوی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر سال وفات کی کافی تحقیق کے شاعر نے محض بر بنا شہرت مصرعہ تاریخی موزوں کیا ہو۔ بہرحال اس پر کوئی قطعی رائے قائم نہیں کیجا سکتی ہے۔ بظاہر حالات یہ مصرعہ تاریخی جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کی وفات سے متعلق نہیں معلوم ہوتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ جناب سید شرف الدین جہانگیر شاہ ولایت ثانی بن سید علی بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی وفات سے یہ مصرعہ ثانی متعلق ہو جیسا کہ صاحب تاریخ امروہہ کا خیال ہے۔ جناب مولوی سید اعجاز حسن صاحب مرحوم (بن سید علی حسن بن سید محمد علی از نبائران سید مبارک بن سید منتجب)۔ ساکن محلہ گذری نے جو زمانہ حال کے علمار نامدار اور مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی اولاد میں تھے۔ جناب سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا سال وفات ۷۳۹ھ تحقیق فرمایا ہے اور ظن غالب ہے کہ یہ قریب قریب صحیح ہے۔ صاحب تاریخ امروہہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ ۷۳۹ھ جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کا سال وفات زیادہ قرین صحت ہے (تذکرۃ الکرام ص۱۰۵) ۷۳۹ھ اگر سال وفات مانا جائے اور جیسا کہ تحقیق ہوا قریباً ۶۴۰ھ سال ولادت آنجناب کا ہے۔ اس حساب سے قریباً سو سال عمر آنجناب کی قرار پاتی ہے۔ جو ہر طرح قرین عقل وقیاس ہے (لبست ویکم رجب) آنجناب کے سال وفات کا مادہ تاریخی بھی مشہور ہے۔

اس حد تک جو کچھ تحریر ہوا وہ آنجناب کی ولادت اور وفات کے زمانہ کے متعلق تھا۔ اب آنجناب کی زندگی اور سیرت شریف کے متعلق جس قدر قدیم وجدید کتب سے

تحقیق ہو سکا ہے درج کیا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ اور صوفیاء کرام کے متعلق متعدد کتب تذکرہ ایسی موجود ہیں جن میں اس زمانہ کے بعض مشائخ کبار وصاحبان سلسلہ کا ذکر موجود ہے حضرت مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت کے متعلق بدرجۂ تواتر یہ منقول ہے کہ آنجناب سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں بیعت تھے اور آپ کا سلسلہ بیعت نشار خداوندی سے آگے نہ چل سکا اور غالباً بلکہ یقیناً یہی وجہ ہے کہ بعض کتب تذکرہ آنجناب کے حالات سے خالی ہیں۔ جو نام صاحبان سلسلہ کے متواتر نقل ہوتے چلے آئے ہیں ان میں سے جو صاحبان سلسلہ بباعث اپنی شہرت کے زیادہ نامور ہوئے ان کے اسما کے ساتھ ساتھ معتبر اور غیر معتبر ہر قسم کی روایات ان کتب تذکرہ میں ایک دوسرے سے نقل ہوتی چلی آرہی ہیں اگرچہ جناب مخدوم شاہ ولایت رح کا سلسلہ بیعت باقی نہ رہ کر قطع ہو گیا۔ بعض مشہور کتب تذکرہ میں بھی دیگر مشائخ کرام وصوفیاء عظام کے ساتھ آپ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے ہمارے اس خیال کے موئید صاحب تاریخ امروہہ بھی ہیں۔ جو۔ تحریر فرماتے ہیں "مشائخ ہند کے حالات میں سے کسی میں آپ کا ذکر نہیں ہے۔ اور غالباً یہ اس بنا پر ہے کہ آپ صاحب سلسلہ نہیں ہیں۔ (تذکرۃ الکرام صٿ حاشیہ) اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جن معدودے چند بزرگوں کا حال ہمیں اس قدر زمانہ دراز گذر لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ وہ مخصوص وہی افراد ہیں جن کا سلسلہ بیعت آنے والی صدیوں میں باقی رہا ورنہ ہزار ہا وہ قابل قدر اور عظیم الشان ہستیاں جو اس زمانہ بعید میں خاصان خدا میں تھیں آج دنیا میں کسی تذکرہ کی کتاب میں ان کا نام نہیں ملتا ہے۔ سچ ہے! مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے۔

خود سلسلہ عالیہ سہروردیہ کو ملاحظہ کیجئے کہ معدودے چند ناموں کے سوائے جن کا تذکرہ محض بقائے سلسلہ کے لیے کتب تذکرہ صوفیا میں ایک دوسرے سے نقل ہوتا

چلا آیا ہے کیسی کیسی بڑی ہستیاں وہ ہیں جن کا کوئی ذکر کسی کتاب میں نہیں ملتا ہے۔ اسی طرح طیبہ عالیہ میں جناب مخدوم شاہ ولایت قدس اللہ سرہ العزیز بھی ایک بڑی ہستی تھے اور یہ بھی بتواتر نقل ہوتا آیا ہے کہ آپ کا سلسلۂ بیعت آئندہ باقی نہ رہا۔ ثمرات القدس من شجرات الانس ایک قدیم کتاب تذکرۂ صوفیا و مشائخ کی ہے جو ۱۰۰۰ھ یا اس کے قریب میں لکھی گئی ہے۔ اس میں مؤلف کتاب نے اپنے معاصرین کے علاوہ اولیاء کبار کے حالات بھی تحریر کئے ہیں۔ اس میں مخدوم سید شرف الدین رح کا نام نامی اور آپ کے حالات درج ہیں۔ اور جیسا کہ ان کتب تذکرہ میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ ان حالات میں زیادہ تر وہ امور از قسم کرامات وغیرہ درج ہیں۔ جو چودھویں صدی ہجری کی علمائے کے نزدیک بمشکل قابل قبول ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسری کتاب تذکرہ کی اسراریہ ہے۔ جو زمانہ حال سے تین سو سال قبل کے ہے۔ اور خود جناب مخدوم شاہ ولایت رح کی اولاد میں سے ایک صاحب سید کمال ولد سید لال نے اسے لکھا ہے اس کتاب میں بھی جناب مخدوم شاہ ولایت رح کے حالات اور کرامات کا تذکرہ ملتا ہے۔ اور جیسا کہ اس قسم کی تمام کتب تذکرہ کا حال ہے۔ رطب و یابس اس میں بھی موجود ہے۔ جناب مولوی سید اعجاز حسن صاحب مرحوم مذکور تحریر فرماتے ہیں:—

امام صاحب ثمرات القدس و اتباع او صاحب اسراریہ وغیرہ نقلہا و ارند محمول بر خوش عقیدگی ایشان است بلکہ بعض روایات ایشان از حیطۂ خوارق و کرامات ہم متجاوز است و بایں غلو در اظہار کراماتش حالات تاریخی و واقعات بقیدماہ و سنہ ازیں کتب ثمرات القدس وغیرہ ہویدا نمی شود۔ و آنچہ نوشتہ اند خلاف واقعہ و دور از قیاس وا می نماید بلکہ تباعد و تہافت از ان بر می آید

۔۔۔۔۔۔۔ الخ (تذکرۃ الکرام ص ۹)۔

صاحب اسراریہ جناب مخدوم شاہ ولایت رح سے متعلق کرامات وخوارق عادات کا ذکر بتفصیل کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ:۔

واز ثقاۃ انجا استماع افتاد کہ در روضۂ متبرکہ وے کژدمہا بسیار اند وکس ایذاے نمی رسانند تا این کہ در دست می گیرند راقم اطراف کژدمہاے انجا را آوردہ است ہم درین جا کس را نمی گزند مردمان ہم جا بجا می برند نیش نمی زنند۔

صاحب **مقاصد العارفین** تحریر فرماتے ہیں۔

در ذکر احوال و فضائل مخدوم شاہ ولایت نام مبارک سید شرف الدین است ولقب شاہ ولایت واسے کہ بدان ورغیب خوانند پیر پہاڑے نام والد بزرگوار وے سید علی بزرگ حسینی واسطی است۔ از برکات شیخ قدس سرہٗ بنہار رسید ومقامی یافت کہ دران وقت خود مثل ومانند نداشت تصرف نافذہ کرامات ظاہرہ کشف باہرہ داشت شیخ او را تولایت ہندوستان از دریاے گنگ تا کوہ کمایوں مفوض کرد۔ چون بہ ہندوستان رسید جاے اقامت بامروہہ قرار فرمود فرزندان وعیال را در امروہہ گذاشتہ در دامن کوہ بعبادت مشغول شد وحوش وطیور وسباع وحشرات الارض وجمع گزندگان مطیع وفرمانبردار او بودند۔ بیشتر اوقات در استغراق می گذاشت واز احوال خویش بیچے اطلاع نمی داد وباخلق صحبت نداشت۔ جلال وکمال الٰہی بر جبین جمال آگاہش مے تافت۔ ہر کہ دیدار پر انوارش میدید ہیبت کامل بر وے پیش مستولی شدی وباحق سبحانہ تعالیٰ قرب داشت کہ ہر چہ بزبان گفتی حق تعالیٰ مطابق آن بظہور آوردے حکم او ناطق بود وفرمانش در عالم روان قوی داشت مدا ابناے روزگار ہیچ کسے را ہمسر وے

آستانہ شرفی

یعنی مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رح مورث سادات نقوی متوطنہ امروہہ کی درگاہ شریف کا جنوبی دروازہ۔ مزار شریف دروازہ کے اندر پیش دالان نمایاں ہے
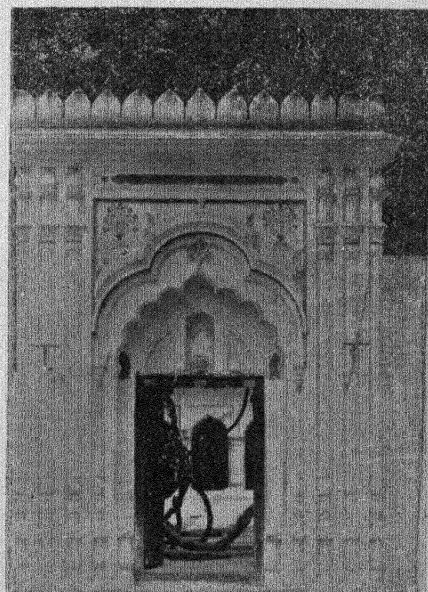
دروازہ جنوبی درگاہ مخدوم شرف الدین رح

بخیال محال بودے از اقوال اوست کہ فرمود تصرف امراو در عوالم اجنہ وحوش
وطیور وسباع والبہائم وحشرات الارض وجمیع حیوان از جنس درندگان وگزندگان
وسکان البیوت وجمیع آدمیان است ودلیل صدق کلامش کہ سراپا راست و
درست بود یکے اینست کہ بدرگاہ عرش اشتباہ وے کژدم ومار بسیار برمی آید
وہر کہ سامی انگرد ونیش کژدم یا دندان مار چون خار بعضو او خلد تصریف نافذ اوکہ
درجان با تاثیر تمام دارد۔ وآن کژدم ومار راز ایذاے وے سر توجہ بگریبان
گریز پوشند ونیش خود از جانب وے بگردانند اگر کسے کژدمے را از وصل خاک
پاک درگاہش جدا کند ودست بر نیش نہد شاید گزند نیش برجانش چنان آید
بارام نیا ساید وشیرے از نسل شیرانی کہ در دامن کوہ پاسبان صومعہ متبرکہ
مخدوم بودند اکثر اوقات بدرگاہش آستانہ بوس می کند۔

صاحب رسالہ سید سراج الدین احمد لکھتے ہیں :۔

خوارق حضرت سید شرف الدین مخدوم شاہ ولایت از بزرگان سادات والا سطی
است۔ صاحب خوارق وکرامات عظیم است ودر عالم ظاہری وباطنی بزرگ
وبزرگوار بود۔ بطرفۃ العین از مشرق تا مغرب نظر می کرد۔ از عرش تا تحت الثریٰ
نظری داشت وعظمت وکرامات ولایت مشہور است۔ میر سید سراج الدین
احمد می گوید ولیکن بتلقین از خاندان سہروردیان یافت۔ بعہد وے کسی نرسیدہ
درزمان سلطان فیروز شاہ ملوک ہندوستان کہ ویرا تاج بادشاہان گویند در سنہ
سبعین وسبعمایہ دوم ماہ ذیحجہ ہمراہ پدر خود باسم سید علی بزرگ با جمع کثیر براہ
ملتان آمدہ چند روز چلہ کشیدہ بہ ہندوستان آمدہ ودر سرزمین قصبہ امروہہ

متوطن گردید۔ بعد از چندگاہ پدر را بان جماعت گزاشتہ ترک از ہمہ گزیدہ در دامن کوہ کہ شصت کردہ از قصبہ امروہہ توجہ قدوم میمنت لزوم دراں کوہ رونق بخشیدہ بذکر حق سبحانہ تعالیٰ مشغول گشت۔

قریب قریب یہی حالات آنجناب کے ثمرات القدس اور جام جہاں نما وغیرہ میں تحریر ہیں۔ تاریخ وفات آنجناب کی بقول صاحب اسراریہ ہشتم ربیع الاول وبقول صاحب جام جہاں نما ہشتم رجب ہے۔ مگر آنجناب رح کا عرس شریف ہر سال اکیسویں رجب کو ہوتا ہے۔ اور اور دیگر کتب تذکرہ سے بھی ۲۱ رجب کی تائید ہوتی ہے۔ سال وفات کے متعلق قبل ازیں بحث تحریر ہو چکی ہے۔ اور مادہ تاریخی بھی جس سے سال وفات آنجناب رح کا برآمد ہوتا ہے (**بست ویکم رجب**) مشہور چلا آتا ہے۔

یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ تاریخ ولادت ووفات آنجناب رح میں اختلاف کا پایا جانا کوئی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ اکابر اولیا وائمہ وانبیا جلیل القدر کی تواریخ پیدائش ووفات اور بعض دیگر مشہور ترین واقعات کی تواریخ میں حسب بیانات مورخین کثیر اختلافات پائے جاتے ہیں۔ تواریخ ولادت ووفات وتعداد اولاد وازواج وغیرہ میں بے شمار اختلافات کی ایسی مثالیں مشہور ترین ہستیوں کے حالات میں نظر آئیں گی از آنجملہ خود فخر موجودات وافضل کائنات جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض واقعات تاریخ کی تواریخ اور تعین میں کیسے نمایاں اختلافات حسب بیانات مصنفین نظر آتے ہیں اور متوسطین ومتاخرین علمار وصوفیا کے حالات میں تو ان اختلافات کی کوئی حد ونہایت ہی نہیں ہے۔ شاید دو چار ہی ایسی ہستیاں نظر آئیں جن کی تواریخ ولادت ووفات وعدد اولاد وازواج وخلفا وغیرہ پر جمیع مورخین متفق نظر آئیں۔ تذکرہ

کی کتابیں ان مختلف بیانات اور کثیر اختلافات سے بھری پڑی ہیں۔

صاحب رسالہ سراج الدین احمد جناب مخدوم شاہ شرف الدین شاہ ولایت رح کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

مخدوم قدس سرہٗ در علوم ظاہری و باطنی کمال داشت و بہ شریعت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم ثابت داشت وہیچ شئے را فروگذاشت۔ مخدوم قدس سرہٗ چہار خلیفہ کامل داشتہ در حین حیات بخلفائے خویش فرمودہ کہ دست از اجرائی سلسلہ باز دارند کہ در لوح محفوظ سلسلہ ما انقطاع گرفتہ وپیر سید محمد ابدال ابن میر عبد العزیز ابن مخدوم قدس سرہٗ صاحب ریاضات شاقہ بود۔ کشف وکرامات کامل داشت۔ اکثر بر شیر سوار شدے وے در صحراہا گشتے وگمراہان را ہدایت کردے ہر جا کہ کسے اورا باخلاص یا بطریق استمداد یاد آوردی حاضر شدے ووے طعام نخوردی بقدرے شیر اکتفا کردے از وقتے کہ مخدوم اورا منع بیعت کردہ دست از بیعت مردم باز داشت وہرچہ تبرک مخدوم از جبہ ودستار ونعلین وامثال آنہا می داشت بہ کسے نگذاشت۔ وقت وفات بیاران وصیت کرد وگفت کہ این تبرک جملہ ہمراہ من در گور نہند۔ ہمچنان کردند وبتاریخ ہفدہم ربیع الاول وفات یافت۔ قبر وے در امروہہ بالائے مزار مخدوم شاہ ولایت مایل بغرب طرف شمال است۔

الغرض یہی حالات کچھ کمی بیشی اور تغیر الفاظ سے ان کتب تذکرہ میں جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کے ملتے ہیں تذکرۃ الاولیا ودیگر کتب تذکرہ سے اکثر ومشتر اکابر صوفیا وغیرہ کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم ہوسکتے اور خصوصاً چھٹی ساتویں صدی ہجری کے اولیا کرام میں سے صرف معدودے چند ہی صاحبان سلسلہ ایسے

ملتے ہیں جن کے حالات ان کتابوں میں درج شدہ روایات سے قدرے معلوم ہوتے ہیں،
جناب سید شرف الدین شاہ ولایت کے متعلق تواتر سے یہ بھی نقل ہوتا آیا ہے کہ آنجناب
امروہہ سے ساٹھ کوس پر پہاڑوں میں مصروف عبادت الٰہی رہے اور بالاخر اہل خاندان
کی استدعا پر آپ تشریف لائے۔ صاحب ثمرات القدس سید شرف الدین شاہ ولایت
کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(می آرند کہ در آخر عمر شریفش در قبائل وے کارے درمیان آمد کس را فرستاد
و التماس مقدم وے نمودند اجابت فرمود)۔

صاحب تاریخ امروہہ تحریر فرماتے ہیں۔

تذکرہ نویسوں نے آپ کو شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا مرید و خلیفہ
لکھا ہے لیکن یہ قرین قیاس نہیں۔ حضرت سہروردی کا ۶۳۲ھ میں وصال ہو چکا
تھا۔ اور یقیناً یہ وہ زمانہ ہے جب شاہ ولایت رح ممدوح کی ولادت بھی
نہیں ہوئی تھی غالب قیاس یہ ہے کہ آپ خانوادہ مشائخ ملتان کے مرید اور فیض یافتہ
تھے۔ سید جلال اعظم بخاری بھی جنھیں آپ کا خسر بتایا جاتا ہے اسی خاندان کے مرید تھے
اور خود شاہ ولایت رح کا قیام بھی ملتان میں رہا ہے یہیں سے آپ امروہہ تشریف
لائے آپ کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی رح بھی ملتان ہی کے باشندے تھے
جو بعد کسب کمالات ملتان ہی کو واپس تشریف لے گئے اور وہیں سلسلہ بیعت کا
اجرا فرمایا شاہ ولایت رح کے ابتدائی زمانہ میں حضرت شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانی و مرید
خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ سہروردی کے فرزند اکبر و جانشین شیخ صدر الدین عارف سہروردی سے
ملتان میں سلسلہ سہروردیہ کا فیض جاری تھا زیادہ قیاس یہ ہے کہ آپ انہیں کے مرید
اور فیض یافتہ تھے مولانا صدر الدین سہروردی فرزند قاضی

حمیدالدین ناگوری رہ سے غالباً آپ کو اکتساب فیض حاصل تھا شاید اسی تعلق سے شیخ معین الدین ناگوری خلف مولانا ناصح الدین موصوف کو اپنے اغوش تربیت میں رکھ کر خرقۂ خلافت سے ممتاز فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تذکرہ نویسوں نے عدم مبالاۃ کی بنا پر سلسلہ بیعت کے دو واسطوں کو ترک کر کے آپ کو شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کا مرید و خلیفہ قرار دیا۔

آپ کے صرف چار خلفائے باکمال اور صاحب حال ہوئے۔ ایک آپ کے پوتے سید محمدؒ ابدال دودہادہاری۔ دوسرے قاضی عبداللطیف واسطی تیسرے شیخ معین الدین ناگوری چوتھے شیخ نظام الدین عباسی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اول الذکر تینوں حضرات امروہہ میں رہے اور یہیں آسودہ ہیں۔ ان حضرات سے سلسلہ بیعت جاری نہ ہوا۔ چوتھے خلیفہ حضرت شیخ نظام عباسی رہ بعد اکتساب کمالات ملتان چلے گئے وہیں سلسلہ بیعت بھی جاری کیا۔ مجاوران درگاہ میں سے چند لوگ جو محلہ نوگزہ میں ساکن ہیں وہ آپ کے خادم شیخ نظام کی اولاد میں ہیں۔ ان کو حضرت شیخ نظام الدین عباسی علیہ الرحمہ کے خاندان سے جس کا کوئی فرد بھی کبھی امروہہ میں مسکن گزین نہیں رہا دور کا واسطہ اور تعلق بھی نہیں۔

عرس:۔ انیسویں سے اکیسویں رجب تک تین دن آپ کا عرس ہوتا ہے۔ ہمیشہ سے عرس کا اہتمام آپ کی اولاد کی جانب سے ہوتا تھا۔ بڑھ تلے والے کایستھ صاحبان بھی موروثی عقیدت کی بنا پر عرس میں حصہ لیتے رہے ہیں۔

صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹر اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

آپ کی درگاہ وسیع احاطہ میں ہے جس میں کثرت سے آپ کی اولاد کی قبور

ہیں۔ یہ عجب واقعہ ہے کہ آپ کا عرس صرف سادات ہی نہیں کرتے بلکہ بڑھ تلے والے کایستھ بھی کرتے ہیں۔ جو یہاں کے قدیم ساکن ہیں۔ اور پہلے زمانہ میں اسلامی ارکان اور اسلامی رسوم کی زیادہ پابندی کرتے تھے)

ان کے علاوہ شہر کے عوام الناس بالخصوص آپ کے خاندان کے پروردہ و متوسلین اور رعایا کے لوگ پلاؤ پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔ عہد اسلامی میں عرس کے اخراجات کے لیے کچھ املاک عطیہ شاہی اور بعض اشخاص کی پیش کردہ وقف تھیں۔ جب سے آپ کی اولاد میں تشیع کا رواج ہوا رفتہ رفتہ عرس کے اہتمام سے بھی بے پرواہی ہوگئی۔ موقوفہ املاک بھی باقی نہ رہیں۔ اب مجاوران درگاہ اور بعض دوسرے عقیدتمند البتہ روشنی کا انتظام کرتے ہیں اور شہر کے عوام الناس تیلی تنبولی اور قسائی وغیرہ پلاؤ پکا کر تقسیم کرتے ہیں۔

اولاد امجاد حضرت شاہ ولایت رح کے دو فرزند قاضی سید امیر علی اور سید عبدالعزیز (جو عزیز اللہ اور عزیز الدین سے بھی موسوم ہیں) اور ایک مسماۃ جنتوی ہوئیں۔

صاحب **آئینہ عباسی** جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ کا حال ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اس عرصہ میں جناب سید شرف الدین شاہ ولایت رح تشریف لائے۔ جناب ممدوح سادات حسینی واسطی ہیں باین طور کہ جناب سید شرف الدین شاہ ولایت ؒ بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفضل واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی بن امام ہادی علی نقی بن امام جواد محمد تقی ؑ بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق

بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن حضرت امام حسین شہید بن علی مرتضی کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہم۔ واسطے سے مع اپنے والد ماجد جناب سید علی بزرگ کے جمعیت کثیر سے براہ ملتان ہندوستان میں آئے۔ اور اس قصبۂ امروہہ میں اقامت فرما کر اور سب کو یہاں چھوڑ کر آپ جانب کوہ تشریف لے گئے اور مدتہائے دراز تک عبادت کی۔ وقت آخر میں تشریف لائے اور وہ درخت جو مقام عبادت میں نصب کئے تھے بحکم الہی ہمراہ لائے اور جانب غرب امروہہ نصب کر کے فرمایا کہ یہاں ہمارا مدفن ہو۔ چنانچہ بعد از انتقال وہیں دفن کیا اور تاریخ وفات آپ کی :۔

قدم مردانہ فوق لامکان زد ہہ ہوی

اور آپ کی اولاد دربار سلاطین ہند میں خصوصاً خاندان تیموریہ میں معزز اور منصبدار رہے جیسے سید محمد میر عدل کہ بڑے عالم فاضل صاحب نسب منصبدار نہ صدی بخطاب میر عدل زمانہ اکبر میں سرفراز تھے۔ اور ان کے بھائی اور برادرزادہ اور بیٹے مناصب پانصدی چہار صدی سہ صدی پر معزز تھے۔ اور زمانہ جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر میں بھی اکثر صاحب منصب رہے۔ معافیات کثیرہ حاصل کی ہیں۔ اور ان میں اکثر صاحب جیسے سید عبد الخالق۔ و سید شرف الدین جہانگیر و سید محمد میر عدل صاحب علوم ظاہر اور باطن میں بہرہ ور تھے۔ چنانچہ اکثر صاحبان دربار کلاں مرید خاندان حضرت گنج بخش گنڈ کیشری و بعض صاحب بعد کو خاندان نقشبندی مجددی جناب شاہ عالم بچھرایونی سے بیعت ہوئے۔ جیسے خاندان سید اسد اللہ خان عرف میر کلو وغیرہ یہ اہل باطن صاحب نسبت تھے اور اب تک ان کی دو دمان والا میں ریاست چلی آتی ہے۔ سید محمد علی مظفر خاں محلہ گذری میں اور سید محمد حسین خان دربار کلاں میں دربار سلاطین عہد میں ممتاز ہیں

محلہ لکڑا اور حقانی اور سٹھی اور غلام علی والہ اور شفاعت پوتہ اور مجا پوتہ اور چھیوڑہ وسرائے کہنہ و نگلہ محلہ اولاد سید صاحب کی ہیں۔ اور ایک صاحبزادہ کی اولاد منگلپوہ میں جاری ہے۔ (از نقل آئینۂ عباسی)

صاحب آئینۂ عباسی امروہہ کے بزرگان دین کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

اول اقدم واسبق ایشان جناب ولایت مآب سید شرف الدین شاہ ولایت خلیفہ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں بہت آدمی آپ سے فیضیاب ہوئے۔ اور اکثر کرامات آپ کی کتب سیر میں مندرج ہیں۔ آپ کی درگاہ شبانہ روز زیارت گاہ خواص و عام ہے۔ "بچھو اندر حصار درگاہ بلکہ درگاہ کا بچھو اور جگہ لے جاؤ جب بھی نہیں کاٹتا۔ آپ نے سلسلہ جناب باری سے چاہا تھا اتنماع ہوا۔ آپ نے بیعت اپنے خاندان میں موقوف کر دی (از نقل آئینۂ عباسی)۔

صاحب تاریخ امروہہ تحریر فرماتے ہیں۔

حسینی ان میں سب سے قدیم تعداد میں سب سے زیادہ اور معزز و باوقار خاندان اولاد سید العارفین سید حسن الملقب بہ سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا ہے۔ حضرت ممدوح کا سلسلہ نسب حضرت امام علی نقی ؑ سے متصل ہوتا ہے ان سادات نقوی کی سکونت شہر کے اکثر محلوں میں ہے آپ کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی کی نسل سے اکثر لوگ محلہ لکڑہ و حقانی اور کچھ گھر محلہ قاضی زادہ محلہ صدو اور محلہ بچدرہ میں ملقب بہ متولی ہیں۔ ان کے علاوہ موضع اغوان پور شہر بریلی و دہلی وغیرہ میں ساکن ہیں۔ آپ کے فرزند اصغر سید عبدالعزیز کی اولاد سے امروہہ میں اکثر لوگ محلہ دربار کلاں ہی۔ گذری۔ شفاعت پوتہ۔ مجاپوتہ اور زانی پوتہ۔ محلہ نگلہ چھیوڑہ۔ کٹرہ غلام علی۔ مواجہ سرائے

میں ساکن ہیں۔ اور کچھ گھر محلہ سرائے۔ کہنہ حقانی وگھیر کرم علی خان میں ہیں۔ کچھ لوگ امروہہ سے باہر مثلاً سنبھل فیروز پور۔ دکنور پور ضلع فتح پور ہسوہ میں سکونت رکھتے ہیں۔ (تاریخ امروہہ)۔

اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت رح

آنجناب علیہ الرحمہ کے دو فرزند نامدار تھے جن کے نام امیر علی اور عبدالعزیز ہیں عبدالعزیز صاحب کا نام عزیز اللہ و عزیز الدین بھی بیان کیا جاتا ہے۔ پسر اکبر امیر علی صاحب وہی ہیں جو بوقت ورود ابن بطوطہ امروہہ کے قاضی اور بقول بعض اقضی القضاۃ ہند بھی رہ چکے ہیں۔ روایت متواتر کے علاوہ شہادت دستاویزی کثیر المقدار سے بھی یہی ثابت ہے کہ جناب شاہ ولایت رح کے دو ہی فرزند تھے صاحب اسرار یہ تحریر فرماتے ہیں

وہم ہمین زیادہ تری گفت کہ از صاحب ولایت دو پسر ماندہ۔ سید امیر علی و سید عزیز اللہ۔ و از اولاد این دو عزیز چہ در امروہہ وچہ در سنبھل وچہ در غیر ذالک مردم بزرگ و اہل این کار پیدا شدند (اسراریہ)۔

دیگر تمام کتب تذکرہ بھی اس بیان پر بلا استثنا متفق ہیں۔ اور خاندانی روایات بھی جو تواتر سے نسلاً بعد نسل چلی آ رہی ہیں۔ یہی ہیں کہ جناب شاہ ولایت رح کے یہ دو ہی فرزند تھے۔ اور ایک دختر مسماۃ نجتو ی تھیں۔

یہاں سید عبدالعزیز صاحب اور ان کی اولاد کے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

سید امیر علی صاحب کی اولاد امجاد کا ذکر جلد دوم میں ہوگا۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا سید عبدالعزیز ابن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا نام عزیز اللہ و عزیز الدین بھی مشہور ہے آپ جناب ولایت مآب کے چھوٹے فرزند ہیں خاندانی روایات میں بیان ہوتا چلا آیا ہے کہ سید عبدالعزیز کی شادی بادشاہ ہند کی دختر سے ہوئی تھی کتب تذکرہ میں بھی اس کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مگر سخت تعجب ہے کہ صاحب اسرار یہ جو اسی خاندان کے ایک فرد اور زمانہ میں بھی قریب تر ہیں۔ اس شادی کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں جس بادشاہ وقت کا نام عام طور سے لیا جاتا ہے وہ فیروز ہے فیروز نام کے دو بادشاہوں کا ذکر تاریخ ہند میں موجود ہے۔ ان میں پہلا فیروز خلجی ہے اور دوسرا فیروز تغلق ہے فیروز خلجی کا زمانہ سلطنت ۶۸۹ھ سے ۶۹۵ھ تک تاریخ میں مذکور ہے۔ سید شرف الدین شاہ ولایت رح کے ذکر میں یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ آپ کے بڑے لڑکے سید امیر علی کی ولادت تقریباً ۶۸۰ھ میں ہوئی ہے کیونکہ آپ ابن بطوطہ سیاح کے میزبان امروہہ میں ۷۴۱ھ میں رہ چکے ہیں۔ اور اس وقت آپ قاضی شہر تھے۔ اور اس زمانہ کے عام حالات کے اعتبار سے ایک بڑے مجسٹریٹ اور جج کی عمر پچاس ساٹھ سال ہونا ہی بلحاظ اہمیت فرائض متعلقہ قرین عقل ہو سکتا ہے۔ پس اگر بڑے بھائی کی پیدائش قریباً ۶۸۰ھ میں تسلیم کی جائے تو چھوٹے بھائی کی پیدائش یقیناً ۶۸۰ھ سے بعد میں تسلیم کرنا واجب ہے۔ ان حالات میں مشکل باور کیا جا سکتا ہے کہ فیروز خلجی کے عہد سلطنت میں فیروز خلجی کی دختر سے سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا عقد ہوا یہ امر دیگر ہے کہ فیروز خلجی کی حکومت ختم ہو جانے کے بعد اس کی دختر سے آنجناب کا عقد ہوا۔ مگر روایت میں یہ بھی کہا جاتا ہے

کہ خود بادشاہ نے جو لڑکی کا باپ تھا اپنی موجودگی میں یہ عقد کرایا تھا پس اگر یہ مانا جائے
کہ فیروز خلجی کی کسی دختر سے سید عبدالعزیز مذکور کا عقد ہوا تو روایت کا یہ حصہ غلط
تسلیم کرنا پڑے گا کہ خود بادشاہ نے یہ عقد کرایا تھا۔ اب رہا دوسرا بادشاہ یعنی فیروز
تغلق اس کا زمانہ سلطنت ۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ تک ہے۔ اور یہ امر بڑی حد تک خلاف
قیاس ہے کہ بادشاہ وقت نے ایک ایسے شخص سے اپنی لڑکی کا عقد کیا ہو جس کے
بڑے بھائی کی عمر اس کے عہد سلطنت کے آغاز میں یعنی ۷۵۲ھ میں قریباً ستر اسی سال کی
قطع نظر اس تاریخی بحث کے یہ امر بھی خاص طور پر اس شادی کی روایت کے سلسلہ میں
قابل لحاظ ہے کہ خاندان شاہی میں اس شادی کے ہونے کا کوئی ذکر قدیم کتب تذکرہ
مثلاً ثمرات القدس مع اسراریہ و مقاصد العارفین وغیرہ میں نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ عدم ذکر عدم شئے کو مستلزم
نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے روایت میں ضعف ضرور پیدا ہو جاتا ہے
بڑی حد تک یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ فیروز خلجی کی کسی دختر سے آنجناب کی شادی
ہونا کسی معتبر اور قدیم دستاویزی شہادت سے ثابت نہیں ہے۔ فیروز تغلق کی دختر سے
عقد ہونا بھی کسی ایسی شہادت سے ثابت نہیں ہے۔ اور بڑی حد تک خلاف قیاس بھی
ہے اگر اس دیرینہ روایت کی کوئی اصلیت ہے تو ممکن ہے کہ خانوادہ شاہی میں سے
کسی دوسرے بادشاہ کی لڑکی سے آنجناب کا عقد ہوا ہو جس کی کوئی قدیم شہادت
معتبر بجز زبانی روایت متواتر کے بالفعل ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ اکابر امت
کے متعلق نکاح وغیرہ کے معاملات میں دیرینہ اختلافات چلے آتے ہیں۔ جن پر نہایت
دلچسپی اور گرماگرمی سے آئے دن مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ تاریخی نقطۂ نظر سے یہ ایسا کوئی
اہم معاملہ بھی نہیں ہے۔ یہ صرف ایک دیرینہ روایت ہے جو ذہن بذہن چلی آ رہی ہے

البتہ اس کے دیرینہ تواتر سے ایک قیاس ضرور قائم ہو سکتا ہے کہ خانوادہ شاہی میں ایسی کوئی قرابت قائم ہوئی تھی۔ اب خدا ہی جانے کہ کیا واقعات تھے اور کس بادشاہ کی لڑکی سے یہ عقد ہوا تھا۔ اور کوئی ایسا عقد ہوا بھی تھا یا نہیں۔

سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت کا شجرہ نسب نیچے کی جانب سید محمد میر عدل امیر اکبری و سید مبارک تک اس طرح ہے۔ (سید مبارک و سید محمد میر عدل برادران) پسران سید منتجب ثانی بن سید بڑے بن سید چاند بن سید منتجب بن سید راجی بن سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح۔

جناب سید شاہ ولایت رح کا سال وفات جیسا کہ اوپر تحقیق ہوا تقریباً ۸۴۰ھ ہے۔ اور یہ امر بھی بہرحال تحقیق شدہ ہے کہ سید محمد میر عدل نے سن رسیدہ ہو کر ۹۸۵ھ میں وفات پائی ہے۔ اور بوقت وفات وہ صوبہ بھکر یعنی سندھ کے گورنر تھے۔ چونکہ روایت متواتر یہ ہے۔ کہ پیرانہ سالی میں جناب نے وفات پائی۔ یہ قیاس کر لینا جائز ہے کہ بوقت وفات جناب کی عمر شریف ستر پچھتر سال ضرور تھی۔ اور پیرانہ سالی میں وفات پانے کی تائید میں دستاویزی شہادت متواتر بھی کثیر موجود ہے۔ پس اگر ۹۸۵ھ میں آنجناب کی عمر ستر سال باور کی جائے تو سراسر مقتضائے عقل و قرین قیاس ہے۔ اس حساب سے آنجناب کا سال پیدائش (۹۸۵-۷۰=915) قریباً نو سو پندرہ ہجری برآمد ہوتا ہے جناب سید شرف الدین شاہ ولایت رح کے سال وفات ۸۴۰ھ ہجری سے ان کا بعد زمانی (915-840=175) تقریباً ایک سو پچھتر سال برآمد ہوتا ہے۔ بحساب تین پشت فی صد سال ایک سو پچھتر سال کی مدت کے لئے تقریباً پانچ پشتوں کی ضرورت ہوتی ہے شجرہ نسب میں جانبین کو شمار میں نہ لانے کے بعد سید عبدالعزیز[۱] و سید راجی[۲] و سید منتجب[۳] و سید چاند[۴]

و سید بڑے و سید منتجب ثانی کے جملہ چھ نام شمار میں آتے ہیں۔ اور اس طرح یہ شجرۂ نسب بالکل متصل اور متواترات سے ثابت ہے۔ صدہا دستاویزی شہادتیں بھی موجود ہیں۔ جن سے یہ شجرۂ نسب ہمیشہ سے متصل تسلیم ہوتا چلا آیا ہے۔

سید مبارک و سید محمدؐ ہر دو حقیقی بھائی سید منتجب ثانی کے فرزند ہیں ان دونوں نامی گرامی بھائیوں کے حالات سے امروہہ میں کون واقف نہیں ہے میر سید مبارک کی اولاد میں سادات محلہ گذری و شفاعت پوتہ وغیرہ ہیں۔ اور سید محمدؐ میر عدل کی اولاد کا کثیر حصہ بڑے دربار میں ہے۔ کٹرہ غلام علی و پرانی سرائے وغیرہ میں بھی ان کی اولاد موجود ہے۔ ان دونوں نامی گرامی بھائیوں کا شجرۂ نسب جس کی تفصیل تحریر ہوتی چلی آرہی ہے حضرت امام نقی علیہ السلام تک یہاں درج کیا جاتا ہے۔ (سید مبارک و سید محمدؐ میر عدل برادران) پسران سید منتجب ثانی بن سید بڈھے بن سید بڈھن بن سید منتجب بن سید اجی بن سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابوالمعالی بن (ابوالفرح) بن سید داؤد بن سید حسین بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی (کذاب و تواب) بن امام علی نقی علیہ السلام۔ سید منتجب ثانی کے یہ دو فرزند نامدار عہد اکبری کے بھی نامی گرامی لوگوں میں ہوئے ہیں اور ان کی اولاد میں بھی امارت و ریاست کا سلسلہ صدیوں تک رہ چکا ہے۔ اب تک بھی اس کاروان رفتہ کے کچھ کچھ آثار نظر آجاتے ہیں۔ عہد اکبری اور بعد میں اس خاندان والا شان کو جو رفعت و عزت حاصل تھی۔ اس کا کچھ اندازہ اس فہرست سے ہو سکے گا جسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ ہم ممنون ہیں صاحب تاریخ امروہہ کے کہ ان سب منصبداران شاہی کی فہرست یکجائی ہمیں بلا کسی زحمت ترتیب کے مل گئی۔ اور اب ہم اسے مع ان تمام تشریحی و توضیحی عبارات کے جو مصنف ممدوح نے تحریر

فرمائی ہیں بغرض اظہار حال و توضیح مقال نقل کرتے ہیں:۔

شاہان اسلام کے زمانہ میں عمال سلطنت اور منصبداروں کو علی قدر مراتب جاگیریں عطا ہوتی تھیں ان کی بھی دو اقسام تھیں۔ ایک موقت یعنی وہ جاگیریں جو دوران خدمت میں عمال و عہدہ داران حکومت و منصبداروں کو ان کے عہدہ و منصب کے مصارف و تنخواہ کے لئے دی جاتی تھیں۔ ایسے بہت سے اعلیٰ جاگیرداروں کا تذکرہ آپ پہلے پڑھ آئے ہیں جن کی جاگیر میں کل پرگنہ امروہہ وقتاً فوقتاً شامل رہا ہے۔ دوسری وہ جاگیریں تھیں جو بصلۂ خدمات منصبدار اور ان کی نسلوں کو بطور مدد معاش بطریق معافی علی الدوام والاستمرار عطا ہوی تھیں۔ ساکنان امروہہ بالخصوص سادات امروہہ کی جاگیریں اسی شق دویم کی تھیں جو نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ معافی میں دی گئی تھیں۔ ان کا جزوی حصہ اب بھی امروہہ کے بعض خاندانوں میں باقی چلا آتا ہے۔

امروہہ کی جاگیروں کی ابتدا شروع عہد مغلیہ سے سمجھنی چاہئے۔ اس عہد سے پہلے اہل امروہہ بالخصوص سادات اولاد حضرت شاہ ولایت رہ کے متعدد افراد شاہی فوج میں بسلسلہ ملازمت منسلک تھے۔ بعض عہدہ قضاۃ امروہہ پر مامور تھے لیکن اس زمانہ میں یہاں کسی کو کوئی بڑا منصب یا جاگیر عطا نہیں ہوی تھی امروہہ کے پہلے شخص جو اپنی ذاتی قابلیت او سلطنت کی شاندار خدمات کی بدولت منصب جلیلہ پر پہنچے مولانا سید محمد میر عدل تھے۔ میر عدلی کے بعد ۹۸۳ھ میں صوبہ بھکر (سندھ) کی گورنری کے اعلیٰ عہدہ پر مامور ہوئے۔ اس وقت ان کا منصب ہزاری ذات کا تھا جو آخر عہد مغلیہ کے دہ ہزاری منصب کے مساوی ملکیہ و وقعت میں

اس سے بھی زیادہ سمجھنا بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس وقت عطار منصب کے لیے ذاتی لیاقت وقابلیت شرط تھی۔ عہد عالمگیری کے بعد سے تو منصب رعایتی یا موروثی ہوگیا تھا۔

امروہہ کے مورخین نے ان کا منصب نہصدی لکھا ہے۔ آئین اکبری میں بھی یہی تعداد درج ہے لیکن تاریخ معصومی میں جو صوبہ سندھ کی تاریخ ہے۔ اور جس کے مولف مولنا سید محمد میر عدل کے معصر ملکہ شناسا تھے منصب کی تعداد ہزاری ذات درج ہے اور یہی صحیح ہے ہزاری ذات کے منصبدار کو ۱۰۴ گھوڑے ۳۱ ہاتھی ۔ ۲۱ قطار اونٹ ۴ قطار خچر۔ اور ۲۴ عرابہ گاڑی رکھنے پڑتے تھے جس کے مصارف و تنخواہ میں آٹھ ہزار دو سو روپیہ ماہانہ ملتا تھا۔

عہد اکبری کے منصبدار عہد اکبری میں امروہہ کے منصبداروں کی تقریباً کل تعداد صرف ایک ہی خاندان یعنی مولانا سید محمد میر عدل اور ان کے بھائی سید مبارک اور ان کے نامور اخلاف پر مشتمل تھی بعض اور خاندانوں کے منصبدار بھی تھے مگر خال خال عہد اکبری میں امروہہ کے مندرجہ ذیل اشخاص منصبدار تھے:۔

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۱	میر سید محمد میر عدل	ہزاری ذات	جلال الدین محمد اکبر	حضرت شاہ ولایت اولاد سید عبدالعزیز
۲	ابو القاسم خلف میر عدل	پانصدی "	" "	" "
۳	سید مبارک برادر میر عدل	چار صدی پنجاہی	" "	" "
۴	سید ابو المعالی خلف میر عدل مذکور	سہ صدی "	" "	" "

نمبر شمار	نام	تعداد منصب	نام بادشاہ	خاندان
۵	سید ابو الحسن خلف میر عدل مذکور	دو صدی ذات	جلال الدین محمدؐ اکبر	حضرت شاہ ولایت اولاد سید عبدالعزیز
۶	سید عبدالواحد خلف سید مبارک	دو صدی 〃	〃 〃	〃 〃
۷	سید الہادی خلف 〃	یک صد و پنجاہی	〃 〃	〃 〃
۸	سید ابوالفضل خلف میر عدل	صد و بستی 〃	〃 〃	〃 〃
۹	سید عبدالجلیل 〃 سید مبارک	صد و بستی 〃	〃 〃	〃 〃
۱۰	سید عبدالغفار 〃 〃	یک صدی 〃	〃 〃	〃 〃
۱۱	سید عبدالحفیظ 〃 〃	یک صدی 〃	〃 〃	〃 〃
۱۲	سید عبدالرشید 〃 〃	〃 〃	〃 〃	〃 〃
۱۳	سید عبدالمجید 〃 〃	چہار بستی 〃	〃 〃	〃 〃
۱۴	سید خضر (مورث سادات لکڑاہ)	〃 〃	〃 〃	اولاد قاضی سید امیر علی
۱۵	شیخ معظم صدیقی	دو صدی 〃	〃 〃	شیوخ صدیقی
۱۶	مولنا الہداد عباسی	یکصد و پنجاہی 〃	〃 〃	خاندان عباسی
۱۷	شیخ عبدالمنان صدیقی	چہار بستی		شیوخ صدیقی ۔

عہد اکبری کے بعد سے سادات امروہہ بالخصوص اولاد سید عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولایت رح کی اس شاخ میں جو خاندان سید منتجب بن سید بڑے سے موسوم ہے منصبداروں کی تعداد بھی زیادہ رہی اور ان میں بعض اشخاص کو اعلیٰ مناصب

اور بڑی بڑی جاگیریں ملیں۔ ابتدائے عہد مغلیہ سے انتزاع سلطنت اسلامی تک باشندگان امروہہ میں منصب داران شاہی کی مجموعی تعداد قریباً ۲۰۰ تھی اس میں صرف اولاد حضرت شاہ ولایت رح میں تقریباً ۱۱۶۔ اور سادات و شرفار امروہہ کے دوسرے خاندانوں میں ۸۴ منصب دار ہوئے جیسا کہ حسب ذیل گوشوارہ سے واضح ہوگا :-

خاندان حضرت شاہ ولایت رح													
مجموعی تعداد	اولاد فرزند اکبر	اولاد فرزند اصغر	قاضی زادگان	دانشمندان	مفتیان	بخاری سادات	گیلانی سادات	صدیقیان	پیرزادگان	کمبوہ صاحبان	افغان صاحبان	خاندان حبیب	مجموعی تعداد
۱۱۶	۲۰	۹۶	۱۸	۱۶	۱۲	۷	۶	۷	۶	۶	۶	۱	۲۰۰

ذیل میں ہر خاندان کے منصبداروں اور جاگیرداروں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے۔

خاندان سید محمد میر عدل عہد اکبری کے منصبداروں کی جو فہرست پہلے درج ہو چکی ہے اس سے معلوم ہو گا کہ مولانا سید محمد میر عدل کے سب فرزند شاہی منصبدار تھے۔ سید ابوالفضل اپنے عالی منزلت باپ کے ساتھ صوبہ سندھ گئے شاہی فوج کے سپہ سالار رہے متعدد معرکہ ہائے جنگ سر کئے اور بعد وفات پدر بزرگوار کچھ عرصہ تک صوبہ بھکر کے گورنر رہے۔ ان کی اولاد میں دیوان سید ابراہیم ان کے فرزند دیوان سید محمد عاقل اور ان کے فرزند سید غلام علی جن کا کٹرہ مشہور ہے۔ نیز اخوالذ کے فرزند سید مظہر علی خان یہ سب اپنے اپنے زمانہ میں نامور منصبدار شاہی ہوئے بڑی بڑی جاگیریں نسلاً بعد نسل عطا ہوئیں۔

سید ابو الفضل کے دو اور بھائی سید ابو القاسم اور سید ابو المعالی اپنی شجاعت و شہامت اور اپنے جنگی کارناموں کی وجہ سے زندہ جاوید ہیں۔ یہ دونوں بھائی شہنشاہ اکبر کے نامور فوجی جنرلوں میں سے تھے شجاعت ہاشمی و جلادت حیدری کے جوہر دکھائے۔ ان کی تلواریں کبھی بنگال میں چمکتی تھیں اور کبھی قندھار میں۔ کبھی راجپوتانہ کے معرکے سر کیے اور کبھی بندیلکھنڈ کے۔ ایک ہندی دوہا ان دونوں کی شجاعت و شہامت اور جان بازیوں کا جو راجہ جیل فتح سنگھ کے مقابلہ میں ان بہادر فوجی افسروں سے ظاہر ہوئیں مشہور ہے۔

دل وبادل کنجر و گہنا فوج کا فرنو کائے
عادل محمدؐ کے مہابلی سندر قاسم شاہ ہے
(سید محمد میر عادل) (سید ابو القاسم)

پڑی دہماکے کی چوٹ تھرتھر کانپے کوٹ
جانے چھپو گمراوٹ۔

دھنیتھ بچھڑ کے جائے چھپو ہند ہے دھر لاج
جرس کا بند دیا لوچھپا جیسے معالی قاسم باج

ناری ہم ہیلے چلیے تم چلیں شان سلطان
معالی قاسم جب چلیں جب پچھم اگیے بان

آخری مصرعہ کا مطلب یہ ہے کہ سید ابو القاسم اور سید ابو المعالی کا میدان جنگ سے پیٹھ پھیرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا۔ کیوں نہ ہو آخر اسی کرار غیر فرار کی نسل سے تھے جس کی شان میں ہے۔ (لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار)۔ سید ابو المعالی لاولد رہے۔ سید ابو القاسم کے فرزند سید منعم عہد شاہ جہانی میں ہشت صدی ذات کے منصب دار تھے۔ ۱۰۴۵ھ میں انہوں نے لاولد انتقال کیا۔ ان کے ترکے کی مالک ان کی بہن یعنی سید سراج الدین قادری مورث سادات حسنی محلہ چلہ کی زوجہ بی بی اچھی ہوئیں۔

مولنا سید محمد میر عدل کے خلف اکبر سید شاہ ابوالحسن بذات خود بھی منصبدار تھے

ان کے فرزند عبدالخالق کی اولاد میں دیوان سید عبدالماجد شاہجہانی عہد میں ہزاری ذات چارسو سوار کے منصب پر فائز تھے۔ بڑی جاگیر انعام پائی انہوں نے اپنی سکونت کے لیے ایک قلعہ بطور گڑھی تعمیر کرایا تھا۔ اس کو نا تمام چھوڑ کر ۱۰۶۹ھ میں انتقال کیا ان کے نامور فرزند دیوان سید محمود نے قلعہ کی تکمیل کی۔ وہ خود بھی بڑے منصبدار اور عہد عالمگیری میں صوبہ سنبھل کے دیوان اور اپنے زمانہ میں امروہہ کے سب سے بڑے جاگیردار تھے۔ (تاریخ امروہہ)۔

سید محمد میر عدل کا نام آئین اکبری میں پنصدی امرا کی فہرست میں درج ہے لیکن جیسا کہ نقل ہوا بقول صاحب تاریخ معصومی آپ کا شمول ہزاری امرا میں ہوگیا تھا۔ صاحب طبقات اکبری تحریر فرماتے ہیں۔

سید محمد میر عدل از فحول علماء ہنداست و در قصبہ امروہہ توطن داشت بمنصب میر عدل رسیدہ بحکومت بھکر سرفراز شدہ انجا ودیعت حیات سپرد۔

دوسرے مقام پر طبقات اکبری میں امرا اکبری کے بیان میں یہ عبارت درج ہے:۔

سید محمد میر عدل از پرگنہ امروہہ بود بمرتبہ امارت وحکومت رسید۔ ومدتہا میر عدل بود۔ وچند سال ولایت بھکر در جاگیر او بود و انجا گذاشت۔

عہد اکبری کی مفصل ترین و مستند ترین تاریخ علامہ عبدالقادر بدایونی کی مصنفہ منتخب التواریخ نامی ہے۔ اس میں سید محمد میر عدل کے حالات جابجا تحریر ہیں۔ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوچکا ہے۔ سید محمد میر عدل نے منصب امارت وحکومت پر پہنچ کر جس قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض مفوضہ کو انجام دیا ہے اس کے متعلق صاحب منتخب التواریخ

لکھتے ہیں:۔

دریں منصب جلیل القدر طریق عدالت و انصاف و صدق و امانت سلوک داشتے چنانکہ قاضی القضاۃ ہم جہت ملاحظہ صلابت عمری او از خیانت و خبث باز ماندہ بود تا زمانے کہ او (سید محمد میر عدل) بدربار بود ہیچ مبتدعی و ملحدے را قدرت رخنہ انداختن در دین اسلام نبود۔ بعد از و نام میر عدل بر سائر مرقع مجازی و عاریتی گشت۔ (منتخب التواریخ)۔

اسی طرح مشہور و معروف کتاب اقبالنامہ جہانگیری میں بھی ذکر سید محمد میر عدل اور ان کے پسران نامدار کا موجود ہے ملاحظہ ہو بیان توجہ آنحضرت بدار البرکت اجمیر و ذکر آغاز سال بست و سوم الٰہی بیان آغاز بست و پنجم از جلوس و بیان سال بست و ششم جلوس و سال بست و ہشتم جلوس و ذکر ظفر یافتن شہباز خان نیز ذکر ہزیمت یافتن سلطان مظفر گجراتی وغیرہ وغیرہ۔ ان سب بیانات کی نقل ہونا موجب طوالت ہے لہٰذا ہم محض حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں صاحب واسطیہ نے یہ عبارات نقل بھی کر دی ہیں۔

صاحب تاریخ امروہہ اپنی تاریخ کی جلد دوم تذکرۃ الکرام میں سید محمد میر عدل کا حال اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

میر سید محمد میر عدل | نقادۂ دودمان سیادت باعث افتخار سلف و خلف عہد اکبری کے مشاہیر علما و فضلا اور ارکین سلطنت سے تھے نسب چند واسطوں سے سید شرف الدین حسن شاہ ولایت رحمۃ اللہ سے متصل ہوتا ہے۔ بایں طریق میر سید محمد میر عدل بن سید منتجب ثانی بن سید بدھ بن سید چاند بن سید منتجب بن سید راجی بن سید عزیز اللہ بن سید شرف الدین حسن شاہ ولایت رح۔

سلالۂ سلسلۂ مصطفوی - نخبۂ دودمان مرتضوی - نقاوۂ خاندان نقوی - سید محمد ابن
سید منتجب امروہوی - میر عدل دربار اکبری و گورنر صوبہ سندھ
ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲ کتاب ہذا (سال وفات ۹۸۵ ہجری)

سید محمد میر عدل امروہوی امیر اکبری

تا زمانے کہ سید محمد میر عدل بدربار اکبری بود ہیچ مبتدعے و ملحدے را مجال رخنہ اندازی در دین اسلام نبود (منتخب التواریخ مؤلفہ علامہ عبدالقادر بدایونی امام اکبر بادشاہ)

اس تصویر کی قدیم قلمی اصل جناب مولوی سید محمد صاحب مجتہد ابن مولوی سید احمد حسین صاحب (شفاعت پوتہ شجرہ نشان ۲۵) کے پاس محفوظ ہے

تقریباً سنہ ۹۰۰ھ میں پیدا ہوئے عنفوان شباب میں تکمیل علم کی غرض سے وطن چھوڑا
سنبھل و بداؤن اس زمانہ میں علماء و فضلاء عصر کی موجودگی سے جن کے درس کی شہرت
دور دور پھیلی ہوئی تھی علوم و فنون کے معدن و مخزن بنے ہوئے تھے۔ اس زمانہ
میں عام دستور تھا کہ تحصیل و تکمیل علم کی غرض سے شریف زادے اکثر وطن سے باہر
چلے جاتے تھے اور سالہا سال پردیس میں رہ کر علم حاصل کرتے۔ اس نوجوان طالبعلم
کو بھی تکمیل علم کا شوق اور ولولہ امروہہ سے کھینچ کر اول سنبھل لے گیا۔ استاذالاساتذہ
میاں حاتم سنبھلی قدس سرہٗ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے سنبھل میں قیام زیادہ
رہا میاں صاحب کے علاوہ بعض کتابیں دیگر اساتذہ سے بھی پڑھیں سنبھل سے
بداؤں گئے اور سید جلال دانشمند کے درس میں جو علم حدیث میں سید رفیع الدینؒ
کے شاگرد تھے۔ شامل ہوئے۔ منقولات میں درجۂ تبحر حاصل کیا۔ تکمیل و تحصیل علوم کے
بعد وطن واپس آئے اور درس و تدریس میں مصروف ہوئے تقریباً پندرہ بیس برس
تک امروہہ میں افادہ درس جاری رہا ۹۴۲ھ کی دستاویز پر آپ کے دستخط ان الفاظ
میں ملتے ہیں "شہد علی اقرارہ محمد ابن منتجب الحسینی حررہ باناملہ حامداً و مصلیاً" اس
دستاویز پر آپ کے برادر حقیقی سید مبارک کے دستخط انہی الفاظ میں ثبت ہیں۔ ملا
عبدالقادر بدایونی صاحب منتخب التواریخ جن کے پدر بزرگوار شیخ ملوک شاہ سنبھل
اور بدایوں میں میر سید محمد میر عدل کے ہمدرس تھے سنہ ۹۶۵ھ میں امروہہ آکر میر صاحب
موصوف کے حلقہ درس میں شامل ہوئے تھے۔ اوائل عہد اکبری میں علماء کی بڑی
قدر و منزلت تھی۔ میر سید محمد بھی تقریباً سنہ ۹۶۶ھ میں بیرم خان خانخاناں کی وساطت
سے دربار اکبری میں پہنچے تھوڑے ہی عرصہ میں اہل دربار اور خود شہنشاہ اکبر پر

اپنے تبحر علمی کا سکہ جما دیا۔

۹۶۶ھ میں میر سید محمدؒ میر عدل کا قیام آگرہ میں تھا۔ اس زمانہ کا ایک واقعہ ملا عبدالقادر بدایونی نے لکھا ہے جس کے سلسلہ میں میر موصوف کی گفتگو کے بعض فقرات بھی نقل کیے ہیں ان فقرات سے ان کے طرز استدلال کا اندازہ ہوتا ہے ملا صاحب لکھتے ہیں کہ ان ایام میں شیخ مبارک ناگوری سے میں اگرہ میں پڑھتا تھا۔ میاں حاتم سنبھلی بھی کسی تقریب سے اگرہ میں تشریف فرما تھے شیخ مبارک رح کا ایک استفتا میں نے میاں صاحب کے سامنے پیش کیا۔ میر سید محمدؒ میر عدل بھی اس صحبت میں موجود تھے میر سید محمدؒ جونپوری کے دعوے مہدیت پر گفتگو چھڑ گئی۔ ملا صاحب لکھتے ہیں :۔

(ترجمہ) اس مجلس میں میر سید محمد میر عدل بھی جو میاں صاحب کے شاگرد تھے حاضر تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ پھر انھیں (یعنی میر سید محمد جونپوری) کو مہدی کیوں کہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ سب کو وعظ و پند (امر معروف نہی منکر) کرتے رہتے ہیں۔ میر عدل نے پھر دریافت کیا کہ میر عبدالحی خراسانی جو کچھ عرصہ عہدہ صدارت پر مامور رہے خان خاناں کے سامنے شیخ (مبارک) کی خدمت کر رہے تھے اس کا سبب تمہیں معلوم ہے۔ میں نے کہا شیخ نے ان کو وعظ و نصیحت میں ایک رقعہ بھیجا تھا۔ اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ مسجد میں اگر نماز باجماعت پڑھا کرو یہ امر انھیں ناگوار ہوا کہ شیخ مہدوی ہیں اور مجھے رفض سے متہم کرتے ہیں۔ میر سید محمدؒ نے فرمایا کہ یہ استدلال میر (سید محمدؒ جونپوری) کا اپنے رفض سے متہم ہونے کا اس مقدمہ پر موقوف ہے۔ کہ تم نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے اور جو نماز جماعت نہیں پڑھتا وہ رافضی

ہے حالانکہ کبریٰ اس کا ممنوع ہے اور اسی طرح یہ مقدمہ بھی نا مسلم ہے کہ شیخ امر معروف کرتے ہیں اور جو کوئی امر معروف کرتا ہے وہ مہدی ہے۔

میر عدلی پر تقرر شاہی دربار میں پہونچکر اپنی خدا داد قابلیتوں اور گوناگون اوصاف کو کام میں لانے کے بہت سے موقع ملے وہ اپنے خاندان کے پہلے فرد تھے جو شاہی ملازمت میں داخل ہو کر اعلیٰ مرتبہ پر پہنچے۔ ملازمت بھی اگرچہ آخر حصہ میں اختیار کی تھی لیکن بایں ہمہ ان کا تبحر علمی ان کا زہد و تقویٰ ان کا تدین ان کی راست بازی ان کا بے لاگ انصاف ان کی شجاعت ان کی شہامت ان کا تدبر ان کی محبت دین ان کا جوش اسلامی یہ اور اسی قسم کے وہ مختلف اوصاف اور کمالات تھے جن کی بدولت بہت جلد انھیں درجہ اختصاص اور علو مرتبت حاصل ہو گیا۔ اور وہ ۹۸۱ھ میں "میر عدلی" کے اعلیٰ منصب پر مامور ہوئے۔

در اواخر در سلک ملازمان درگاہ بادشاہی بمرتبہ اختصاص رسیدہ بمنصب میر عدلی امتیاز یافت (   )

اس عہدے کے فرائض کو انہوں نے کس دیانت اور کس قابلیت کے ساتھ انجام دیا ان کے ایک معاصر کے الفاظ میں سنئے:۔

اس منصب جلیل القدر میں انہوں نے عدالت و انصاف اور صدق و امانت کا طریقہ اختیار کیا تھا حتیٰ کہ قاضی القضاۃ بھی ان کی بزرگی کے لحاظ سے خیانت اور خباثت سے باز رہتا تھا۔ جب تک ان کا دخل دربار شاہی میں رہا کسی ملحد اور بدعتی کو دین اسلام میں رخنہ ڈالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کے بعد سے تو میر عدل کا عہدہ دوسروں کے لیے محض برائے نام رہ گیا تھا۔ منتخب التواریخ)

میر عدل کی مہر میں یہ عبارت کندہ تھی۔

المفتقر الی اللہ ذی الغفران والفضل عبدہٗ محمد الحسینی

میر العدل۔

میر سید محمد میر عدل کا سن اس زمانہ میں تقریباً پچھتر برس کا تھا ان کی بزرگی زہد و ورع اور تبحر علمی کی بنا پر بادشاہ بھی ادب و اکرام سے پیش آتا بڑے بڑے قاضی اور مفتی بلکہ قاضی القضاۃ کو بھی دم مارنے کی مجال نہ ہوتی۔ ملا صاحب نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ جسے مولنا آزاد کے الفاظ میں سنئے۔

حاجی سرہندی کی سر دربار فضیحت کی اور کوئی دم نہ مار سکا۔ اس کی حکایت یہ ہے کہ حاجی موصوف نے ایک موقع پر اکبر کا شوق دیکھکر فتویٰ لکھا کہ سرخ اور زعفرانی لباس پہنا جائز ہے اور سند میں کوئی ضعیف نحیف غیر مشہور سی حدیث بھی لکھدی ملانے پیچھے۔ لیٹے اور جلسہ علما میں وہ فتویٰ پیش ہوا۔ انہوں نے حدیث مذکور کی صحت میں سند دوڑائی۔ میر عدل موصوف ان پر بہت جھنجلائے اور عین مجلس بادشاہی میں بدبخت و ملعون اور دشنامی الفاظ ان کے حق میں صرف کرکے عصا مارنے کو اٹھایا یہ اٹھکر بھاگ گئے نہیں تو ضرور مار کھاتے۔ ان کا وقار و ادب اس قدر دلوں میں پیدا ہو اتھا کہ سب بجا اور برحق سمجھے جاتے۔ (دربار اکبری)

بھکر کی صوبہ داری

لیکن اب اکبر کے مذہبی خیالات میں انقلاب پیدا ہو رہا تھا علامہ ابوالفضل و فیضی کی رسائی دربار شاہی میں ہو چکی تھی۔ آزاد خیالی کا دور دورہ تھا۔ علماء

کی سخت گیری سے طبیعتیں بیزار تھیں میر صاحب کی دربار میں موجودگی آزاد خیالوں کے لیے مانع اظہار خیال تھی۔ شائد اسی لیے بادشاہ نے صوبہ بھکر کی گورنری پر انہیں نامزد کیا کہ ملک کا کنارہ ہے قندہار اور ایران سے پہلو لگتا ہے۔ آپ کے سوائے کسی دوسرے پر اطمینان نہیں یہ پچہتر برس کے بڈھے تو تھے لیکن جس طرح علم وفضل اور دیانت وامانت میں یکتائے روزگار تھے شجاعت وبہادری اور سیاست وتدبر میں بھی ممتاز تھے۔

مرزا سید محمدؒ میر عدل.......از سادات ہندوستان درکمال فضیلت وشجاعت اختصاص داشت۔ (مآثر جہانگیری)۔

بڑے بڑے معرکوں میں داد شجاعت ومردانگی دے چکے تھے ۹۸۱ھ میں راجہ مادھوکر بندیلہ کی تادیب کے لیے جو بغاوت پر آمادہ تھا سید محمود خاں بارہہ کے ساتھ میر سید محمدؒ بھی متعین ہوئے تھے۔ اس معرکہ میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ اسی طرح ۹۸۲ھ میں حسین خان ٹکریہ کی شورش فرو کرنے میں صادق محمد خاں کی معیت میں وہ اور ان کے برادرزادے جو شاہی ملازمت میں منسلک ہو چکے تھے شریک کار تھے اب تک ان کا منصب نہ صدی تھا بھکر کی ایالت وحکومت جب تفویض ہوئی تو منصب میں بھی اضافہ ہوا۔ نہ صدی سے ہزاری ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ شمشیر خاص خلعت اور اسپ بادشاہ نے عنایت کیا۔ (اکبرنامہ) ملا عبدالقادر لکھتے ہیں کہ اسی سال اکبر نے مسئلہ متعہ کی تحقیق سے پہلے میر سید محمدؒ میر عدل کو جن کا وہ بہت لحاظ کرتا تھا بھکر کا صوبہ مقرر کر کے بھیج دیا اور ایک شمشیر خاص اور گھوڑا اور خلعت عنایت کیا۔ (منتخب التواریخ ۹۸۳ھ

میں وہ مع اپنے فرزند سید ابوالفضل کے بھکر گئے صوبہ داری کے فرائض کے علاوہ بوجہ ان کے علم و فضل دیانت امانت اور سیادت کے فرمان صدارت ایہ بھکر بھی بادشاہ نے ان کو تفویض کیا۔ اس خدمت کو انہوں نے اس خلق و مروت و سخاوت کے ساتھ انجام دیا جو لازمہ سیادت و بزرگی ہے۔ اس کا چشم دید حال بھکر ہی کے ایک مصنف کے الفاظ میں سنئے:۔

چون او سید و عالم بود فرمان صدارت ایہ بھکر باو تفویض فرمودند کہ فراخور استحقاق مدد معاش تعین نماید۔ در تاریخ ۱۱ ماہ رمضان ۹۸۳ھ بہ بھکر شریف آوردہ مخادیم و اکابر با عزاز تمام پیش آمدہ قریب پنجاہ ہزار بیگہ زمین مدد معاش بسادات و علما و مشایخ و موالی و اہالی۔ درخور حال ہر کس تعین نمودہ و مخادیم در زمان دولت آن فراغت کردند۔ (تاریخ معصومی)۔

اس زمانہ میں صوبہ بھکر کے بعض حصص میں رعایا نے تمرد و سرکشی پر کمر باندہ لی تھی۔ میر موصوف نے جاتے ہی سیوی (موجودہ سبی) پر لشکر کشی کی۔ میر ابوالفضل سردار لشکر تھے ان کے دوسرے بھائی میر ابوالقاسم اور میر ابوالمعالی بھی اسی مہم میں شریک تھے۔ ان دلاوروں نے ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھائے اور تھوڑے ہی دنوں میں قلعہ فتح کر لیا میر معصوم مصنف تاریخ معصومی کے والد میر سید صفائی نے تاریخ لکھی۔

فتح سنبوی شد بولا دنبی ۹۸۴ھ

کنجیہ پرگنہ کاری (علاقہ سندھ) کی رعایا اہلکاروں کے ساتھ بدسلوکی سے

پیش آتی۔ لگان کی ادائیگی۔ میں حیلہ حوالہ کرتی۔ میر صاحب نے تمام علاقہ کا

ازسر نو انتظام کیا تحصیل محصول کے قواعد و ضوابط منضبط کئے اور مزروعات پ

صاحب اہتمامان مقرر کئے بعض اہلکاروں کی سختی اور تشدد کی وجہ سے کنجہ کی عا

نے میر عدل کے آدمیوں کا مقابلہ کیا یہ لوگ جب قلعہ میں محصور ہوگئے تو تیر د

کا مینہ برسا دیا۔ میر عدل کے بہت سے آدمی شہید ہوگئے لیکن ان ظالموں نے کافر

و مومن سب کو ایک ہی کنویں ڈالکر برابر کر دیا۔

جمع از مردم خوب میر عدل بشہادت رسیدند و این بے سعادتان چاہے کہ

کہ درون قلعہ بود مومن و کافر را باجمعہم درآن چاہ انگندہ برابر ساختند۔

(تاریخ معصومی)۔

میر صاحب اس واقعہ سے بہت متاثر و متالم ہوئے فوراً اپنے لشکر کو جوان کے

فرزند سید ابوالفضل کی قیادت میں اس قلعہ سیوی (سیبی) میں مقیم تھا ان متمردین

کی سزادہی کے لیے طلب کیا۔

میر عدل ازین واقعہ درہم شدہ مردم خود را از سیوی طلب نمود آن مردم

بجہت انتظام مردم کاکری توجہ فرمودند۔ باندک توجہ مردم کنجہ جلاوطن شدہ

رو بگریز نہادند۔ اخر الامر سید ابوالفضل ولد میر عدل کہ سردار لشکر بود عنان تعقب

سرتافتہ عزیمت مراجعت نمودہ در قلعہ بھکر آمد۔ (تاریخ معصومی)۔

میر سید محمد میر عدل جب آگرے سے بھکر جانے لگے تو ملا عبدالقادر بدایونی

بھی کچھ دور تک ان کو پہنچانے گئے۔ راستے میں انھوں نے میر صاحب سے حسین

خاں ٹکریہ کے انتقال کی خبر بیان کی اور دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرنے لگے اس

وقت ملا صاحب سے گفتگو ہوی اس کے متعلق مولنا آزاد فرماتے ہیں کہ ایوسی چپ کھڑی دیکھتی تھی حیرت سنتی تھی اور بولا نہ جاتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بھکر سے اپنے زندہ لوٹنے کی میر صاحب کو کوئی امید نہ تھی۔ اور امید کیا ہوتی۔ اسی برس کے بڈھے تھے۔ ایک ایسے دور دراز سرحدی صوبہ کے حاکم اعلیٰ بن کر جا رہے تھے جہاں آے دن جنگ او قتل کا طوفان بر پا تھا۔ رخصت کے وقت ملا صاحب سے کہنے لگے کہ سب یار ہمارے چلدئے۔ خدا جانے اب تم سے ملاقات ہو یا نہو حقیقتاً یہ پیش گوئی ان کی پوری ہوگئی۔ اس کے بعد ملا صاحب سے ان کی پھر ملاقات نہ ہوسکی اور وہ بھکر سے پھر نہ پلٹے۔

وفات

صوبہ سندھ کی زمام حکومت ہاتھ میں لیے دوسرا ہی سال تھا کاروبار کی مصروفیت آب و ہوا کی ناموافقت گرمی کی حدت سے کچھ سوء مزاجی ہوی۔ فصد لی خون زیادہ آیا جس سے ضعف بہت زیادہ عارض ہوا۔ فصد لینا ہی بہانہ موت ہوگیا اور آٹھویں شعبان ۹۸۴ھ کو یہ آفتاب علم و فضل ہندوستان کے مغربی حصہ میں غروب ہوگیا بھکر کے پرانے قلعہ میں جسم خاکی سپرد خاک ہوا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

"سید فاضل اور اللہ بالفضل" تاریخیں ہوی ہیں "

اولاد

چار فرزندان نامدار یادگار چھوڑے۔ سید ابوالفضل۔ سید شاہ ابوالحسن۔

سید ابو القاسم۔ سید ابو المعالی یہ چاروں بھائی جد اکبری کے نامدار تھے شجرہ اولاد ملاحظہ ہو جلد سوم میں۔

میر سید محمد میر عدل

(سید ابو الفضل) ان کی اولاد میں سادات محلہ کٹرہ غلام علی کا خاندان ہے جس میں مدد و چند لوگ باقی ہیں۔

شاہ سید ابو الحسن

(سید عبد الخالق) ان کی نسل میں دو بارکلاں وگدری و شفاعت پوتہ و کاپوتہ وغیرہ کے سادات ہیں

(سید عبد الوسع) ان کی اولاد میں محلہ سنبھی و سرائے کہنہ وغیرہ کے بعض خاندان اور مولوی سید رافت علی وغیرہ کے خاندان ہیں

سید عبد الباری منقرض النسل

سید ابو المعالی لاولد

سید ابو القاسم

سید حسن — مسماۃ بی بی بدی زوجہ شاہ گدا قادری محلہ کوٹ

سید ابو المنعم

تمام شد عبارت تذکرۃ الاولیا تذکرۃ الکرام

صاحب تاریخ واسطیہ سید محمد میر عدل کی اولاد کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"فائدہ دوسرا واقعات محلہ دربارکلاں بعض حالات سادات ساکنان محلہ مذکور منجملہ اولاد سید محمد میر عدل کے بیان میں"۔

کوائف حالات سادات ساکنان محلہ بڑا دربار یہ ہیں کہ ان کے جد امجد میر سید محمد میر عدل ابن میر سید منتجب جو بعد چارو اسطوں کے پوتے مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت خلف الصدق میران سید علی بزرگ کے تھے جن کا ذکر ابھی

فائدہ اول میں ہو چکا ہے ان کے چار فرزند ارجمند اعلیٰ مراتب والا مناصب تھے اول میر سید ابو الفضل۔ دوسرے میر سید ابو الحسن تیسرے میر ابو القاسم چوتھے میر سید ابو المعالی۔ یہ چاروں بھائی عہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ میں منصبدار ذی اقتدار نامدار تھے۔ انہوں نے عہد موصوف میں بڑے بڑے کارنمایاں کئے تھے بعض حکایات ان کی اب تک زبان زد خلائق ہیں۔ مؤلف۔

کیسے نامی تھے دلاور تھے بہادر تھے جری کام وہ وہ کر گئے ہے آج تک نام آوری

نیز ان کا بھی ذکر ابھی فائدہ اول میں ثبت ہو چکا ہے اور مکان مسکن میر سید محمد موصوف کا ایک حصہ شمالی محلہ حقانیوں کا تھا کہ اب جس مقام پر مسجد واقع محلہ مذکور و حویلی سید ملازم حسین نبیرہ سید فصیح اللہ و دیوان خانہ و امام بارہ سید ہادی علی و سید حیدر علی پسران سید بنیاد علی و حویلی شیخ عظیم واقع ہیں۔ مگر جناب ممدوح کے بیٹوں اور پوتوں نے اس شہر میں جدا جدا محلے خاندان دار آباد کئے۔ ان کا محل موقع پر علیحدہ علیحدہ ذکر ہوگا۔ چنانچہ میر سید ابو الحسن موصوف نے جانب جنوب الحاق میں حقانیوں کے محلہ سمتی آباد کیا اور وہیں سکونت پذیر ہوئے۔ سید عبد الخالق جو بڑے بیٹے سید ابو الحسن موصوف کے تھے وہ محلہ پرانی سرائے میں سکونت پذیر تھے ان کے بیٹے سید عبد الماجد عہد شاہجہاں بادشاہ میں ہزاری ذات چار سو سوار کے منصب پر ممتاز تھے۔ چونکہ یہ بڑے اولو العزم و عالی حوصلہ و صاحب مقدرت تھے انہوں نے ایک مسجد بہت وسیع محلہ پان باڑی میں تعمیر کرائی پیش دروازہ مسجد ایک بازار آباد کیا اور آمدنی کرایہ دکانیں اس بازار میں مع حصہ تالاب پان باڑی برائے صرف مسجد وقف کر دیا بلکہ صحن مسجد میں

ان کی قبریں ہیں اور وہ کل محلہ تعلقات زمینداری جناب سید عبدالماجد موصوف نے شہر کے گوشہ شرق وشمال میں بیرون حصار دو سو جنتر بگیہ اراضی خام میں تعمیر کرایا جس کا ایک دروازہ شرق رویہ عالیشان بلند کمان نمود شہاب تک موجود ہے جس کو مراد آبادی دروازہ کہتے ہیں۔ نام اس دروازہ کا شل نام شہر کے مشہور و معروف ہے۔ جانبین اس دروازے کے دالانچے اور برجوں کے کسی قدر منہدمہ اب تک موجود ہیں۔ شمالی پائے پر اس دروازہ کے پیش میں ایک سنگ لگا ہوا ہے جس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

اللہ اکبر

در عہد سلطان عالی شان صاحب قران ثانی شہاب الدین

شاہ جہاں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ، سیادت مآب

میراں سید عبدالماجد این قلعہ بنا نمود۔

شد چو این قلعہ خورمی افزا — خوب مضبوط و خاص مستحکم

خواستم سالش از دبیر خرد — گفت بشمار قلعۂ خورم

باہتمام بندہ کمال خان خانہ زاد شہر رمضان المبارک ۱۰۵۱ھ (معماران)

دوسرا دروازہ اس قلعہ کا شمال رویہ ہے جس کو جھنگا دروازہ کہتے ہیں صاحب تاریخ اصغری نے وجہ تسمیہ اس دروازہ کی یہ تحریر کی ہے کہ جھنگا ان کے دربان کا نام تھا۔ مولف کو وجہ تسمیہ اس دروازہ کی یہ تحقیق ہوئی ہے کہ جھنگا نام سید محمود ولد سید عبدالماجد کے چھوٹے بیٹے کی عرفیت تھا اور محل سکونت ان کا ملحق دروازہ مذکور کے تھا۔ اور نشست برخاست بھی ان کی وہاں رہتی تھی۔ لہذا یہ دروازہ ان کی

ان کی عرفیت کے نام سے جھنگا دروازہ مشہور ہوا لیکن بعد تعمیر قلعہ مذکور کے
سید عبدالماجد موصوف کا انتقال ہوگیا بعدہٗ ان کے بیٹے دیوان سید محمود نے
سکونت محلہ پرانی سرائے کی ترک کرکر اندرون قلعہ مذکور بہت بڑی عمارت امیرانہ
مثل محل سرائے و دیوان خانہ و پائین باغ وغیرہ بناکر مع برادران حقیقی کے رونق
افزا ہوئے۔ اور ایک بازار کلاں اندرون قلعہ سید محمود موصوف نے آباد کیا جس
کا مادہ تاریخ یہ مشہور ہے۔ مد کمال آراستہ بازار محمود۔

اور ایک کاروان سرائے پختہ اندرون قلعہ مذکور آباد کی اور تمام اراضی
اندرون قلعہ میں بکثرت رعایا اہل اسلام وہنود آباد کی۔ اور آبادی اندرون
قلعہ مذکور کے چند محلے موسوم ومشتہر ہیں۔ اول محلہ بڑا دربار دوم محلہ مراد آبادی
دروازہ سوم محلہ منڈی چہارم محلہ بڑا بازار پنجم محلہ گھیر بدر علی جھنگا دروازہ
ہفتم محلہ گشتی ہشتم محلہ بازار جٹ نہم محلہ بھٹی و ایک کاروان سرائے مسطور ما بالا اندرون
قلعہ مذکور واقع ہیں حدود اربعہ قلعہ کی یہ ہے:-

شرق کو تالاب کو ٹھک۔ غرب کو تعلقات میراں سید فتح مراد ولد سید محمد صادق
و بعض محلہ نیازیہ۔ جنوب کو اراضی قطعات متعلقہ قلعہ مذکور و شارع عام شمال
کو سرائے شاہی کو بان تعلقہ سید محمود موصوف و محلہ شاہ علی سرائے۔ اول بڑا حصہ
اندرون بڑا دربار ہے۔ اس میں اولاد نیک نہاد دیوان سید محمود ولد عبدالماجد
کے شاد و آباد ہے۔ زمانہ سابقہ میں نام اس محلہ کا قلعہ سید عبدالماجد مشہور تھا
عرصہ سے یہ محلہ باسم بڑا دربار مشہور ہے
(تواریخ واسطیہ)۔

شمس العلما مولنا محمد حسین آزاد مرحوم دہلوی دور حاضر کے نامور ادیب
و مورخ ہوے ہیں آپ کی تصانیف اردو ادب کے لیے مایہ فخر و مباہات ہیں منجملہ
دیگر تصانیف کثیرہ کے آپ کی نامی گرامی تصنیف دربار اکبری ہے۔ اور وثوق کے
ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کسی تاریخ دوست کا کتبخانہ آپ کی اس تصنیف سے خالی نہیں ہے
اس میں جا بجا سید محمد میر عدل کا ذکر موجود ہے۔ امرار اکبری کے ذکر میں عنوان قائم
فرما کر سید محمد میر عدل کا ذکر اس کتاب مستطاب میں کیا ہے۔ اور جا بجا مختلف طور پر بھی
اس میں میر عدل موصوف کا ذکر ہوا ہے۔ بعض مقامات دربار اکبری سے ہم یہاں
نقل کرتے ہیں۔

مستقل عنوان قائم فرما کر شمس العلما مولنا محمد حسین آزاد دربار اکبری میں
اس طرح تحریر فرماتے ہیں :—

سید محمد میر عدل | ملا صاحب لکھتے ہیں امروہہ علاقہ سنبھل کے رہنے
والے تھے۔ دانشمند عابد۔ زاہد۔ متقی۔ پرہیزگار۔ اوائل حال میں وہ اور میرے
والد سنبھل اور بدایوں کے بزرگوں اور استادوں کی خدمت میں تحصیل علم کرتے
تھے۔ میر سید جلال کے درس میں بھی ساتھ تھے۔ میر سید جلال حدیث میں میر سید رفیع الدین
کے شاگرد تھے۔ میر سید محمد صاحب تحصیل علوم کے بعد درس و افادہ میں مصروف
ہوے۔ اکبر کے دربار میں میر عدل ہوے اس منصب جلیل القدر کو نہایت عدالت
انصاف راستی اور امانت کے ساتھ سرانجام کیا۔ اور حق یہ ہے کہ یہ جامہ انہی کے
قد پر ٹھیک آیا تھا۔ پھر کسی کو میر عدل کہنا عقل کو رسوا کرنا ہے۔ بڑے بڑے قاضی
مفتی بلکہ قاضی القضاۃ ان کی بزرگی اور سن و سال کو دیکھ کر ادب سے اپنی

اپنی اپنی جگہ رک جاتے تھے۔

حاجی ابراہیم سرہندی کی سرور بار فضیحت کی اور کوئی دم نہ مارسکا اس کی مختصر حکایت یہ ہے کہ حاجی موصوف نے ایک موقع پر اکبر کا شوق دیکھ کر فتوی لکھا کہ سرخ و زعفرانی لباس پہننا جائز ہے اور سند میں کوئی ضعیف خفیف غیر مشہور سی حدیث بھی لکھدی۔ ملاّ نے پیچھے لپٹے اور جلسہ علما میں وہ فتوی پیش ہوا۔ انہوں نے حدیث مذکور کی صحت میں سند دوڑائی۔ میر عدل موصوف ان پر بہت جھنجلائے اور عین مجلس بادشاہی میں بدبخت ملعون اور دشنامی الفاظ ان کے حق میں صرف کر کے عصا مارنے کو اٹھایا یہ اٹھ کر بھاگ گئے۔ ٹھیرتے تو ضرور مار کھاتے۔ اور ان کا وقار و ادب اس قدر دلوں میں پھیلا ہوا تھا کہ سب بجا و برحق سمجھتے تھے۔

ملا صاحب کہتے ہیں تعلق موروثی اور شفقت قدیمی کے سبب میرے حال پر بہت محبت کرتے تھے۔ میری ابتدائی ملازمت میں دربار کی رسائی اور بادشاہ کی شفقت دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ زمین جاگیر کے درپے نہ ہو۔ صدور کی خواریاں اٹھانی پڑیں گی۔ یہ لوگ مصر غرور کے فرعون ہیں۔ جو ہو سو ہو داغ بادشاہی اختیار کر۔ ہائے میں ان کی نصیحت گوش قبول سے نہ سنی ناچار جو دیکھا سو دیکھا اور اٹھایا سو اٹھایا۔

۹۸۵ھ میں بادشاہ نے میر موصوف کو بھکر بھیج دیا کہ ملک کا کنارہ ہے اور قندھار ملکہ ایران سے پہلو لگتا ہے۔ کہا نہ کیا کہ آپ کے سوا دوسرے سرداروں پر اطمینان نہیں۔ انہوں نے جا کر کچھ رسائی کچھ چڑھائی کے ساتھ سیوی کو فتح بھی

کر لیا یہی جواب بہی مشہور ہے) سید صاحب کی رخصت کے وقت جس حالت کے ساتھ ملا صاحب سے گفتگو ہوئی۔ آہ آہ مایوسی چپ کھڑی دیکھتی تھی حسرت سنتی تھی اور بولا نہ جاتا تھا ب ۹۸۶ھ میں وہیں دنیا سے انتقال کیا' سید فاضل اور اللہ بالفضل تاریخیں لکھی ہیں۔ ملا صاحب کی ساری تاریخ میں ایک یہ اور پانچ چھ شخص اور ہوں گے کہ ان کے نشتر قلم سے صاف نکل گئے۔ فرشتہ بھی آیا ہو گا تو ایک نہ ایک کو چار ضرور کہا گیا ہو گا۔

دوسرے مقام پر شمس العلما محمد حسینؒ آزاد دربار اکبری میں تحریر فرماتے ہیں!

علماء با اختیار میں کہ اراکین دربار تھے۔ بعض آشخاص فی الحقیقت صاف دل اور کریم النفس تھے مثلاً میر سید محمد میر عدل کہ خالص اسلام کے باخبر عالم تھے اور عالم بھی باعمل تھے۔ علوم دینیہ کی سب کتابیں پڑھے تھے مگر جتنے الفاظ کتاب میں لکھے تھے ان سے بال برابر سرکنا کفر سمجھتے تھے خاص سے لے کر عام تک سب ان کا ادب کرتے تھے۔ اور اکبر خود بھی لحاظ کرتا تھا سلطنت کی مصلحتوں پر نظر کر کے انہیں دربار سے ٹالا اور بھکر کا حاکم کر کے بھیج دیا۔ بے شک وہ ایسے نیک اور نیک نیت شخص تھے کہ ان کا دربار سے جانا برکت کا جانا تھا۔

حاجی ابراہیم سرہندی کے حالات تحریر کرتے ہوئے شمس العلما محمد حسین آزاد دربار اکبری میں تحریر فرماتے ہیں۔

حاجی ابراہیم سرہند کے رہنے والے تھے مگر بڑے جھگڑالو تھے۔ مباحثوں میں حریف کا دم بند کر دیتے تھے اور مغالطے کے بادشاہ تھے۔ ابھی یہ بات ابھی وہ بات۔ ابھی یہاں۔ ابھی وہاں۔ اکبر نے چاہا کہ دستی مہر پر (اللہ اکبر) کہدوائے

حاجی موصوف مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے۔ اور یہ روکنا کچھ دین داری کی رعایت سے نہ تھا۔ فقط تقریر آزمائی تھی۔ پھر بادشاہ کی رغبت دیکھ کر آپ ہی سرخ و زعفرانی لباس کے جواز کا بھی فتویٰ دے دیا گر بچ گئے میر سید محمد میر عدل نے عصا تو اٹھایا تھا لفظ کمبخت ملعون پر خیر گذر گئی بھاگ گئے ورنہ وہ مار بیٹھتے۔

ایک مقام پر دربار اکبری میں شمس العلما آزاد تحریر فرماتے ہیں کہ سید محمد میر عدل کی معتدل تدبیر ون سے قلعہ سیوی فتح ہوا جسے آج کل سیبی کہتے ہیں (صفحہ ۸۲ دربار اکبری)۔

اسی طرح دیگر مقامات پر جا بجا سید محمد میر عدل کا ذکر کتب تواریخ و تذکرہ میں موجود ہے۔ اگر ان تمام کتابوں کی متعلقہ عبارات نقل کی جائیں تو غیر معمولی طوالت اس بیان میں ہو جائے گی پس ہم اس بیان کو مختصر کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض کتب مثلاً آئین اکبری وغیرہ ہر کتب خانہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

———— :(٥): ————

میر سید محمد میر عدل کے چار فرزندان نامدار ہوئے۔ جن کے نام سید ابو الفضل و سید شاہ ابو الحسن و سید ابو المعالی و سید ابو القاسم ہیں۔ آخر الذکر دو صاحبان کی نسل بہیری آگے کو نہ چلی سید ابو القاسم مذکور کی نسل دختری میں سادات حسنی محلہ کوٹ کے افراد ہیں سید ابو القاسم مذکور بن سید میر عدل کے ایک فرزند سید منعم اور دوسرے سید حسن تھے اور ایک دختر بی بی اچھی تھیں۔ یہ بی بی اچھی جو سید محمد میر عدل کی پوتی تھیں سید سراج الدین ولد سید محمد بغدادی الحسنی القادری کے حبالہ عقد میں آئیں جن کے بطن سے سید شاہ گدا مورث سادات محلہ کوٹ پیدا ہوئے اور اپنے حقیقی ماموں سید حسن کی دختر مسماۃ بدی کو اپنے حبالہ عقد میں لائے اس طرح سید ابو القاسم پسر سید محمد میر عدل کی اولاد

دختری موجود ہے باقی دو پسران سید محمد میر عدل ابو الفضل و سید شاہ ابو الحسن کی اولاد امروہہ میں بکثرت موجود ہے۔ سید ابو الفضل کی اولاد کٹرہ غلام علی میں آباد ہے اور تعداد میں کم ہے۔ سید شاہ ابو الحسن کی اولاد میں تین فرزندان نامدار ہیں جن کے اسماء عبد الخالق و سید عبد الواسع و سید عبد الباری ہیں۔ سید عبد الباری کی نسل نہ چلی۔ سید عبد الخالق کی نسل میں سادات محلہ دربار کلاں وغیرہ ہیں اور سید عبد الواسع کی نسل میں محلہ سٹھی و سرائے کہنہ وغیرہ کے سادات ہیں جن میں مولوی سید رافت علی بن سید انعام علی و مولوی ابو القاسم بن سید سخاوت حسین و سید نبی ہادی (خان بہادر) وغیرہ کے خاندان ہیں۔

میر سید محمد میر عدل کے برادر حقیقی میر سید مبارک کی اولاد امجاد میں سادات محلہ گذری وغیرہ ہیں شجرہ اولاد جناب میر سید مبارک کا اس طرح ہے۔

میر سید مبارک ولد سید منتخب از اولاد شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رح۔

- سید عبد الواحد
  - سید عبد الوارث — لاولد
  - عبد الباقی
- سید عبد الغفار
  - سید محمد مختار
    - سید غضنفر علی — سادات محلہ گذری
    - سید جعفر علی — سادات محلہ راجہ سرائے
    - سید بہار الدین
      - محمد علی — لاولد
      - احمد علی
    - سید لطف علی
- سید عبد الجلیل — سادات محلہ شفاپوتہ وغیرہ
- سید عبد الحفیظ
- سید عبد المجید — سادات محلہ مجاپوتہ و محلہ چھپوڑہ
- سید عبد الرشید
- سید عبد الہادی
  - سید راجا — لاولد
- سید عبد الرؤف

ان میں سے باعتبار تعداد و اقتدار سید غضنفر علی ابن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار

بن میر سید مبارک کی اولاد زیادہ نمایاں ہے۔ سید غضنفر علی صاحب مذکور کے چار فرزند نامدار ہوئے۔ جن کے نام سید ہزبر علی و سید فیض محی الدین و سید وارث علی و سید حارث علی ہیں۔ آخر الذکر کی اولاد پسری نہیں ہے۔ سید وارث علی صاحب کی اولاد میں سید اصغر حسین صاحب مؤلف تاریخ اصغری و سید مومن حسین صفی وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید فیض محی الدین صاحب کی اولاد میں سید علمدار علی خاں وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید ہزبر علی صاحب کی اولاد میں سید علی مرتضیٰ خاں کا خاندان ہے جو گھڑیال والوں کے نام سے موسوم ہے اور سید اسد اللہ خان عرف میر کلو وغیرہ کے خاندان ہیں۔

سادات محلہ بگلہ کے مورث سید محمد تقی صاحب کا شجرہ نسب اس طرح ہے:۔

سید محمد تقی بن سید جھجو بن سید محمد باقر بن سید عبدالرحیم بن سید محمد بن سید شرف الدین بن سید ارزانی بن سید یٰس بن سید راجی بن سید عبدالعزیز بن مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت۔ سید محمد تقی صاحب مذکور کے چار فرزند سید محمد جواد و سید علی داد و سید شاہ محمد و سید عطا نظام الدین ہوئے۔ آخر الذکر کے اولاد نہیں ہے۔ سید شاہ محمد کی اولاد میں سید علی داور و سید علی محسن وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید علی داد کی اولاد میں سید مقبول احمد صاحب و مولوی سید مصطفیٰ صاحب وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید محمد جواد کی اولاد میں سید کرامت اللہ وغیرہ کے خاندان ہیں۔

سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ کے پسر نامدار سید عبدالعزیز صاحب کی نسل کے حالات یہاں تحریر کیے جا رہے ہیں۔ یوں جس حد تک بیان ہو چکا ہے۔ اس کی

مزید توضیح کے لیے اسمار مندرجہ شجرہ کی وضاحت جلد اول میں کر دی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو
شجرہ نشان ۲ سید امیر علی صاحب ابن سید شرف الدین شاہ ولایت رح) کی اولاد
اجداد کے حالات جلد دوم میں تفصیل درج ہوں گے۔ سید امیر علی کا اسم شریف سید میر علی
بزرگ بھی کتابوں میں بکثرت تحریر ہے۔ شجرہ جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت
نقوی الواسطی الامروہوی کا اوپر کی طرف اس طرح ہے جس کی وضاحت پہلے کئی بار ہو چکی
ہے۔ سید شرف الدین بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید
ابو الفرح (ابو الفضل) واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون
بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقیؑ بن امام محمدؐ تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظمؑ بن
امام جعفر صادق بن امام محمدؐ باقرؑ بن امام زین العابدینؑ بن امام حسینؑ بن شاہ مردان
علیؑ ابن ابی طالب۔

میر سید محمدؐ میر عدل امیر اکبری کے حالات تفصیل قبل ازیں کتب تواریخ و تذکرہ
سے تفصیل نقل ہو چکے ہیں اب آپ کی اولاد اجداد کا حال یہاں تحریر کیا جاتا ہے۔ سکونت
جناب میر سید محمدؐ میر عدل کی اس مقام پر بیان کی جاتی ہے جہاں اب خان بہادر سید
نبی ہادی صاحب وغیرہ کے مکانات ہیں۔ آنجناب کی اولاد نے مختلف مقامات پر
امروہہ میں اقامت فرمائی جناب کے فرزند نامدار سید شاہ ابوالحسن نے محلہ سٹی آباد کیا
آپ کی اولاد میں سے بعض اصحاب نے محلہ سرائے کہنہ آباد کیا اور وہاں اقامت فرمائی
سید عبد الخالق بن سید شاہ ابو الحسن کی اقامت سرائے کہنہ میں رہی۔ اس کے بعد
سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق مذکور نے قلعہ تعمیر کرایا۔ آپ کی تمام اولاد کی سکونت
تعمیر قلعہ کے وقت سے اندرون قلعہ یعنے بڑے دربار میں رہی جہاں محل سرائے وغیرہ

عالیشان عمارات بغرض سکونت بنائی گئی تھیں۔ دیوان سید محمود کے معتمد کمال خاں نامی نے بحکم جناب سید محمود صاحب موصوف ایک بازار تعمیر کرایا تھا جو اس وقت بڑے بازار کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تعمیر کا مادہ تاریخی (کمال آراستہ بازار محمود) ہے یہ بازار محمود اندرون قلعہ نہایت خوبصورت اور وسیع بنایا گیا تھا۔ اور یہ وہی کمال خاں معتمد ہیں جن کے نام سے آج تک کمال خانی اینٹ اس نواح میں مشہور ہے۔

سید محمد میر عدل کے چاروں فرزندان نامدار اپنے وقت کے سردار اور منصبداران شاہی میں سے تھے (ملاحظہ ہو فہرست منصبداران بضمن تذکرہ سید محمد میر عدل امیر اکبری) ان میں سے حضرت شاہ ابوالحسن صاحب باوجود امارت کے درویش سیرت اور فقیر دوست تھے۔ حدیقۃ الاولیا میں آپ کا ذکر لکھا ہے کہ آپ حضرت گنج بخش گڈہ مکتیسری کے مریدوں میں سے ہیں ان کی تابہ صاحب تجربۃ التواریخ و صاحب تاریخ امروہہ وغیرہ نے کی ہے صاحب تاریخ امروہہ لکھتے ہیں۔

مولانا سید محمد میر عدل کے فرزند سید شاہ ابوالحسن باوجود امارت کے درویش تھے وہ اور ان کے سب بھائی خانوادۂ حضرت اللہ بخش رہ کے مرید اور عقیدتمند تھے میاں پیر بخش جن کا مزار مرادآبادی دروازے سے متصل ہے اس خاندان سادات دربار کلاں کے عقیدتمندانہ اصرار پر امروہہ میں آکر مقیم ہوئے تھے میاں صاحب کی ذات سے بزرگان سادات دربار کلاں کی عقیدت و ارادت کا یہ حال تھا کہ کوئی دنیاوی کام بغیر ان سے دریافت کیے نہ کرتے تھے حتیٰ کہ گھروں میں کھانا بھی اس وقت شروع ہوتا جب یہ سن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا ہے (تاریخ امروہہ)۔

حسب صراحت آئین اکبری سید شاہ ابوالحسن صاحب کا منصب دوصدی ذات کا تھا۔ آپ کے پوتے سید عبدالماجد صاحب بعہد شاہ جہاں بادشاہ ہزاری ذات و چہار صد سوار کے منصب پر فائز ہوئے اور قلعہ بھی آپ ہی نے تعمیر کرایا۔ آپ کے امیر کبیر و عالی حوصلہ ہونے کے قصے آج تک زبان زد خلائق ہیں۔ بڑی جاگیر آپ کو انعام میں ملی تھی۔ (تواریخ واسطیہ و تاریخ امروہہ وغیرہ) اسی طرح سید عبدالماجد بانی قلعہ کے فرزند نامدار دیوان سید محمود اپنی ریاست و امارت کے لیے آج تک امروہہ و نواح امروہہ میں مشہور اور آپ کے جود و سخا کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں۔ قلعہ کے شکستہ در و دیوار سے ان سادات نامدار کی امارت و ثروت کی یاد تازہ ہو کر بے اختیار اس شعر کا مضمون یاد آجاتا ہے۔

تلک آثارنا تدل علینا   فاسئلوا حالنا عن الآثارِ

دیوان سید محمود کے پاس بہت بڑی جاگیر تھی۔ ان کا منصب پانصدی ذات اور دو سو سوار کا تحریر ہے۔ صاحب واسطیہ تحریر کرتے ہیں:-

سید محمود ولد سید ماجد } فرمان مذکورہ موسومہ سید عبدالواجد موصوف میں ان کا منصب پانصدی ذات دو سوار فوقی عہد خلد مکان میں تحریر ہے۔

عہد میں بنام آنجناب موصوف مطابق پروانہ مورخہ غرہ صفر سنہ ۶ میں چہار لک دام از پرگنہ امروہہ از تغیر سید عبدالمومن وغیرہ بحال و مقرر تھے۔ بعدہٗ عہدہ فرخ سیر بادشاہ میں حسب درخواست وکیل متعلقان سید محمود موصوف موافق پروانہ مورخہ ۲۰ ربیع الاول سنہ جلوس و نیز مطابق پروانہ مورخہ ۲۱

رمضان سنہ ۲ جلوس احمد شاہ بادشاہ یک لک دام از پرگنہ امروہ
بوجہ انعام بنام متعلقان سید صاحب موصوف بحال و مقرر تھے

صاحب تاریخ امروہہ کے ہم ممنون ہیں کہ آنجناب نے اپنی تاریخ میں دیوان سید محمود کے متعلق عمدۃ الملک امیر الامرا نواب اسد اللہ خاں وزیر اعظم شہنشاہ عالمگیر کی خاص تحریر مع اس کے اصل چربہ کے شائع فرمائی ہے۔ درحقیقت یہ ایک اہم دستاویز ہے جس سے دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کے حاکمانہ اقتدار پر جو اس زمانہ میں تھا کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس کے متعلق جو کچھ صاحب تاریخ امروہہ نے تحریر فرمایا ہے ہم یہاں شکریہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔ وھو ہذا۔

دیوان سید محمود کی اولاد میں خاندانی اعزاز اور تفاخر کے بہت کچھ مبالغہ آمیز قصے مشہور ہیں لیکن اس خاندان کو جو اقتدار اور تفوق واقعاً حاصل تھا۔ اس کا ذکر نہ کہیں نام نہاد "مورخین" امروہہ نے کیا اور نہ اہل خاندان کو اس کا صحیح علم ہے۔ حسن اتفاق سے خاکسار مؤلف کو دیرینہ کاغذات میں عمدۃ الملک نواب اسد خان عالمگیری کی ایک تحریر دستیاب ہوی جس سے ثابت ہے کہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں خاص قصبہ امروہہ عرصہ تک شامل رہا۔ نواب اسد خان اس تحریر میں اس زمانہ کے حاکم سنبھل کو لکھتے ہیں کل قصبہ امروہہ چونکہ دیوان سید محمود اور ان کے خاندان کی جاگیر میں شامل ہے اس لیے قصبہ مذکور کے کوتوال کا تقرر تم اپنی جانب سے نہ کرو اور جو تقرر غلطی سے ہو گیا ہے اسے مسترد کر دو۔ یہ اصل تحریر خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہے کاغذ افشاں ہے اور خط دیدہ زیب اپنے

طلائی نقش و نگار ہیں۔ ذیل میں اس کی نقل اور اس کا عکس جداگانہ شائع کئے جاتے ہیں:-

"امارت و ایالت پناہ ابہت و حشمت دستگاہ اخوت و خلت انتباہ

خان عالیشان بلند مکان در حفظ و حمایت ایزد منان باشند

بر ضمیر محبت پذیر مخفی و مستور نماند کہ درین ولا وکیل سیادۃ پناہ سید محمود ظاہر نمود کہ سابقاً از یں جہت قصبہ پرگنہ امروہہ از توابع سرکار سنبھل بجاگیر چند کس تعلق داشت از طرف فوجدار سرکار مذکور کوتوال در قصبہ مذبور و ثانی الحال کہ قصبہ مرقوم در بجاگیر موکل کہ بہمین شرکیت تنخواہ شد امارت پناہ نامدار خان کوتوال خود را از آنجا برطرف ساخت والحال آن امارت پناہ کوتوال خود را برخلاف معمول در آنجا تعین کردہ اند امیدوار است کہ درباب برطرف نمودن کوتوال بآن حشمت دستگاہ نگارش یابد۔ لہذا نگاشتہ می آید کہ چون قصبہ پرگنہ مذبور بجاگیر موکل کہ بہمین شرکیت تعلق دارد و امارت پناہ نامدار خان کوتوال آنجا را برطرف ساختہ بودان امارت دستگاہ نیز کوتوال مزبور را برطرف نمانید۔ زیادہ چہ نوشتہ شود عواقب امور بخیر و خوبی مقرون باد۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۱۱۲ھ قلمی شد"۔ مہر

اس سے ثابت ہے کہ اس زمانہ میں دیوان سید محمود کے خاندان کو خاص قصبہ امروہہ میں حاکمانہ اقتدار حاصل تھا۔ عہد عالمگیر تک کی متعدد قدیم دستاویزات خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے باشندوں کے نزاعی معاملات عام اس سے کہ وہ سادات و شرفا کے ہوں یا اہل حرفہ کے اولاد شاہ ولایت کے ہوں یا دوسرے خاندان کے۔ دیوان سید محمود

اور ان کے اخلاف کے "چبوترہ" یعنے عدالت میں تصفیہ کی غرض سے پیش ہوتے تھے۔ گویا یہ حضرات موجودہ زمانہ کے انریزی و اسپیشل مجسٹریٹ کے فرائض بھی انجام دیتے تھے اور شہر کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا۔ ..... (اس کے بعد صاحب تاریخ امروہہ ایک دستاویز صورت حال کی نقل کرتے اور پھر لکھتے ہیں) شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے مولنا سید محمد میر عدل اور سید مبارک ان دونوں بھائیوں کی اولاد کو حق زمینداری خالصہ و آبادی شہر کا حاصل تھا شہر کی آبادی کے متعلق یہ تصریح تھی کہ سادات و شرفا کی املاک کے علاوہ بازاروں سرایوں اور میلوں وغیرہ کا حق زمینداری ان کا سمجھا جائے یہ حقوق اس خاندان کو روہیلوں کے زمانہ تک بدستور حاصل رہے۔ نواب دوندے خاں کے حسب ذیل پروانہ سے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔

نقل

پروانہ بہرخان صاحب دوندے خان بہادر آنکہ

متصدیان مہامات حال و استقبال قصبۂ امروہہ سرکار سنبھل مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہ جہاں آباد بدانند۔ چون ارث زمینداری خالصہ و آبادی شہر بہ بنائے ان میر سید محمد (میر عدل) و میر سید مبارک مغفور و مبرور است و ہمیشہ بامور متعلقہ مداخلت نشد معزالیہا قدیم و مستحکم مانده گاہے غیر دخیل نشده۔ حالا ہم بدستور قدیم تعلقات زمینداری معزالیہا بحال مسلم داشتہ باید کہ از فیما بین بحصۂ نصفا نصف خودہا در ترکہ وراثت دخیل بوده بہرچہ از محصول و ابواب زمینداری حاصل شود موافق حصۂ مبلور

سید ہا نیدہ باشند اعدے درامور متعلقہ شارٌ الیہا تعرض بجا نرسانند وسند مجدد نہ طلبند و درین باب تاکید دانستہ حسب المسطور بعمل آرند۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شعبان سنہ ۲ جلوس عالمگیر ثانی۔

دیوان سید محمود کے سب بھائی اور ان کے سب فرزند جاگیردار منصبدار تھے ان کی نسل میں متعدد اشخاص نے عہد مغلیہ میں مناسب جلیلہ پائے۔ اور بڑی بڑی جاگیریں حاصل کیں۔ بالخصوص سید یوسف علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود مذکور، محمد شاہی عہد میں ہزاری ذات چارسو سوار کے منصبدار اور خطاب خانی سے سرفراز تھے ان کے فرزند سید عاشق علیخان بھی عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے منصبدار اور "خان" کے خطاب سے ممتاز تھے۔ سید عاشق علیخاں کے فرزند سید عزت علیخاں بھی پانصدی ذات کے منصبدار ہوے۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر اشخاص یعنی سید حسن علیخاں بن سید یوسف علی خان مذکور اور سید رحیم علیخاں بن سید عبدالعزیز مذکور اور سید غلام شرف الدین بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود نامور منصبدار تھے۔ بڑی بڑی جاگیریں اس خانداں کو ملیں سید شاہ ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی دیگر اولاد میں بھی متعدد اشخاص جاگیردار و منصبدار ہوے۔ ان کے فرزند سید عبدالواسع خود بھی ذی اقتدار اور شاہی منصبدار تھے ان کے اخلاف میں بھی بعض اشخاص مثلاً سید کرم علیخاں جاگیردار منصبدار تھے۔ سید عبدالواسع کے دوسرے بھائی سید عبدالباری باوجود امارت فقیر منش تھے۔ ان کی اولاد میں سید عبدالرزاق ہوے جن کے نام سے بازا

رزاق موسوم ہے جاگیردار ذی اقتدار تھے۔ (تاریخ امروہہ)۔

دیوان سید محمود کی اولاد امجاد میں مدت دراز تک امارت و ریاست و حکومت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ان میں سے بعض بعض ریاست وحکومت کے لیے خاص طور پر آج تک مشہور ہیں۔ مرور ایام و حوادث روزگار کے باعث صدہا اہم دستاویزات جن سے اس خاندان والا شان کی رفعت و حکومت کا تفصیلی سراغ مل سکتا تھا تلف ہو چکی ہیں۔ بعض بعض اب بھی باقی ہیں اور بعض کا تذکرہ مختلف کتب تاریخ و تذکرہ میں باقی رہ گیا ہے۔ ہم یہاں صرف وہ نام نقل کرتے ہیں جن کی منصبداری و امارت و حکومت کے متعلق قابل اطمینان شہادتیں موجود ہیں اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ ان میں کثیر التعداد اکابر خاندانی کا ذکر اس لیے نہیں کیا جا سکتا کہ دست برد ایام نے ان کے متعلق ہمہ قسم کی شہادت تلف کر دی و کل من علیہا فان و یبقٰی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام۔

سید عبدالخالق پسر دیوان سید محمود منصبدار شاہی تھے۔ مگر تعداد منصب معلوم نہیں پروانہ جاگیر عہد عالمگیری سے ثابت ہے کہ ان کے نام سہ لک و نہ ہزار و پانصد و سی و پنج دام مواضعات مذکورہ سے تحریر ہیں۔ مسجد جامع امروہہ واقع پانا ڑی نہیں انہی کی تعمیر کردہ ہے جو بعد اضافہ و ترمیم موجود اور اس میں مدرسہ عربی قائم ہے۔ بزرگوں سے یہ بھی سنا ہے کہ اس مسجد کے بانی در اصل ان کے دادا دیوان سید عبدالماجد صاحب بانی قلعہ امروہہ تھے۔ اس میں ترمیم و اضافہ کر کے از سر نو سید عبدالخالق صاحب مذکور نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ سید عبدالخالق مذکور کے فرزند سید غلام مصطفیٰ کے نام عہد عالمگیری کے پروانہ سے ثابت ہوتا ہے کہ چہار لک و پنجاہ ہزار دام قصبہ

امروہہ سے ان کے نام تحریر ہیں۔ تعداد منصب معلوم نہیں۔ سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود عہد عالمگیری میں منصبدار تھے اس زمانہ کے کاغذات سے منصب کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر عہد شاہ عالم بادشاہ کے ایک فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چہار صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ سید یوسف علیخاں بن سید عبدالعزیز بن سید محمود عہد محمد شاہی میں خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ اپنے زمانہ میں مشہور و نامدار تھے۔ اور ہزاری ذات و چارسو سوار کے منصبدار تھے۔ ان کے فرزند سید عاشقان علی خان عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے منصبدار اور خان کے خطاب سے سرفراز تھے۔ ان کے بھائی سید قمر علیخان بن سید یوسف علی خان بھی عہد عالمگیر ثانی میں یک ہزاری ذات دو صد سوار کے منصب اور خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ اسی طرح سید حسن علی خاں بن سید یوسف علی خاں بن دیوان سید محمود بھی خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ مگر تعداد منصب نہ معلوم ہو سکی سید تہور علی خاں بن سید قمر علیخاں بن سید یوسف علیخاں بن دیوان سید محمود عہد عالمگیر ثانی میں بہ منصب پانصدی ذات و پنجاہ سوار سرفراز تھے۔ سید یادگار علی بن سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود بھی منصبدار شاہی تھے مگر تعداد منصب معلوم نہیں۔ بعض دیگر نامی گرامی جلیل القدر ہستیاں خاندان سید عبدالعزیز بن سید محمود میں ہوئی ہیں۔ جن کے مراتب و مناصب کے صحیح حالات معلوم نہیں ہو سکے مثلاً سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز و سید شمس علی خاں بن قمر علی خاں سید یوسف علی خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود وغیرہ وغیرہ۔ سید دلاور علی خاں بن سید عاشقان علی خاں مذکور نواب وزیرالممالک

آصف الدولہ کے وقت میں امروہہ کے نامور حاکم ہوئے۔ ان کے بھائی عزت علی خاں بھی نامور رئیس تھے جن کی منکوحہ ثانیہ مسماۃ بدلی نے پختہ حصار کا باغ مع ایک مسجد و مکان تعمیر کیا جو ابھی تک مرادآبادی دروازہ کے سامنے واقع (و ربدلی کا باغ مشہور ہے

دیوان سید محمود کی دیگر اولاد امجاد میں بھی منصبدار و مشاہیر گذرے ہیں مثلاً سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود اور ان کے نامور فرزند رمضان علی اور ان کے تین فرزندان نامدار سید یسین علی و سید رحیم اللہ و سید عتیق اللہ۔ ان میں سے سید عتیق اللہ و سید رحیم اللہ عہد عالمگیر ثانی میں پانصدی ذات و پچاس پچاس سوار کے منصبدار تھے۔ سید یسین علی صاحب کا فرمان منصب نہیں مل سکا۔ سید عبد الباری بن دیوان سید محمود عہد عالمگیر اورنگ زیب کے نامی گرامی امرا شہر سے تھے۔ ان کے پوتے سید غلام شرف الدین کے فرمان منصب سے ان کا (سید عبد الباری کا) منصب ششصدی ذات پنجاہ سوار تحقیق ہوتا ہے۔ سید غلام شرف الدین بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود بعہد محمد شاہ بادشاہ چہارصدی ذات دس سوار کے منصب سے سرفراز تھے ان کی امارت و ریاست بھی آج تک یادگار ہے سید عظیم الدین بن سید غلام شرف الدین مذکور عہد عالمگیر ثانی میں دو صدی ذات کے منصبدار تھے سید دوست علی بن سید عظیم الدین بن سید غلام شرف الدین مذکور بھی منصبدار جلوہ بادشاہی تھے۔ مگر تعداد منصب ان کی نہ معلوم ہو سکی سید دوست علی صاحب مذکور نے بڑے دربار سے نقل مقام کر کے محلہ کٹکوئی میں اپنی محل سرائے تعمیر کرائی اور اب تک آپ کی اولاد امجاد کا ایک کثیر حصہ اسی قطعہ میں آباد ہے۔ سید عبد الوالی بن سید شرف الدین مذکور عہد عالمگیر ثانی میں ہفت صدی ذات پچاس سوار کے

منصب پر سرفراز تھے۔ سید کریم اللہ بن سید عبدالباری بن دیوان سید محمود کا نام بھی بندے
جلوہ بادشاہی میں تحریر ہے۔ منصب کی تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔ سید افضل علی بن سید محمد
فاضل بن سید عبدالباری کا نام منصبداران داخل چوکی میں موجود ہے۔ مگر تعداد منصب
معلوم نہو سکی۔ سید عبدالواجد بن سید عبدالباری بن سید محمود عہد محمد شاہ بادشاہ میں بانصدی
ذات پچاس سوار کے منصب پر سرفراز تھے سید عبدالواجد مذکور کے فرزند سید ناصر علی
کا نام منصبداران جلوہ بادشاہی میں تحریر ہے مگر تعداد منصب معلوم نہو سکی۔ سید ناصر علی
مذکور کے فرزند سید قاسم علی بھی عہد عالمگیر ثانی میں منصبدار تھے۔ مگر تعداد منصب معلوم
نہیں ہو سکی۔

بعض دیگر مشاہیر خاندان و اکابر وقت کے حالات بھی مرور ایام کے باعث
جیسا کہ چاہیے محفوظ نہ رہ سکے جس قدر حالات معلوم ہو سکے باختصار یہاں لکھے جاتے
ہیں ان سب کے متعلق قابل اطمینان شہادت موجود ہے۔

سید ولایت علیخان بن سید تبارک علی خان بن سید تہور علی خان بن سید قمر علی
خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود مشہور و معروف رئیس وقت اور شاعر خوش
بیان تھے ان کے فرزند سید حسین بھی مشاہیر میں سے تھے اور سید حسین مذکور
کے فرزند علی ابن الحسین رضا ب حیدرآباد دکن میں ہیں سید اعظم حسین بن سید محمد تقی بن سید ولایت علیخاں
مذکور ڈاکٹری میں سند یافتہ تھے ان کے ایک فرزند مظہر حسن بسلسلہ ملازمت
حیدرآباد دکن میں مقیم ہیں۔ سید اعظم حسین بن سید محمد تقی کے دوسرے فرزند اظہر حسن ہیں
(شجرہ نشان ۴)۔

سید انور علی خان بن سید ارشد علی خاں بن سید باقر علی بن سید رحم علی خاں

بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود اپنے وقت میں امراز نامدار و عمائد شہر میں سے تھے
ان کے فرزند نذیر علی خان بھی رئیس نامدار اور گورنمنٹ کے درباری تھے آغاز ایام
غدر ۱۸۵۷ء میں ان کا انتقال ہوا ان کے چھوٹے بھائی سید وجیہ الدین خاں بھی رئیس
نامدار تھے۔ سید وجیہ الدین خان مذکور کے ایک بھائی سید محمد حسین خان بن انور علی
خاں بھی اکابر شہر میں سے تھے اور گورنمنٹ کے درباری تھے۔ سید وجیہ الدین خان مذکور
کے ایک فرزند سید احمد الدین خان بھی رئیس وقت عالم و فاضل اور امروہہ کے میونسپلٹی
کے ممبر تھے۔ سید احمد الدین خاں مذکور کے تین فرزند سید صادق حسین خان و سید مجتبی حسن خان
و سبط حسن خان تھے۔ سید صادق حسین خاں کے فرزند سید نوشہ علی خان اور سید سبط حسین
خاں کے فرزند سید سمیع الحسن خاں موجود ہیں۔

سید سبط حسن خاں صاحب مرحوم بھی نہایت وضعدار ہر دلعزیز شخص تھے حال
ہی میں ان کا انتقال ہوا ہے خدا مغفرت کرے (شجرہ نشان ۳) سید وجیہ الدین خان
مذکور کے ایک فرزند سید یوسف علی خان تھے جو اپنے وقت کے نامدار اشخاص میں سے تھے
ان کے فرزندان سید تاج الحسن و منہاج الحسن خان و معراج الحسن خان موجود ہیں سید
محمد حسین خان بن سید انور علی خاں مذکور کے ایک فرزند سید رشید علی خاں بھی رئیس
وقت اور درباری تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سید فدا علی خاں بن سید محمد حسین خان
بھی نامور رئیس اور درباری تھے جن کے فرزندان سید مظاہر الحسن خان و شجاع الحسن
خاں و محمود الحسن خان و شفیق الحسن خان ہوئے۔ (شجرہ نشان ۳)

سید معروف علی خاں ابن سید امام علی خاں بن سید تہور علی خاں بن سید قمر
علی خاں بن سید یوسف علی خاں بن سید عبدالعزیز بن دیوان (سید محمود) اپنے وقت کے

عابد و زاہد و عالم و فاضل و رئیس وقت تھے۔ ان کے بھائی سید محمد تقی خان کے فرزند
سید منور حسن خان ہوئے جو نہایت وضعدار اور مشاہیر شہر میں سے تھے۔ اب سے تخمینا
دس سال قبل ان کا انتقال ہوا خدا مغفرت کرے۔ ان کے دو فرزند حکیم سید انور حسن خان
و توصیف الحسن خاں ممبر میونسپلٹی امروہہ موجود ہیں۔ (شجرہ نشان ۴)

خاندان سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود میں اور بھی چند ہستیاں قابل
ذکر ہوئی ہیں جن کے حالات ابھی تک فراموش نہیں ہوئے مثلاً سید غلام سجاد بن سید
حسین علی بن سید امجد علی بن سید باقر علی بن سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان
سید محمود یا مثلاً سید اولاد حسن (بن سید قدرت علی بن سید نجف علی بن سید امیر علی بن سید
یادگار علی بن سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز بن دیوان سید محمود) جو بعہدہ تحصیلداری
سرکار انگریزی میں سرفراز رہے۔ اور اس دور آخر میں سادات امروہہ میں اپنی ذاتی
وجاہت کے باعث ممتاز اور انجمن سادات امروہہ کے صدر بھی رہے۔ (شجرہ نشان)

سید رحمت علی بن سید دوست علی بن سید محمد عظیم الدین بن غلام شرف الدین
بن ہیں سید عبدالباری (بن دیوان سید محمود) مدت تک امروہہ کے منصف رہے۔ یہ
اپنے وقت میں عالی مرتبت اور رئیس نامدار تھے۔ ان کے ایک فرزند سید ظہور حسن بعہدہ
تحصیلداری سرکار انگریزی میں سرفراز رہے۔ اور بزمانۂ غدر ۱۸۵۷ء امروہہ کے
ناظم منجانب نواب یوسف علی خاں والئی رام پور رہے مملکت آصفیہ میں بھی زمانہ
دراز تک تحصیلدار رہے۔ آپ کے سات فرزندان نامدار یادگار رہے جن کے
نام سید منظور حسین و سید نور الحسن و سید آل حسن و سید سعید حسن و سید ریاض حسن
و سید صابر حسین و سید محمد مسلم ہیں۔ سید منظور حسین صاحب مذکور کے دو فرزند سید ابن حسن

و سید حیدر حسین ہوئے سید نور الحسن صاحب کے دو فرزند سید شمس الحسن و بدر الحسن ہوئے
سید آل حسن صاحب کے دو فرزند سید جمال حسن و سید ہلال حسن ہیں ان میں سے سید
جمال حسن بی اے الہ آباد یونیورسٹی کے گریجویٹ علیگڈہ کالج کے تعلیم یافتہ اور بعہدہ
ڈپٹی انسپکٹر محکمہ تعلیمات ممالک متحدہ آگرہ و اودھ میں ملازم اور لائق فائق اپنے
اقران و امثال میں نمایاں ہیں سید سعید حسن بن سید ظہور حسن مذکور کے فرزند
سید حمید حسن صاحب نہایت لائق و فائق تھے۔ ان کے فرزنداں سید عزیز حسن و حبیب حسن
موجود ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۰)۔

سید ظہور حسن صاحب مذکور کے دوسرے بھائی سید ظہور حسین (بن سید رحمت
علی بن سید دوست علی نبیرہ۔ سید عبد الباری بن دیوان سید محمود) بھی بعہدۂ منصفی
سرکار انگریزی میں ممتاز اور اپنے وقت کے مشاہیر میں سے تھے ان کے فرزند سید
وصال محمد صاحب بی اے ایل ایل بی۔ نہایت لائق و فائق و فخر خاندان ہیں الہ آباد
یونیورسٹی کے گریجویٹ علیگڈہ کالج کے تعلیم یافتہ اور اب بعہدہ وکیل سرکار دریاست
رام پور میں مامور ہیں ۔ ان کے حقیقی بھائی سید نہال محمد صاحب بھی ملازم
سرکار رہے اور اب پنشن پاتے ہیں ان کے دوسرے بھائی سید آل احمد صاحب
ہیں تعلیم یافتہ لائق و فائق ہیں۔ بعد ملازمت سرکاری اب پنشن پاتے اور قومی
کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ ان کے فرزند سید احمد بی اے مسلم یونیورسٹی
کے گریجویٹ اور ملازم سرکار انگریزی ہیں۔ سید ظہور حسین صاحب مذکور کے ایک
فرزند سید سرور حسین تھے جو پولیس میں تھانہ دار تھے۔ (شجرہ نشان ۱۰)۔

سید دوست علی مذکور نبیرۂ دیوان سید محمود کے ایک فرزند سید مدد علی کی

اولاد میں سید عمران علی و رضوان و ذیشان علی (پسران سید ریحان علی بن سید فرحت علی بن سید مدد علی مذکور) ہیں سید عمران علی صاحب بعہدہ انسپکٹری پولیس مامور تھے حال ہی میں ان کا دردناک قتل ان کی زمینداری کے ایک موضع میں ہوا ہے خدا مغفرت کرے (شجرہ نشان ۱۰)۔

سید دوست علی مذکور نبیرہ دیوان سید محمود کے ایک فرزند سید امام بخش کی اولاد میں سید ضامن حسین ابن سید شرافت علی بن سید حسین بخش بن سید امام بخش مذکور کا خاندان ہے۔ سید ضامن حسین صاحب مذکور باوجاہت شخص تھے۔ ان کے فرزندان نجم الحسن و ابوالحسن و معاون حسین ہوئے۔ دوسرا خاندان مولوی سید حسن بخش (ابن سید امام بخش مذکور) کا ہے۔ سید حسن بخش اپنے وقت کے نامدار تھے۔ ان کے فرزند حاجی سید حسن مثنیٰ بھی مشاہیر وقت اور عمائد شہر میں سے تھے۔ سید حسن مثنیٰ مذکور کے دو فرزند سید سالم حسین جو مورخ و شاعر ہیں اور سید عاقل حسین موجود ہیں (شجرہ نشان ۹)۔

سید دوست علی مذکور نبیرۂ دیوان سید محمود کے ایک فرزند سید قادر علی کی اولاد میں مولوی شبیر علی (ابن نصیر علی بن قادر علی مذکور) کا خاندان ہے۔ مولوی شبیر علی صاحب سنی مذہب کے عالم تھے مناظرہ کا شوق تھا۔ چند رسائل آپ کی یادگار ہیں۔ حکیم سید ضیاء النبی صاحب آپ کے فرزند تھے جن کے دو پسر سید منظہر حسن و ظفر حسن ہیں۔ سید شبیر علی صاحب کے بھائی سید سراج النبی صاحب بھی ذی علم و صاحب استعداد تھے ان کے دو فرزند سید معراج النبی و اسلام النبی ہوئے۔ سید معراج النبی کے فرزند انعام النبی ہیں۔ سید قادر علی مذکور کے دوسرے فرزند سید منظہر علی کے تین فرزند بشیر علی و لطیف علی و محمد حسین ہوئے۔ سید لطیف علی صاحب

لاولد ہوئے مگر ان کی ایک زندہ یادگار لطیف علی والا آم باقی ہے اور یہ آم خاص اپنی لطافت و حلاوت کے باعث اب دور دور تک اقصائے ہند میں عام ہو چکا ہے۔ امروہہ کے خاص و عام اس سے اچھی طرح واقف ہیں۔ (شجرہ نشان ۹)

سید شرف علی بن سید مدد علی بن سید دوست علی نبیرۂ سید عبد الباری بن دیوان سید محمود شیعہ مذہب کے عالم اور مناظرہ کے شوقین تھے۔ ان کے فرزند سید یعسوب الدین ایام غدر ۱۸۵۷ء میں کچھ دنوں کے لئے کوٹ گشت منجانب والئی رام پور رہے۔ ان کے دو فرزند سید گل حسن و سید مقداد حسن ہوئے۔ (شجرہ نشان ۱۰)

سید مبارک (بن سید منور علی بن سید محمد نعیم بن محمد زمان بن سید عبد الواجد بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود) بھی اپنے وقت کے معززین سے تھے ریاست جھالاواڑ میں تحصیلدار رہے۔ ان کے برادر حقیقی سید محمد کے فرزند سید عاشق حسین تھے جن کے فرزند سید زائر حسین بقید حیات ہیں شاعری اور قانون سے دلچسپی رکھتے ہیں سید مبارک مذکور کے پردادا سید محمد زمان بن سید عبد الواجد شاعر اور مشاہیر سے تھے۔ سید محمد زمان مذکور کی نسل میں حافظ سید محمد اسمٰعیل (بن سید جیون علی بن سید محمد فصیح بن سید محمد زمان مذکور) شیعی مذہب سے تھے۔ مورخ و شاعر بھی تھے۔ آخری معزول تاجدار اودھ واجد علی شاہ مرحوم کے ساتھ مٹیا برج کلکتہ میں مقیم رہے اور مشہور ہے کہ شاہ معزول نے انہیں سید الحفاظ کا لقب دیا تھا۔ ان کے لائق فرزند سید محمد اسرائیل بھی حافظ اور نواب صاحب رام پور کے کتب خانہ کے افسر ہیں۔ ان کے بھائی سید محمد عقیل مرحوم و سید محمد خلیل و سید نذیر حسن ہیں۔ سید محمد خلیل صاحب

مملکت آصفیہ میں محکمۂ رجسٹری میں ملازم ہیں۔ (شجرہ نشان ۵)

خاندان سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود میں سید عتیق اللہ و سید یسین علی وحاجی سید رحیم اللہ (پسران سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ مذکور) کی اولاد موجود ہے۔ ان میں سے سید رحیم اللہ کی اولاد حاجیون کے خاندان سے موسوم ہے۔ سید عتیق اللہ صاحب کے فرزند سید حفیظ اللہ نامی گرامی اور اپنے وقت کے مشاہیر میں سے تھے۔ موضع حفیظ پور آدی انہیں کے نام سے آباد ہے۔ ان کے فرزند سید تراب علی بھی اپنے وقت کے نامدار ذی وقار درویش دوست اور جناب شاہ رحمن بخش چشتیؒ سے بیعت تھے۔ ان کے دو فرزندان نامدار مولوی سید فقیر اللہ و سید بشیر اللہ اپنے وقت کے ذی وجاہت اکابر شہر و رؤسا مقامی میں تھے دونوں بھائی امروہہ کے آنریری مجسٹریٹ رہے۔ مولوی سید فقیر اللہ مذکور درویش سیرت بھی تھے۔ ان کے فرزند سید قدیر اللہ الحسین ہیں ان کے پسران سید مظفر علی و سید شہاب الدین و سید شرف الدین ہیں (شجرہ نشان ۶) سید عتیق اللہ مذکور کے بھائی حاجی سید رحیم اللہ (بن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود کی) اولاد میں حاجیون کا خاندان ہے۔ سید رحیم اللہ مذکور کے فرزند سید عباد اللہ اپنے وقت کے بڑے عابد و زاہد درویش دوست حاجی حرمین شریفین اور مشاہیر میں سے تھے ان کے دو فرزان نامدار حاجی مظفر حسین و حاجی سید حاجی حسین بھی مشاہیر وقت میں سے تھے۔ حاجی سید مظفر حسین کے تین فرزند ہوئے۔ جن کے نام سید بہادر حسین و سید صفی اللہ و سید عبد القیوم ہیں۔ ان میں سے مولانا سید عبد القیوم صاحب باعتبار اپنے علم و فضل کے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ ان کے فرزند محمد نسیم ہوئے۔ مگر ان

سے اولاد باقی نہ رہی ۔ سید صفی اللہ مذکور کے تین فرزند ہوئے جن کے نام سید آل احمد و سید نور احمد و سید ظہور احمد ہیں ۔ (شجرہ نشان ۵) ۔ سید آل احمد صاحب بعہدہ ڈاکٹری افواج انگریزی میں زمانہ دراز تک عہدہ دار رہے ۔ اور پنشن لینے کے بعد سرکار انگریزی کے درباری بنے ۔ اور زمانہ دراز تک امروہہ میونسپلٹی کے ممبر بھی رہے ۔ یہہ مؤلف کتاب ہذا کے حقیقی دادا ہیں ان کے فرزند سید نہال احمد و سید وصال احمد و جلال احمد و ہلال احمد ہیں ۔ سید نہال احمد صاحب مؤلف کتاب ہذا کے والد بزرگوار ہیں الہ آباد یونیورسٹی کے ایم اے ایل ایل بی اور بعہدہ ڈویژنل مجسٹریٹ و منصف مملکت آصفیہ میں ماہور ہیں ۔ عالی تخلص ہے ۔ علیگڈہ کالج کے تعلیم یافتہ ہیں اور اب بیس پچیس سال سے ترک سکونت کر کے مستقل سکونت مملکت آصفیہ میں اختیار کر لی ہے ۔ ان کے دو پسر ہیں ایک برادرم سید کمال احمد جو مسلم یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں اور دوسرا یہ عاجز مؤلف کتاب ہذا جو کمترین کمتریان اور ہر قسم کے فضل و کمال سے بے بہرہ ہے

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درخت سایہ دارم ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

دادا سید صفی اللہ صاحب مذکور کے دیگر دو فرزندان سید نور احمد و سید ظہور احمد کی اولاد موجود ہے ۔ سید نور احمد صاحب کے فرزند ارجمند الحاج مولوی سید بدر الحسن صاحب مرحوم عالم و فاضل و حافظ کلام اللہ تھے ۔ اور سلسلہ چشتیہ میں شاہ قیام الدین صاحبؒ جعفری امروہی سے بیعت تھے ۔ حال ہی میں انتقال ہوا ہے ۔ خدا مغفرت کرے ۔ ان کے دو فرزند سید حبیب المصطفیٰ و شفیق المرتضیٰ یادگار ہیں ۔ سید ظہور احمد بن سید صفی اللہ مذکور کے (جو راقم الحروف کے حقیقی نانا ہیں) فرزند سید ضمیر احمد صاحب ہیں جو بیس پچیس سال سے حیدرآباد دکن میں مستقل سکونت رکھتے ہیں ۔ آپ کے پسران سید خورشید حیدر و سید ظفر حیدر و شمیم حیدر و

ونسیم حیدر موجود ہیں۔ (دادا سید صفی اللہ مرحوم کے تیسرے بھائی سید بہادر حسین صاحب
مذکور تھے جو عالم و فاضل اور خصوصاً علم فرائض کے بڑے عالم تھے تمام عمر کلام پاک
تحریر کرتے ہوئے اور ذکر و شغل میں بسر کی۔ ان کے دو فرزند سید دلاور حسین و حکیم
سید آل محمد ہوئے۔ اوّل الذکر کی نسل قطع ہوگئی۔ حکیم سید آل محمدؐ کے تین فرزند سید
شبیہ الحسن و سید وحید الحسن و سید شریف الحسن ہیں۔ ان میں سے سید وحید الحسن صاحب
کثیر العیال ہیں۔ اِن کے ایک فرزند سید سعید احمد صاحب بی ایس سی۔ (ملیگ)
گورنمنٹ آف انڈیا کے صدر دفتر میں عہدہ دار ہیں دوسرے فرزند سید سلطان احمد صاحب
ممالک متحدہ کی پولیس اور تیسرے فرزند سید محمدؐ احمدؐ مملکت آصفیہ کی پولیس میں عہدہ دار ہیں
ان کے ایک بھائی سید آفتاب احمدؐ مسلم یونیورسٹی میں کسی خدمت پر مامور ہیں (شجرہ نشان ۵)
مولوی حاجی سید مظفر حسین مذکور کے برادر حقیقی حاجی سید حاجی حسین (بن سید عبا واللہ
بن سید رحیم اللہ بن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود) کے پسران
سید حاجی حسن و مہدی حسین و محمدؐ محسن ہوئے۔ یہ تینوں برادران حاجی تھے حاجی سید
حاجی حسن کے پسر حاجی سید محمدؐ اویس ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ ان کے
فرزند حاجی شجر النبی بھی اثنا و راہِ حج میں فوت ہوئے۔ ان کے فرزند قمر النبی موجود ہیں
حاجی سید مہدی حسین صاحب کے پسران سید مظہر الحسن و اظہر الحسن و ہادی حسن و سید حسین محسن
حاجی سید محمد محسن کے فرزندان یوسف حسن و یونس حسن ہوئے۔ یونس حسن کے فرزند
محمد ایوب موجود ہیں۔ (شجرہ نشان ۵) سید لیس علی (ابن سید رمضان علی بن سید غلام
مرتضیٰ بن دیوان سید محمود) کی اولاد میں سید محمدؐ عرف ہنڈھو (ابن سید مقبول علی بن سید
کفایت علی بن سید لیس علی مذکور) انگریزی فوج میں رسالدار تھے مہم کابل میں بہادرانہ

کام آئے۔ ان کے بیٹے سید ابو احمد بھوپال میں تحصیلدار تھے ان کے بھائی سید گل محمد بھی بھوپال میں عہدہ دار رہے۔ سید غلام محسن بن سید اولاد علی (بن کفایت علی بن سید نبین علی مذکور) حاجی حرمین باوضع اور روساء وقت میں سے تھے۔ ان کے اولاد پسری باقی نہ رہی ان کے حقیقی بھائی سید محمد احسن کے دو فرزندان سید محمد مستحسن و سید محمد زکی باقی رہے۔ سید محمد مستحسن کے تین فرزند سید عقیل احمد و شکیل احمد و سید محمد ظل اللہ اور سید محمد زکی کے تین پسر نفیس احمد و ذیشان احمد و شان احمد موجود ہیں (شجرہ نشان ۶)۔

سید اختر حسین بن سید نعیم اللہ (بن سید عظیم اللہ بن سید اشرف علی بن سید عتیق اللہ بن رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود) ترک سکونت کر کے بھوپال جا رہے ہیں۔ ان کے فرزند سید اظفر حسین موجود ہیں۔ (شجرہ نشان ۶)

بانی جامع مسجد امروہہ واقع پانباڑی سید عبدالخالق بن دیوان سید محمود کی اولاد کی تعداد قلیل ہے۔ معدودے چند افراد باقی ہیں ان میں سے حکیم سید ریاض حسن صاحب (بن محمد فیاض بن عون علی بن سید محفوظ علی بن اسد اللہ بن سید غلام مصطفےٰ بن سید عبدالخالق بن دیوان سید محمود) نہایت خلیق و متواضع و ہمدرد تھے۔ ان کے فرزند سید مستفیض حسن صاحب بھی طبیب ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۱)۔

بڑے دربار میں ایک تلوار حضرت زید شہید بن امام زین العابدین ع کی یادگار تبرکات ہیں سید محمد صاحب (بن سید منور علی بن سید محمد نعیم بن سید محمد زمان بن سید عبدالواجد بن سید عبدالباری بن دیوان محمود) کی حویلی میں محفوظ ہے۔ یہ تلوار تبرکاً سادات میں محفوظ چلی آتی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کوئی عالمگیر مصیبت آنے والی

ہوتی ہے تو اس تلوار پر ایک یا دو داغ زنگ کے نمایاں ہو جاتے ہیں۔ حضرت زید شہید کی یہ تلوار شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کو اپنے مرشد حضرت گنج بخش رح سے ملی تھی اور حضرت گنج بخش رح کو یہ تلوار اپنے مرشد حضرت شیخ مبارک بالادست جھنجانوی سے ملی تھی اور اُن کو اپنے مرشد میر سید علی قوام الدین شطاری جونپوری سے جو حضرت زید شہید کی اولاد میں تھے ۔ حضرت گنج بخش رح کی اولاد میں سے حضرت پیر بخش ہیں جن کا مزار قلعہ دیوان سید محمود کے شرقی دروازے کے سامنے ہے اور اکثر اولاد دیوان سید محمود کی قبور یہیں ہیں۔ ایک مسجد بھی یہاں ہے جس میں اہل سنت نماز عیدین ادا کرتے ہیں صاحب تاریخ امروہہ لکھتے ہیں ۔

میاں پیر بخش حضرت شاہ اللہ بخش گنج بخش گدڑ بکثیری کے خاندان سے تھے ۔ سادات امروہہ بالخصوص اولاد میر سید محمد میر عدل ساکنان محلہ دربارکلاں کو حضرت گنج بخش کے خانوادہ سے موروثی عقیدت تھی ان حضرات کے عقیدت مندانہ اصرار پر میاں پیر بخش صاحب نے امروہہ میں اقامت اختیار کر لی تھی متوکل و قناعت پسند بزرگ تھے سادات محلہ دربار کلاں کی ارادت و عقیدت کا یہ حال تھا کہ بغیر استصواب میاں صاحب کے کوئی کام نہ کرتے حتیٰ کہ گھروں میں کھانا بھی اس وقت کھایا جاتا جب یہ سُن لیتے کہ میاں صاحب نے کھانا تناول فرمانا شروع کر دیا ہے ۔ جائداد کی بیع و شریٰ اور تقسیم میں آپ ہی کی جانب رجوع کرتے تھے ۔ دستاویزات و تحریرات میں نام نامی تبرکاً و تعظیماً کاغذ کی پیشانی پر اس طرح لکھا جاتا جس طرح پروانجات شاہی میں بادشاہ وقت کے نام لکھنے کا عام دستور تھا۔ (اس کی تائید میں صاحب تاریخ امروہہ نے ایک دستاویز اقراری سید امجد علی و سید غفور علی پسران سید باقر علی بن سید

سید رحم علی خاں بن سید عبد العزیز بن دیوان سید محمود وغیرہ نقل کی ہے)

صاحب تحفۃ التواریخ لکھتے ہیں :۔

وسید ابوالحسن (بن سید محمد میر عدل) ۔۔۔۔۔ از مریدان خاص حضرت شیخ اللہ بخش گڑہ مکتیسری بود وہم اکثر مردمان این دومان حلقہ ارادت خدمت ایشان بگردن خود می داشتند (ص ۵۳)

دیوان سید محمود کے خاندان کا ذکر اس حد تک کیا گیا۔ اولاد سید ابو الفضل بن سید محمدؒ میر عدل و اولاد سید عبد الواسع بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمدؒ میر عدل کا ذکر ابھی باقی ہے۔ اور وہ یہاں کیا جاتا ہے۔

سید عبد الواسع بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل امیر اکبری کے پانچ فرزندان نامدار ہوے جن کے نام سید جہانگیر و سید چاند و سید عبد الاول و سید عنایت علی و سید محمدؐ پناہ ہیں۔ سید جہانگیر کے دو فرزند سید الہ بخش و سید امام الدین ہوے۔ سید الہ بخش کے دو فرزند سید عبد الواسع و سید عبد الہادی ہوئے۔ سید عبد الواسع بن سید الہ بخش کے فرزند سید غلام شاہ اور ان کے فرزند سید بھیکا ہوے ان کی اولاد محلۂ سیٹھی میں آباد ہے۔ سید بھیکا مذکور کے تین فرزند ہوے سید ولی نذر و سید شاہ نذر و سید علی نذر۔ اول الذکر لا ولد ہوے۔ سید شاہ نذر کی اولاد میں مولوی سید رافت علی بن سید انعام علی بن سید کریم علی بن شاہ نذر مذکور اور سید شاکر حسین بن صابر حسین بن جعفر حسین بن تفضل حسین بن محمد وجیہہ بن شاہ نذر مذکور وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید علی نذر مذکور کی اولاد میں مولوی سید احمد نذر (بن جعفر نذر بن علی نذر مذکور) وغیرہ کے خاندان ہیں۔

خاندان میر سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی اس شاخ میں بھی اُمرا و منصبدار ہوئے ہیں۔ سید بھیکا بن سید غلام شاہ بن سید عبد الواسع بن سید اللہ بخش بن سید جہانگیر بن سید عبد الواسع بن میر سید ابوالحسن مذکور عہد محمد شاہ بادشاہ میں منصبدار شاہی تھے مگر بوجہ نہ ملنے فرمان منصب کے مقدار منصب معلوم نہ ہو سکی۔ ان کے فرزند سید علی نذر بھی احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں پانصدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ دیگر اصحاب خاندان کے مناسب و مراتب کی تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں اس لیے اندراج میں ہم معذور ہیں۔ سید احمد نذر (ولد سید جعفر نذر بن سید علی نذر بن سید بھیکا مذکور) اپنے وقت میں عابد و زاہد و متقی مشہور و معروف تھے۔ سید شاکر حسین بن سید صابر حسین بن سید جعفر حسین بن سید تفضل حسین بن سید محمد وجیہ بن سید شاہ نذر مذکور مدت دراز تک ریاست جے پور میں نیک نام ملازم رہے تاریخ کے فن میں شہرت رکھتے ہیں۔ مولانا سید رافت علی بن انعام علی بن سید کریم علی بن سید شاہ نذر بن سید بھیکا بن سید غلام شاہ بن سید عبد الواسع بن سید اللہ بخش بن سید جہانگیر بن سید عبد الواسع بن شاہ سید ابوالحسن بن سید میر عدل امیر اکبری اپنے وقت میں امروہہ میں اہل سنت کے نامی گرامی عالم ہوئے ہیں۔ مناظرہ میں خاص شہرت حاصل کی تھی متعدد تصانیف آپ کی یادگار رہیں۔ ننہیالی قرابت کے لحاظ سے آپ کی اور آپ کے برادران کی ذاتی مستقل سکونت بڑے دربار میں ہو گئی۔ تین فرزند سید محمد عبد اللہ و سید عبد الرؤف و سید عبد النور یادگار چھوڑے جمادی الثانی ۱۳۰۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ آپ کے فرزند اکبر سید محمد عبد اللہ نے زیادہ عمر نہ پائی دوسرے فرزند مولوی سید عبد الرؤف صاحب موجود ہیں۔ جو عالم و فاضل و حاجی ہیں اور حکیم الامت مولنا

شاہ اشرف علی تھانوی سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہیں۔ تیسرے فرزند سید عبدالنور
ہیں۔ سید محمد عبداللہ مذکور کے فرزند سید ماجد حسین باقی رہے اور افسوس ہے کہ ابھی
چند روز قبل ان کا انتقال ہوگیا خدا مغفرت کرے محمد عارف فرزند اپنی یادگار انہوں نے
چھوڑا۔ مولوی سید عبدالرؤف صاحب مذکور کے فرزند مرغوب احمد صاحب بھی حاجی
و عالم ہیں۔ مولٰنا السید رافت علی صاحب کے دو بھائی سید راحت علی و سید رحمت
علی بھی حاجی و عالم و زاہد و اتقیاء روقت سے تھے دونوں کی اولاد دختری موجود ہے
(شجرہ نشان (۱۳)۔

سید چاند بن سید عبدالواسع بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل امیر
اکبری کے دو فرزند سید منور و سید محمد ماہ ہوئے۔ سید منور کی اولاد سرائے کہنہ اور سید
محمد ماہ کی اولاد گھیر کرم علیخاں متصل محلہ حقانی میں آباد ہے۔ اول الذکر کی اولاد میں
مولوی ابوالقاسم صاحب بن سید سخاوت حسین بن سید منور حسین بن۔ سید قاسم نذر
بن سید مبارک نذر بن سید محمد غوث بن سید قطب علی بن سید منور بن سید چاند بن
سید عبدالواسع بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل امیر اکبری وغیرہ کے
خاندان ہیں۔ سید محمد ماہ بن سید چاند مذکور کی اولاد میں سید نبی ہادی صاحب
بن سید ہادی علی وغیرہ کے خاندان ہیں۔ اولاد سید منور مذکور میں سید علی مراد (ولد
سید مبارک علی بن سید منور بن سید چاند بن سید عبدالواسع بن شاہ سید ابوالحسن
بن سید محمد میر عدل) اور ان کے بھائی سید حسن رضا منصبداران شاہی میں
شامل تھے۔ مگر فرمان منصب اُن کا نہ مل سکا۔ اس لیے مقدار منصب معلوم نہیں۔
سید منور حسین (بن سید قاسم نذر) جو مولوی ابوالقاسم صاحب مذکور کے دادا ہوتے

ہیں اپنے وقت میں مشہور و معروف اصحاب میں سے تھے۔ اور وکالت کرتے تھے۔ ان کے لائق فرزند مولوی سید سخاوت حسین صاحب جو عالم و فاضل اور شاعر تھے۔ مدت دراز تک مملکت آصفیہ میں تحصیلدار رہے ان کے ایک فرزند سید جود غفار بھی تحصیلدار رہے۔ دوسرے فرزند مولوی سید ابو القاسم صاحب عالم و فاضل و ذاکر و شاغل تھے ۱۳۳۹ھ میں حیدر آباد دکن میں فوت ہوئے ان کے لائق فرزندان مولوی سید محبوب الحسن صاحب جو عالم و فاضل اور واعظ شیرین بیان اور مولوی کامل کی سند پائے ہوئے ہیں۔ اور سید محمد بصیر و شفیق احمد و آل حسن و ثیق احمد مملکت آصفیہ کے محکمۂ تعلیمات کے مختلف عہدوں پر کارگذار رہیں۔ ان کے ایک بھائی مشہود النبی عثمانیہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں مولوی ابو القاسم صاحب مذکور کے تیسرے بھائی مولوی فضل الستار صاحب بھی عالم فاضل اور ممالک متحدہ کے محکمۂ تعلیمات میں ملازم ہیں۔ (شجرۂ نشان ۱۴)۔

سید محمدؒ ماہ بن سید عبد الواسع بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں سید کرم علی خان صاحب نامی گرامی منصبدار عالی وقار گذرے ہیں۔ پانصدی ذات کا منصب تھا۔ اور خطاب خانی سے سرفراز تھے امروہہ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی آپ کو جاگیر ملی تھی۔ ان کے فرزند نامدار سید ظفر علی و لال علی و عارف علی و مصاحب علی شمشیر علی بھی منصبداران شاہی تھے سید مرتضیٰ ولد سید اصغر بن سید محمدؒ ماہ بن سید چاند مذکور عہد عالمگیر اورنگ زیب میں یک صدی ذات کے منصبدار تھے۔ سید کرم علی ولد سید سعادت بن شمشیر علی علی مذکور۔ حیدر آباد دکن میں بسلسلہ ملازمت تھے وہیں انتقال کیا۔ ان کے دوسرے بھائی حاجی سید بنیاد علی (بن سعادت علی بن شمشیر علی بن سید کرم علی خان مذکور) اپنے وقت میں نہایت باوقار اور معزز تھے۔ ان کے دو فرزند سید علی حیدر و سید ہادی علی

ہوئے۔ آخر الذکر امروہہ میں وکالت کرتے تھے۔ اور عمائد شہر میں سے تھے۔ ان کے لائق فرزند سید نبی ہادی ہیں جو اپنے اقران و امثال میں ممتاز اور جماعت سادات میں منتخب افراد میں سے ہیں۔ امروہہ میونسپلٹی کے چیئرمین اور وائسرائے کی کونسل کے ممبر بھی رہے ہیں اور خطاب خاں بہادری سے سرفراز ہیں۔ ان کے لائق فرزند سید تقی ہادی تعلیم یافتہ اور نیک خصال نوجوان ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۴)۔

ایک شاخ اولاد سید محمد فاضل بن سید عبدالباری بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمدؒ میر عدل کی محلۂ پچدرہ میں آباد تھی۔ ان میں سید ہدایت اللہ بن سید جیا بن سید محمدؒ فاضل مذکور و سید میر بن سید محمد فاضل مذکور منصبدار شاہی ہوئے ہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہوا۔ اس شاخ کی نسل پسری باقی نہیں رہی۔ اگر جلد دوم کی طباعت تک کوئی دوسرا حال معلوم ہو سکا تو درج کر دیا جائے گا۔

سید محمدؒ میر عدل امیر اکبری کے دو فرزندان نامدار شاہ سید ابوالحسن و سید ابوالفضل کی اولاد پسری باقی رہی۔ از انجملہ شاہ سید ابوالحسن کی اولاد امجاد کا ذکر صفحات سابق میں اجمالاً کر دیا گیا۔ دوسرے فرزند سید ابوالفضل کی اولاد تعداد میں قلیل اور کثرہ علام علی میں آباد ہے۔ سید ابوالفضل اپنے نامی باپ کے نامی فرزند تھے۔ کتب تواریخ میں مسلسل درج ہوتا چلا آیا ہے کہ ۹۸۴ھ میں شہنشاہ اکبر نے سید محمدؒ میر عدل کو بھکر یعنی صوبہ سندھ کا گورنر مقرر کیا اور انہوں نے اپنے بیٹوں سید ابوالفضل وغیرہ کو قلعہ سنبوی (سیبی) پر روانہ کیا۔ قلعہ فتح ہوا۔ اور میر صفائی نے اس فتح نمایاں کی تاریخ اس طرح کہی۔

(فتح سنبوی شد باولاد نبی)

سید ابوالفضل بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں بھی متعدد منصبداران نامدار ہوئے

خان بہادر سید نبی ہادی صاحب نقوی

شبیہ خان بہادر سید نبی ہادی صاحب بن سید ہادی علی صاحب

از اولاد

شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل امیر اکبری (شجرہ نشان ۱۴)

خود سید ابوالفضل مذکور کا منصب آئین اکبری میں صدو بستی ذات کا درج ہے۔ سید مظہر علی خاں بن سید غلام علی بن سید عاقل بن سید عادل بن سید ابراہیم بن سید ابوالفضل مذکور عہد فرخ سیر میں سہ صد ذات تیس سوار کے منصبدار تھے بعد میں ترقی ہو کر ہفت صدی ذات سو سوار کے منصب اور خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ ان کے بھائی سید محمد علی بھی ایک صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ سید مظہر علی خان مذکور کے فرزند سید میر علی عہد عالمگیر ثانی میں منصبدار داخل چوکی تھے مگر تعداد منصب معلوم نہو سکی۔ سید غلام علی بن سید منور علی (بن سید اکرم علی بن سید مجتبیٰ علی بن غلام علی بن سید عاقل بن سید عادل بن سید ابراہیم بن سید ابوالفضل مذکور) اپنے وقت میں نامور شاعر تھے حسینی تخلص تھا۔ سید مظہر علی بن سید رمضان علی بن سید شمشیر علی بن مظہر علی خاں بن غلام علی مذکور مظفر نگر میں نامی وکیل تھے۔ اسیطرح سید مظہر علی بن مردان علی بن سید شمشیر علی مذکور شاہجہاں پور میں نامی وکیل ہوے ان کے فرزند سید یوسف علی بھی مظفر نگر کے مشہور وکیل ہوے۔ اور ان کے فرزند سید جعفر حسن بھی وہیں وکالت کرتے ہیں (شجرہ نشان ۱۵)۔

یہاں تک سید محمد میر عدل امیر اکبری کی اولاد پسری کا ذکر اجمالاً کر دیا گیا۔ اب میر عدل موصوف کی اولاد دختری کا ذکر کیا جاتا ہے۔ (یہ مضمون جلد دوم کے لیے مخصوص تھا مگر بوجہ عدم گنجائش جلد دوم یہاں تحریر ہوتا ہے)۔

ذکر سادات حسنی ساکن محلہ کوٹ

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ سید ابوالقاسم بن سید محمد میر عدل کی دختر بی بی اچھی

سید سراج الدین بن سید محمد بغداوی الحسنی القادری کے حبالہ عقد میں آئیں اور ان سے سید شاہ گدا مورث سادات حسنی ساکن محلہ کوٹ پیدا ہوئے اور اپنے حقیقی ماموں سید ابو الحسن بن سید ابو القاسم بن سید محمد میر عدل کی دختر مسماۃ بدّی کو اپنے حبالہ عقد میں لائے اس طرح سید ابو القاسم (فاتح سیبی) بن سید محمد میر عدل کی اولاد دختری کا سلسلہ امروہہ میں قائم ہوا سید ابو القاسم (فاتح سیبی) بن سید محمد میر عدل اپنے وقت میں نامور منصبدار اور اپنے جلیل القدر باپ کے جلیل القدر فرزند تھے اسی طرح ان کے فرزند سید منعم بن سید ابو القاسم مذکور اور ان کے بھائی سید ابو الحسن بھی نامور منصبدار اور جاگیر دار تھے ان دونوں بزرگوں کا ترکہ سید شاہ گدا موصوف کی والدہ اور زوجہ کو ملا اور اس ترکہ میں علاوہ دیگر اموال وغیرہ کے بڑی جاگیر اس خاندان میں سید محمد میر عدل کے گھرانے سے منتقل ہوئی اس کے بعد دیوان سید محمود کے برادر حقیقی سید حامد بن سید عبد الماجد کی دختر اس خاندان میں بعہد اورنگ زیب عالمگیر سید سراج الدین بن سید نور اللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گدا موصوف کے نکاح میں آئیں۔ سید سراج الدین بن سید نور اللہ مذکور کی خوشدامن بی بی جیو زوجہ سید حامد برادر دیوان سید محمود نے متعدد عمارات عالیشان یہاں بنوائی تھیں اس لیے محلہ اب تک بی بی جیو کا کوٹ مشہور ہے۔ اولاد سید شرف الدین شاہ ولایت میں جس قدر قدیم و جدید رشتہ داریاں سادات حسنی محلہ کوٹ سے ہوئی ہیں۔ غالباً اتنی کسی دیگر سادات میں نہیں ہوئیں اور اب تک یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

سادات حسنی محلہ کوٹ کا سلسلہ نسب بواسطہ حضرت غوث الثقلین سراج السالکین برگزیدہ آل لیس واقف اسرار یزدانی قطب ربانی غوث صمدانی محبوب سبحانی شیخنا وشیخ الکل ہادی طریقت و مرشد سبل محی الدین سید عبد القادر جیلانی جناب امام حسن علیہ

علی آبارہ و اولاد و الف الف سلام و تحیات سے متصل ہوتا ہے۔ اہل سنت کے تمام گروہوں میں آپ سرتاج اولیاء عالم تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اور جس قدر محامد و مناقب آنجناب کے بیان کئے جاتے ہیں وہ جماعت اولیا میں کسی دوسرے کے نہیں ہیں۔ جس طرح ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری کی ذات اقدس سلطان الاولیاء ہند و غریب نواز مشہور و معروف ہے۔ اسی طرح حضرت غوث پاک کی ذات گرامی سلطان الاولیا عالم و پیر دستگیر روشن ضمیر مشہور ہے۔ آپ کا حسب و نسب اقصائے عالم میں جس قدر مشہور و معروف ہے شائد کسی دوسرے خاندان سادات کا اس قدر مشہور نہیں ہے۔ مغرب اقصیٰ سے لے کر تمام بلاد طرابلس و مصر و شام و حجاز و عراق و ایران و افغانستان و چین و ہندوستان وغیرہ کے ہر زاویہ و خانقاہ میں آنجناب کا شجرۂ نسب و شجرۂ بیعت سلسلہ قادریہ محفوظ اور معتقدین کے لیے حرز جان ہے۔ ہزارہا سوانح عمریاں آپ کی مرتب ہو چکی ہیں بیشمار دیوان شعرا کے آپ کی مدح و منقبت میں لکھے جا چکے ہیں۔ اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ مسٹر سید امیر علی پریوی کونسلر جو زمانہ حال کے اکابر شیعہ میں سے ہیں اور بزرگ ترین اسلامی انگریزی مصنف ہیں۔ حضرت غوث پاک کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(ترجمہ) بعض اہل سنت حضرت عبد القادر جیلانی کے بے حد بے حساب ثنا و منقبت بیان کرتے ہیں اور ان کی تعظیم مفرط کرتے اور انہیں غوث اعظم و محبوب سبحانی و قطب ربانی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں جیسا کہ گلدستہ کرامات میں تحریر ہے (اس کے بعد سید امیر علی صاحب ممدوح الشان بالقابہ تحریر فرماتے ہیں کہ) حضرت غوث اعظم عالم باطن اور نسباً فاطمی تھے علماء باطن اور درویشان باصفا میں ان کا درجہ نہایت اعلیٰ و ارفع ہے" (اسپرٹ آف اسلام صفحہ ۳۱۴ مصنفۂ دی رائٹ

آنریبل سید امیر علی ایم۔ اے۔ سی۔ آئی۔ ای بیرسٹریٹ لا پریوی کونسلر۔

حضرت غوث پاک کی ولادت باسعادت اور مدت عمر و سال وفات کو ایک شاعر نے اسی طرح ایک شعر میں ظاہر کیا ہے۔

سنش کامل و عاشق سال تولید — وفاتش دان تو معشوق الٰہی

(کامل ۹۱ — عاشق ۴۷۱ — معشوق الٰہی ۵۶۲)

پیدائش آپ کی بمقام گیلان جو نواح طبرستان میں بغداد سے سات دن کے راستہ پر ہے۔ شب اول رمضان المبارک میں ہوی۔ سلسلہ نسب پدری آپ کا حضرت امام حسن علیہ السلام سے اور سلسلہ نسب مادری جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے متصل ہوتا ہے۔ آپ کے خوارق عادات و کرامات کا اگر ذکر لکھا جائے تو ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اسی طرح آپ کے فیوض باطنی و ارشادات عالیہ و ملفوظات گرامی پر بھی مستقل تصنیفات موجود ہیں۔ مسٹر ٹامس ولیم اپنی مشہور کتاب مفتاح التواریخ میں اور دیگر معتبر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ سلطان سنجر سلجوقی نے آپ سے ملاقات کی استدعا کی اور عریضہ لکھا کہ میری حاضری میں امور سلطنت مانع ہیں اگر آنجناب یہاں قدم رنجہ فرمائیں تو آنجناب کی خانقاہ کے مصارف کے لیے ملک نیمروز وقف کر دوں گا۔ اس کے جواب میں حضرت غوث پاک نے یہ قطعہ لکھ کر بھیج دیا:۔

چوں چرخ چنبری رخ بختم سیاہ باد — با فقر گر بود ہوس ملک سنجرم
تا یافت جان من خبر از ملک نیم شب — من ملک نیمروز بنیک جو نمی خرم

مصرعہ ثالث میں ملک نیم شب سے مراد عبادت نیم شبی و تہجد سے ہے۔ لیکن متعدد کتب حضرت غوث پاک کی تصنیف سے یادگار ہیں۔ از انجملہ ایک غنیۃ الطالبین مشہور رہی ہے۔ اب تک ہم بھی یہی سنتے آئے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوث پاک کی تصنیف ہے

مگر حال میں علماء عراق ومصر وشام وغیرہ نے ایک مبسوط رسالہ لکھ کر اس امر کا اعلان کیا ہے کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوث پاک کی تصنیف نہیں ہے۔ اور بکثرت داخلی وخارجی شہادت درج کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ آنجناب کی تصنیف نہیں ہوسکتی ہے۔ یہ رسالہ راقم الحروف نے بچشم خود حیدرآباد میں اپنے ایک کرم فرما کے کتبخانہ میں دیکھا تھا جس میں صدہا علماء عراق و عرب وغیرہ کے دستخط اس امر کی تصدیق کے لیے دکھائے گئے ہیں کہ غنیۃ الطالبین حضرت غوث پاک کی تصنیف کسی طرح نہیں ہوسکتی ہے اور اس میں بعض وہ مضامین درج ہیں جو واضح طریقہ سے حضرت غوث پاک کے مسلک وارشادات سے مغائر ہیں۔ حال ہی میں دہلی کے مشہور رسالہ ماہواری (مولوی) کا غوث اعظم نمبر شائع ہوا۔ اور اس میں بھی غنیۃ الطالبین کو حضرت غوث اعظم کی تصنیف تسلیم نہیں کیا گیا۔ مولنا مراد صاحب مارہروی تحریر فرماتے ہیں۔

> کہا جاتا ہے کہ غنیۃ الطالبین غوث پاک کی تصنیف ہے مگر اکابر اور واقفان اسرار نے اسے حضور کی تصنیف قرار دینے میں تامل کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صرف نام کی یکرنگی ویکسانی نے اس کتاب کو حضرت غوث پاک کی طرف منسوب کردیا ورنہ یہ ایک اور شخص عبدالقادر جیلانی کی تصنیف ہے..... فتوح الغیب اور غنیۃ الطالبین کی عبارات میں بعد المشرقین نظر آتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور غوث اعظم کا ہاتھ بھی غنیۃ الطالبین کو نہیں لگا...... غوث پاک کا منصب بہت بلند تھا اور یہ کتاب ان کی لکھی ہوی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ جن لوگوں نے اس کتاب کو حضور کے نام سے منسوب کیا ہے۔ ہمارے نزدیک انہوں نے غلطی کی ہے اور یہ ان کی تحقیق کی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔

متقدمین میں بھی اکابر نے بعض بعض مقامات پر غنیۃ الطالبین کو حضرت غوث پاک کی تصنیف تسلیم نہیں کیا اور عصر حاضر کے علما میں اکثر تعداد ان کی ہے جو اس کتاب کو جناب غوث اعظم رہ کی تصنیف نہیں مانتے ہیں۔ مولنا عبدالماجد دریا بادی وغیرہ نے بھی حال میں اسی خیال کی تائید فرمائی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب غنیۃ الطالبین میں بعض مضامین رد مذہب شیعہ میں بھی درج ہیں غالباً یہی وجہ ہے کہ اکثر بزرگان شیعہ کا خیال حضرت غوث پاک کی نسبت اچھا نہیں ہے بخلاف دیگر اکابر صوفیا مثلاً خواجہ اجمیری وغیرہ کے کہ اکابر شیعہ آنجناب کا نام نامی ہمیشہ ادب و تعظیم سے لیتے اور حفظ مراتب کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔

صاحب سعادۃ الکونین تحریر فرماتے ہیں:۔ (اولاد حسن بن علیؑ از زید بن حسن و حسن بن حسن باقیست چنانچہ شیخ عالم و عامل و عارف کامل محی الدین ابو محمد عبدالقادر الجیلانی از اجلہ سادات حسنیہ است)۔

اسی طرح دیگر تذکرہ نویس بھی لکھتے آئے ہیں آنجناب کا شجرۂ نسب جو اہل خاندان اور آپ کے بے شمار متوسلین و مورخین کا مقبول ہے یہ ہے:۔ محی الدین عبدالقادر جیلانی بن ابو صالح موسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن یحییٰ بن محمد الرومیہ بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن مثنیٰ بن جناب امام حسن علیہ السلام بن جناب شیر خدا علی بن ابی طالب۔ جناب امام حسن علیہ السلام کا سال وفات ۵۰ھ اور جناب غوث پاک کا سال ولادت ۴۷۱ھ ہے۔ پس اس حساب سے بموجب قاعدہ اکثریہ مقبولہ نسابین بحساب تین پشت فی صدی بارہ تیرہ پشتوں کا شمار میں آنا ضروری ہے اور نسابین کو شمار میں لانے کے بعد تیرہ پشتیں اس مقبول عام شجرہ میں موجود ہیں۔ پس سلسلہ نسب متصل

اور صحیح ہے۔

سید سراج الدین اکبر آبادی بن سید محمد بغدادی الحسنی القادری مورث سادات حسنی امروہہ کا سلسلہ نسب حضرت غوث پاک سے اس طرح متصل ہے :- (سید سراج الدین مذکور بن سید محمد بغدادی بن جلال الدین بن سید یحییٰ بن سید احمد حاجی الحرمین بن نصر اللہ بن قطب العالمین بن موسیٰ بن عبد الجبار بن ابو نصر صالح بن عبد الرزاق بن غوث صمدانی قطب ربانی حضرت غوث پاک سید عبد القادر جیلانی) حضرت غوث پاک کا سال وفات ۵۶۱ ہے۔ سید سراج الدین اکبر آبادی اکبر بادشاہ کے ہمعصر ہیں جس کا سال آغاز سلطنت ۹۶۳ھ ہے۔ اور اسی زمانہ میں یعنے بعہد اکبری سید محمد میر عدل کی پوتی بی بی اچھی سے آپ کا عقد ہوا ہے۔ پس آپ کا سال ولادت تخمیناً ۹۴۰ھ باور کر لینا قرین عقل و صواب ہے۔ اس حساب سے (۹۴۰-۵۶۱ = ۳۷۹) قریباً تین سو اسی سال کا بعد زمانی سید سراج الدین اکبر آبادی اور حضرت غوث پاک کے درمیان ثابت ہوتا ہے اس مدت میں اتصال نسب کے لیے بحساب تین پشت فی صدی قریباً گیارہ پشتوں کی ضرورت ہے۔ اور اس شجرہ میں بشمول جانبین بارہ پشتیں موجود ہیں پس سلسلہ نسب متصل اور صحیح ہے۔

سید سراج الدین اکبر آبادی کے فرزند سید شاہ گدا عالی نسب والا حسب تقویٰ و طہارت میں یکتا کاملیں وقت سے تھے۔ (تاریخ امروہہ) اس خاندان میں بقول صاحب تاریخ واسطیہ سید غلام محی الدین بن سید شرف الدین بعہد عالمگیر ثانی پانصدی ذات کے منصبدار تھے اور سید عطا محی الدین بن سید محمد زاہد دوصدی ذات کے منصبدار تھے۔ دیگر صاحبان خاندان کے مناصب و مراتب کا حال کسی دستاویزی شہادت

سے معلوم نہیں ہوسکا۔ اس لیے ان کا ذکر ترک کیا گیا۔ مولوی سید رمضان علی بن سید
نورالدین بن سید محمد زاہد بن سید سراج الدین بن سید نوراللہ بن سید راجہ بن سید شاہ
گدا مذکور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ علم وفضل
زہد وتقویٰ میں یگانہ روزگار تھے ان کے لائق فرزند مولوی سید نذراللہ عاشق وذاکر
رسول تھے۔ آج تک ان کا نام امروہہ میں ذکر رسول کے لئے مشہور رہے (شجرہ نشان ۱۳)۔
ان کے فرزند سید شعیب احمد وسید حبیب احمد وسید یٰسین احمد وسید تحسین احمد موجود ہیں
سید شعیب احمد صاحب کے فرزند محمد احمد سرکار انگریزی میں محکمہ خفیہ پولیس میں انسپکٹر ہیں۔ سید حبیب
احمد صاحب مذکور اپنے والد مرحوم کے قدم بقدم صید افگنی کے لیے امروہہ میں خاص شہرت
رکھتے ہیں۔ سید ظہور حسن مرحوم المتخلص بہ ثاقب بن سید محمد حسین بن سید شاہ علی بن
سید محمد زاہد بن سید سراج الدین بن سید راجہ بن سید شاہ گدا مذکور شاعر خوش
بیان تھے وکالت کرتے تھے۔ ان کے فرزند سید حمید حسن صاحب نامی وکیل ہوئے
ان کی اولاد پسری باقی نہ رہی (شجرہ نشان ۱۳)۔ ایک دختر سید وحید الحسن بن سید
آل محمد بن سید بہادر حسین بن سید مظفر حسین سے منعقد ہوئیں۔ جن سے اولاد پسری
موجود ہے۔ اور جن کا ذکر خاندان دیوان سید محمود میں ہوچکا ہے۔ سید آل احمد بن
سید عبدالعلی بن سید رحیم بخش بن سید عطامحی الدین بن سید محمد زاہد بن سید
نوراللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گدا اس خاندان میں سجادہ نشین تھے ان کے
بعد ان کے فرزند سید احمد سجادہ نشین ہیں۔ سید خیرات علی بن سید رمضان علی
بن سید عبدالغنی بن سید نصراللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گدا اس خاندان
میں صاحب ثروت ومشاہیر میں سے تھے۔ ان کے دو فرزند سید آل علی و سید برہان علی

ہوسے اول الذکر کے فرزند آل مرتضیٰ لاولد فوت ہوے دونوں بھائیوں کی نسل آگے کو نہ چلی (شجرہ نشان ۳۱)۔

سید ضیاء الحسن بن سید محمد نذر بن سید منور علی بن غلام محی الدین بن شرف الدین بن محمد مراد بن سید قایم راجہ مرسان کی ریاست میں تحصیلدار تھے ان کے فرزند سید فیاض الحسن حیدرآباد دکن کے دفتر معلومات عامہ میں عہدہ دار ہیں۔ ان کے بھائی سید ریاض الحسن صاحب بھی نیک سیرت ہیں اور ملک اودھ میں بسلسلہ کاروبار مقیم ہیں۔ سید شاہ علی بن سید غلام مرتضیٰ بن سید نصر اللہ بن سید راجہ بن سید شاہ گدا اندکورنے محلہ کوٹ کی سکونت ترک کی اور ایک نیا محلہ اپنے نام سے شاہ علی سرائے شہر کے شمال میں متصل محلہ دربار کلاں آباد کیا۔ یہ لاولد ہوے۔ اور ان کے قائم مقام ان کے بھائی سید حسن علی شاہ علی سرائے میں جا رہے اور ان کی اولاد اب تک یہیں ساکن ہے۔ سید حسن علی مذکور کے بیٹے سید غلام شاہ ہوے۔ ان کے بیٹے سید منور علی ہوے ان کے سات فرزند ہوے۔ از انجملہ حسین علی وعلمدار علی ونثار علی ورستم علی لاولد ہوے۔ باقی سید مردان علی ومہدی علی وبشارت علی کے اولاد ہے۔ مہدی علی کے فرزند تحسین علی ہیں۔ مردان علی صاحب کے تین فرزند محمد احسن ومظفر علی واکبر علی ہوے محمد احسن صاحب اپنے وقت کے علامہ اور علوم دین کے بے مثل عالم تھے۔ کثیر تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔ آخر عمر میں احمدی مشرب اختیار کیا تھا۔ آج تک اس جماعت میں اور دیگر مقامات پر بھی آپ کا نام روشن ہے عمر بھی کثیر پائی ۱۰۵ سال کی عمر میں ۱۳۴۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ سید محمد اسمٰعیل وسید محمد یعقوب وسید محمد یوسف وسید محمد اسحٰق وسید محمد یحیٰ آپ کے

آپ کے پسران موجود ہیں۔ سید محمد اسمٰعیل صاحب مذکور المتخلص بہ عیش رنگون میں طبیب اور وہاں کے سربرآوردہ اشخاص میں ہیں عالم و فاضل و کثیر المطالعہ شخص ہیں۔ (شجرہ نشان ۳۱)۔

سید محمد میر عدل اور ان کی اولاد پسری و دختری کا تذکرہ اجمالاً یہاں تک ہوا۔ اب یہاں سے سید صاحب موصوف کے برادر عالی قدر میر سید مبارک کی اولاد و امجاد کے حالات اجمالاً بیان کئے جاتے ہیں۔

تذکرہ خاندان سید مبارک بن سید منتجب

سید مبارک بن سید منتجب ثانی (بن سید بڑے بن سید چاند بن سید منتجب بن سید راجی بن سید عبد العزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفرح (ابو الفضل) واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن سید جعفر ثانی بن امام علی نقی) عہد اکبری میں چہار صد پنجاہی ذات کے منصب پر سرفراز تھے جو عہد مغلیہ کے دور آخر کے مناصب کے چار ہزاری بلکہ اس سے بھی زیادہ منصب کے مساوی سمجھنا چاہیے آپ کے فرزند نامور سید عبد الواحد صاحب بھی حسب صراحت آئین اکبری دو صدی ذات کے منصب پر عہد اکبری میں جو سلطنت مغلیہ کا عہد طلائی تھا سرفراز تھے آپ کے دوسرے فرزندان سید عبد الہادی یک صد و پنجاہ و سید عبد الجلیل صد و بستی

وسید عبدالغفار وسید عبدالحفیظ وسید عبدالرشید یک صدی پر اور سید عبدالمجید چہار بستی منصب پر عہد اکبری میں سرفراز رہے۔ الغرض امارت وریاست اس خاندان والا شان میں نہایت قدیم ہے۔ سید عبدالواحد صاحب مذکور بن سید مبارک نے اس مقام پر جسے اب محلہ گذری کہتے ہیں عالی شان محلسرائے اور دیگر عمارتیں تعمیر کرائیں آپ کے دو فرزند ہوے۔ جن کے نام عبدالوارث وعبدالباقی ہیں۔ اول الذکر بزمانہ شہنشاہ جہانگیر ہزاری ذات وہزار سوار کے منصب پر سرفراز تھے۔ ایک دختر آپ سے باقی رہیں جو آپ کے بھتیجے سید محمد مختار بن سید عبدالغفار کے نکاح میں آئیں۔ دوسرے فرزند سید عبدالباقی کی نسل امروہہ میں باقی نہ رہی سید محمد مختار مذکور بن سید عبدالغفار بن سید مبارک کے چہار فرزندان نامدار غضنفر علی وجعفر علی وبہارالدین ولطف علی ہوے ان میں سے سید بہارالدین منقرض النسل ہیں سید لطف علی لاولد ہوے۔ سید جعفر علی صاحب کی اولاد محلہ راجہ سرائے میں ہے۔ سید غضنفر علی صاحب کی اولاد امجاد سے محلہ گذری آباد ہے۔ اور باعتبار کثرت تعداد واقتدار سید مبارک صاحب مذکور کی اولاد میں یہ شاخ زیادہ نمایاں ہے۔ سید غضنفر علی مذکور (بن سید محمد مختار بن سید عبدالغفار بن سید مبارک) کے چار فرزندان نامور ہوے۔ جن کے نام سید فیض محی الدین وسید ہزبر علی وسید وارث علی وسید حارث علی ہیں۔ سید حارث علی کی نسل پسری نہیں ہے۔ ما بقی تین فرزندان والاشان کی اولاد کا تذکرہ سطور ما بعد میں کیا جاتا ہے۔ (شجرہ نشان ۱۶ و ما بعد)۔

سید محمد مختار بن سید عبدالغفار بن سید مبارک عہد شاہ جہانی میں امیر کبیر وذی ثروت تھے۔ دو صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ ان کے فرزند سید

سید غضنفر علی بھی عہد شاہ جہانی میں دو صدی ذات کے منصب پر فائز رہے ان کے ایک فرزند سید فیض محی الدین کو صاحبان شجرہ نے چہار صدی منصب پر فائز لکھا ہے جو غالباً عہد عالمگیری سے متعلق ہے۔ اسی طرح سید فیض محی الدین کے فرزند سید عبدالماجد کے متعلق چہار صدی ذات کا منصب تحریر ہے۔ سید عبدالماجد مذکور کے دو فرزند سید عبداللہ و سید عطا نظام الدین ہوئے۔ اول الذکر صد و پنجاہی ذات کے منصب سے سرفراز تھے۔ سید عطا نظام الدین منصبدار داخل چوکی ہوئے۔ مگر تعداد منصب معلوم نہو سکی (شجرہ نشان ۱۷)۔

سید غضنفر علی صاحب مذکور (بن سید محمد مختار بن سید عبدالغفار بن سید مبارک) کے دوسرے فرزند سید وارث علی بھی منصبدار تھے چہار صدی ذات ۳۰ سوار کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ سید وارث علی مذکور کی اولاد امجاد میں ان کے فرزند سید عبدالواحد عہد محمد شاہی میں ہزاری ذات دو سو سوار کے منصب پر فائز تھے۔ ان کے فرزند سید وزیر علی بھی عہد مذکور میں ایک صدی ذات کے منصب پر فائز ہوئے۔ ان کے فرزند سید ذوالفقار علی عہد عالمگیر ثانی میں پانصدی ذات پچاس سوار کے منصب پر فائز ہوئے۔ سید عبدالواحد کے دوسرے فرزند سید نیر علی بھی عہد محمد شاہی میں یک صدی ذات کے منصب سے سرفراز تھے۔ سید عبدالواحد مذکور کے تیسرے فرزند سید منصور علی بھی اس زمانہ میں یک صدی ذات کے منصب پر فائز تھے۔ سید منصور علی کے فرزند سید مظفر علی عہد عالمگیر ثانی میں پانصدی ذات پچاس سوار کے منصبدار ہوئے۔ یہ لاولد ہیں ان کے بھائی سید نصرت علی بھی عہد عالمگیر ثانی میں پانصدی ذات پچاس سوار کے منصبدار ہوئے۔ ان کے تیسرے بھائی سید محب علی

صاحب کا منصب بھی یہی تھا۔ سید محب علی صاحب مذکور کے فرزند سید عزیز علی ہوئے۔ ان کے فرزند حاجی سید اصغر حسین مصنف تاریخ اصغری ہیں۔ جو اپنے وقت میں عالم فاضل اور دیگر صفات سے متصف تھے۔ ان کے فرزند حاجی سید آل محمدؐ ذی علم و نیک خصلت ہوئے (شجرہ نشان ۱۶) سید وزیر علی مذکور بن سید عبد الواحد بن سید وارث علی بن سید غضنفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک) کے ایک فرزند نامی سید صفدر علی ہوئے جن کے ایک فرزند سید حیدر علی تھے۔ سید حیدر علی مذکور کے فرزند سید ولی حسین ہوئے جو شاعر اور بے مثل خطاط تھے۔ ولیؔ تخلص تھا۔ ان کے لائق فرزند سید مومن حسین صفیؔ بھی شاعر نازک خیال تھے۔ دور دور تک ان کی شاعری مشہور ہے۔ خطاط بھی تھے۔ ان کے دو فرزند سید زیرک حسین و لائق حسین قویؔ ہوئے۔ یہ دونوں لائق بھائی بھی فن خوش نویسی و شاعری میں استاد تھے۔ اول الذکر ڈاکٹری میں بھی پاس تھے۔ اور عالم و فاضل تھے۔ سید مومن حسین صفیؔ مذکور کے دوسرے بھائی سید محسن حسین سخیؔ بھی فن خوشنویسی کے اوستاد اور شاعر تھے۔ ان کے لائق فرزند سید عین الحسن جری بھی اپنے والد کے قدم بقدم ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۶)

سید غضنفر علی مذکور (بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک) کے فرزند چہارم سید ہزبر علی کی اولاد تعداد میں کثیر باعتبار مناصب و مراتب زیادہ نمایاں ہے۔ سید ہزبر علی صاحب مذکور کے چار فرزند نامدار ہوئے۔ جن کے نام سید مراد علی و سید علی مرتضیٰ خان و سید شجاعت علی و سید مصطفیٰ علی ہیں۔ سید مراد علی صاحب کی نسل پسری آگے چل کر قطع ہو گئی۔ ما بقی تین فرزندان عالی قدر کی نسل سے محلہ گذری آباد ہے۔ سید ہزبر علی مذکور خود بھی منصبدار ذی اقتدار تھے مگر مقدار منصب معلوم نہ ہو سکی

اسی طرح آپ کے فرزند سید مراد علی مذکور کی مقدار منصب کا علم بھی نہ ہو سکا۔ سید علی مرتضیٰ خان بن سید ہزبر علی مذکور عہد محمد شاہی میں ہزاری ذات دو سو سوار کے منصب اور خطاب خانی سے سرفراز ہوئے۔ امارت و ریاست ان کی اولاد میں متوارث رہی۔ اور یکے بعد دیگرے امرائے نامدار ذی وقار ان کی نسل میں ہوتے رہے۔ یہ خاندان گھڑیال والوں کا مشہور ہے (شجرہ نشان ۱۸) سید علی مرتضیٰ خاں مذکور کے فرزند عالی وقار سید علی اعظم خاں عہد شاہ عالم بادشاہ میں سہ ہزاری ذات کے منصب اور خطاب بہادر سے سرفراز ہوئے۔ ان کی امارت و ریاست آج تک امروہہ میں یادگار ہے۔ آپ نے اپنی محلسرائے علیحدہ تعمیر کرائی جس کے آثار ابھی تک باقی ہیں اور اس میں آپ کی اولاد کی ابھی تک اقامت چلی جاتی ہے محلسرائے کے بلند کمان دروازہ کا مادہ تاریخ (در اعظم) ہے جس سے ۱۲۱۵ھ برآمد ہوتے ہیں۔ پندرہ گاؤں بطور التمغا آپ کو جاگیر میں ملے تاریخ وفات آپ کی (درد اعظم) ہے آپ کے دو فرزندان عالی قدر ہوئے۔ جن کے نام سید بنیاد علی خان و امان علی خان ہیں۔ ان دونوں کو بھی جاگیریں انعام میں ملیں۔ اول الذکر صوفی مشرب اور باوجود امارت کے درویش سیرت تھے لاولد فوت ہوئے۔ سید امان علی خان اپنی ریاست و وقار کے لیے اب تک مشہور ہیں۔ شاعر بھی تھے۔ عزیز آنجناب کا تخلص تھا۔ پانصدی ذات کے منصب اور خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ مادہ تاریخ آپ کی وفات کا (درد دل اعظم ہے) آپکے دو فرزندان نامدار یادگار رہے۔ جن کے نام سید علی احسن خان و سید علی مظفر خان ہیں۔ اول الذکر بھی اپنی ریاست و امارت کے لیے مشہور ہیں۔ احسن تخلص تھا خود بھی صاحب کمال تھے۔ اور اہل کمال کے قدردان تھے۔ مادہ تاریخ آپ کی وفات کا (رنج اعظم) ہے۔

ہے ان کے چھوٹے بھائی حاجی سید علی مظفر خاں بھی اپنے نامور اسلاف کے قدم بقدم رہے۔ اور طریقہ ریاست و دربار داری باقی رہا۔ ان کے فرزند سید علی منتظم خاں ہوئے جن کا تخلص منتظم تھا۔ یہ بھی اکابر وقت میں سے تھے ان کے تین فرزند ہوئے۔ جن کے نام سید علی نقی خان و علی مجتبیٰ خاں و سید علی مہتدیٰ خاں ہیں۔ سید علی نقی خاں کے فرزند علی اختر خان و علی محتشم خان ہیں۔ حافظ سید علی مجتبیٰ خاں کے۔ دو فرزندان حافظ علی متقی خان و علی اجتبیٰ خاں ہیں۔ اول الذکر قومی کاموں میں اکثر دلچسپی لیتے ہیں۔ علی اجتبیٰ خاں صاحب بسلسلہ ملازمت اودہ میں مقیم ہیں۔ سید علی مہتدی خاں مذکور کے فرزندان علی مقتدا خان و علی عطا خاں و علی مرتضیٰ خاں و علی صابر خاں و علی صفدر خاں ہیں۔ ان میں سے سید علی مقتدا خاں صاحب منتظم اور معاملہ دان شخص ہیں۔ ان کے بھائی سید علی مرتضیٰ خاں صاحب نیک سیرت اور قومی ہمدردی کا جذبہ رکھنے والے ہیں۔ یہ خاندان سادات امروہہ میں دور آخر میں بلحاظ امارت و ثروت کے ممتاز رہا۔ سید بنیاد علی خاں مذکور بن سید علی اعظم خاں نے اپنے بڑی جاگیر بذریعہ وقف نامہ مورخہ ۲ ہر ذیقعدہ ۱۲۶۱ھ وقف کی اور اپنے دو برادرزادگان علی احسن خان و علی مظفر خاں کو نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن متولی اور منتظم بنایا۔ اب سنا گیا ہے کہ عدالت العالیہ سے یہ وقف وقف علی الاولاد قرار پایا ہے۔ اور اسی پر عمل درآمد ہے۔ (شجرہ نشان ۱۸)۔

سید ہژبر علی (بن سید غضنفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک مذکور کے تیسرے فرزند سید شجاعت علی مذکور عہد محمد شاہی میں پانصدی ذات و یک صد سوار کے منصب پر فائز ہوئے۔ اپنے وقت کے اکابر میں سے تھے۔ اور سرکار سنبھل کے

سررشتہ موازنہ کی تصحیح کی خدمت بھی آپ سے متعلق تھی۔ ان کے چار فرزند سید ہدایت
علی و منور علی و فضل علی و فیروز علی ہوئے (شجرہ نشان ۱۹)۔ آخر الذکر منقرض ہیں۔
سید منور علی بن شجاعت علی مذکور عہد محمد شاہی میں پانصدی ذات کے منصبدار اور
امیر وقت تھے۔ ان کے بھائی سید فضل علی صاحب بھی اسی منصب پر فائز ہوئے تیسرے
بھائی فیروز علی بھی منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب کا علم نہیں ہے۔ ان کے بھائی ہدایت
علی بھی منصبدار داخل چوکی تھے۔ مگر مقدار منصب کا علم نہیں ہے سید شجاعت علی
صاحب بن سید ہزبر علی مذکور کی اولاد کثیر تعداد میں ہے۔ دور آخر میں ڈاکٹر سید
رضی الحسن صاحب (بن سید اولاد علی بن سید حیدر بخش بن سید علی بخش بن سید ہدایت
علی بن سید شجاعت مذکور) اپنے وقت میں طبابت میں خاص شہرت رکھتے تھے سید
عرفان احمد ان کے فرزند موجود ہیں۔ حکیم سید جواد حسین (بن سید نذر حسین بن سید
ضمیر علی بن سید بو علی بن سید منور علی بن سید شجاعت علی بن سید ہزبر علی مذکور)
بھی اپنے فن میں نہایت ہوشیار اور مشہور ہوئے ہیں۔ ان کے بھائی سید علی موسیٰ رضا بھی
خردمند و ممتاز ہوئے۔ سید نذر الحسن المتخلص بہ تپش (بن سید ناصر علی بن سید عنایت
علی بن سید فضل علی عرف کھو بن سید شجاعت بن سید ہزبر علی مذکور) شعر گوئی میں
خاص مہارت رکھتے تھے۔ ان کے فرزند سید نجم حسن صاحب نے جو ماسٹر سید نجم حسن
مشہور ہیں تعلیم انگریزی کے دور اول میں خاص شہرت انگریزی تعلیم دینے میں حاصل
کی۔ امروہہ کے اکثر انگریزی دان اصحاب آپ کے افادات تعلیمی کے ممنون ہیں۔
(شجرہ نشان ۲۰) حاجی سید محمد حسنین (بن سید انور علی بن سید رحیم اللہ بن سید
شجاعت علی بن سید ہزبر علی مذکور) صوفی مشرب اور شاعر تھے۔ ان کے فرزند

سید اعزاز حسین صاحب بھی فقیر دوست اور درویش پسندی میں مشہور ہوے۔ ان کے فرزند سید معظم حسین صاحب نہایت پختہ عقیدہ کے ہیں اور رد بدعات میں سرگرم رہتے ہیں۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع مسجد پانہاڑی کے منتظم بھی رہے۔ نیک خصلت اور خالص مذہبی جوش رکھنے والے ہیں شہر کے اکثر مذہبی معاملات میں آپکا نام سب سے اول لیا جاتا ہے (شجرہ نشان ۱۹)۔

سید ہزبر علی بن سید غضنفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار سید مبارک مذکور کے چوتھے فرزند سید مصطفےٰ علی صاحب ہیں جو پانصدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ آپ کے چھ فرزندان نامدار ہوے جن کے نام سید سلطان علی و سید غلام قطب الدین و سید غلام زین العابدین و سید غلام نظام الدین و سید عطامحی الدین و سید غلام اسد اللہ خان (عرف میر کلو) ہیں اول الذکر سید سلطان علی عرف گمانی و سید غلام نظام الدین مذکور کے اولاد پسری باقی نہیں ہے۔ سید غلام زین العابدین کی نسل بھی دو پشتوں کے بعد باقی نہ رہی۔ سید غلام قطب الدین کی اولاد پسری بھی اب باقی نہیں مابقی دو فرزندان نامدار سید غلام اسد اللہ خان عرف میر کلو و سید عطامحی الدین کی اولاد امجاد موجود ہیں۔ سید عطامحی الدین صاحب کے دو پسر سید احدی و سید محمدی ہوے (شجرہ نشان ۲۱)۔ سید احدی صاحب کے فرزند سید ہزبر علی ہوے۔ سید ہزبر علی مذکور کے تین پسر قربان علی و انتظام علی و مہربان علی ہوے۔ انتظام علی مذکور کے فرزند خادم علی ہوے۔ جن کے دو فرزند سید کرار حسین و جرار حسن ہوے۔ سید کرار حسن صاحب مذکور عالم وزاہد و درویش نماز تھے۔ آپ کے چار پسران سید حاجی حسن و حامد حسن ہوے۔ اول الذکر ضلع بیڑ مملکت آصفیہ میں وکیل ہیں۔ ثانی الذکر حامد حسن صاحب

ضلع نظام آباد میں نظام ساگر پر محکمہ تعمیرات میں عہدہ دار ہیں سید مصطفیٰ علی صاحب ابن سید منور علی بن سید غضنفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبدالغفار بن سید مبارک مذکور کے فرزند سید غلام اسد اللہ خاں عرف میر کلو کا نام نامی و اسم گرامی امروہہ کی تاریخ میں خاص طور پر یادگار ہے۔ اور ہمیشہ یادگار رہے گا۔ میر سید اسد اللہ صاحب مذکور نواب دوندے خاں صاحب کے رفیق اعلیٰ اور مشیر با تدبیر تھے ۱۱۷۴ھ میں پانی پت کا مشہور اور آخری معرکہ پیش آیا جو تاریخ ہند میں کئی حیثیت سے نہایت اہم اور مشہور ترین واقعہ ہے۔ جس میں فیصلہ کن جنگ ہو کر ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہوا۔ تمام ہندوؤں کی مشترکہ قوت مسلمانوں کی پریشان شدہ اور بظاہر کسی قدر مجمع قوت سے ٹکرائی احمد شاہ درانی کی قیادت میں نواب شجاع الدولہ وحافظ الملک حافظ رحمت خاں صاحب و نواب دوندے خاں و احمد خاں بنگش والی فرخ آباد وغیرہ سے مسلمانوں کا لشکر مرتب ہوا تھا ان کے مقابل تمام راجے مہاراجے۔ اور ہندوستان بھر کے ہندو نبرد آزماؤں کا کئی لاکھ کا لشکر تھا جو اس زمانے کے اعتبار سے بہترین فوجی تربیت پائے ہوئے اور بہترین ساز و سامان سے آراستہ ہو کر اس عزم بالجزم سے عازم شمال ہوا تھا کہ نہ صرف سرزمین ہند سے مسلمانوں کو خارج کیا جائے۔ بلکہ استنبول اور حرمین شریفین پر ہندو جھنڈا اڑایا جائے۔ ۶ جمادی الثانی ۱۱۷۴ھ کو یہ مشہور عالم معرکہ درپیش ہوا۔ عقلائے روزگار حیران ہیں کہ لشکر اسلامی کو باوجود قلت تعداد و اختلاف باہمی اور باوجود بہتر ساز و سامان مہیا نہ ہونے کے کس طرح فتح نصیب ہوئی۔ خوش عقیدہ مسلمانوں سے اب تک بھی ہم نے یہ سنا ہے کہ ملائکہ مقربین نے اس جنگ میں مسلمانوں کی امداد کی تھی۔ ابتداء جنگ میں مسلمانوں کے لشکر میں انتشار و

انہزام کی شکل پیدا ہوئی مگر بالآخر بالفاظ صاحب تاریخ اودھ (یک لخت ایسا اتفاق ہوا
کہ گویا کسی سحر وطلسم کے زور سے سارے مرہٹے قریب دو بجے دن کے بھاگ نکلے اور
لڑائی کے کھیت کو کشتوں کے پشتوں سے معمور چھوڑ گئے۔ فیروز مندوں نے بڑے جوش
وخروش سے بھگوڑوں کا پیچھا کیا اور کسی کو پناہ نہ دی۔ اسی باعث ایسا بھاری قتل
پڑا کہ حد قیاس سے باہر ہے۔ چنانچہ ہر جانب کو پندرہ پندرہ بیس بیس میل تک تعاقب
کیا گیا جدھر نظر کرتے تھے ہندوؤں کی لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ اور جو مرہٹے فاتحوں
کے مارے بچے رہے وہ دیہاتیوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ .... مرہٹوں کو
ایسی بھاری شکست کبھی نہیں ملی تھی۔ جس سے بڑی افسردگی وپژمردگی ان میں پھیلی
اور سارے مرہٹوں پر مایوسی اور غمگینی چھا گئی۔ بائیس ہزار مرہٹے عورت ومرد غلام
وباندی بنائے گئے پچاس ہزار گھوڑے اور دو لاکھ بیل اور بیس ہزار اونٹ اور
پانسو ہاتھی علاوہ توپ خانہ ونقد وجنس کے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ مرات احمدی میں
لکھا ہے کہ قریب سات سو ہاتھی اور پچیس ہزار گھوڑے اور اسی طرح بہت سے اونٹ
اور دوسرا سامان واسباب شجاع الدولہ ونجیب الدولہ والی نجیب آباد کی سرکار میں
داخل ہوا جو کئی کرور روپیہ کا مال تھا۔ تاریخ اودھ مصنفہ نجم الغنی خانصاحب) مرہٹہ لشکر کی تعداد میں
مورخین کے بیانات میں اختلاف ہے۔ لیکن اس سے بدرجۂ یقین یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ
تعداد لشکر تین اور پانچ لاکھ کے درمیان تھی۔ ادھر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد جس میں
غیر تربیت یافتہ افراد کی کثرت تھی۔ ایک لاکھ کے قریب ہی قریب تھی۔ ایک ہندی شعر
میں اس جنگ عظیم کی تاریخ اس طرح بیان کی گئی ہے۔ سن گیارہ سو چوہتر (۱۱۷۴ھ) میں اک بودہ ہوا
بھوجیا را۔ چھٹی جمادی الثانی کو شہ جنتیا بھاؤ ہارا۔ ہمارا مقصد یہاں اس جنگ کی

تفصیلات بیان کرنا نہیں ہے۔ تاریخی دلچسپی کے خیال سے تعارفاً اس قدر بایں غرض لکھا گیا کہ اس قومی جنگ میں سادات امروہہ کے فرزند عزیز و جلیل میر اسد اللہ خاں عرف میر کلو بنفس نفیس صف قتال میں شریک اور بہادرانہ داد شجاعت دے کر مجروح اور دین و دنیا میں سرخرو اور غازیان دین دار و مجاہدان تہور شعار کی جماعت میں داخل ہوئے۔ آج تک آپ کی اولاد امجاد اور تمام خاندان سادات کے لیے آپ کا یہ کارنامہ باعث صد فخر و افتخار ہے۔ نواب دوندے خاں کے آپ معتمد خاص و مستشار مؤتمن بلکہ ان کی سرکار میں سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ خداوند عالم نے دولت و ثروت بھی بہت دی تھی۔ اہل علم و صاحب دل بھی تھے۔ ایک مسجد آپ کی تعمیر کردہ ابھی تک موجود ہے۔ اور اس میں پتھر پر یہ کتبہ کندہ ہے (بانی این مسجد میر اسد اللہ راجی الی اللہ بحکم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اللھم عزلہ ولمن دخل وعبد فی ھذا المسجد بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یکہزار و یک صد و ہفتاد و دو سنہ بنا ہجری) موضع جہرن در وبست اس مسجد اور اس کے متعلقہ اخراجات کے لیے آپ نے وقف فرمایا۔ مدرسہ بھی اس مسجد میں ابھی تک موجود ہے۔ جس میں علم دین کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت شاہ اعظم بھیراوی کے مرید و معتقد تھے اور باوجود امارت و ریاست درویش سیرت اور صاحب دل تھے۔ صاحب نخبتہ التواریخ لکھتے ہیں:۔

ودر آخر نقشبندیہ بعضے از حضرت شاہ اعظم بھیراوی استفاضۂ باطن نمودند چنانچہ میر اسد اللہ عرف میر کلو از ایشان بیعت ارادت آوردہ نسبت درست کردہ مغتنم وقت بود) اپنی جاگیر میں سے دو گاؤں رام پور و ابراہیم پور حضرت شاہ اعظم صاحب کے بیٹوں کے حق میں دوامًا واگذاشت کیے۔ صاحب خلاصۃ الانساب تحریر فرماتے ہیں:

مصارف مدرسہ و مسجد میر صاحب کہ مصارف موصوف میں واسطے علماء و حفاظ
مسافرین و مستحقان کے آمدنی موضع کثیر الرقبہ و منفعت موضع جہرن کی دوام
وقف ہے۔ خدا کے فضل سے ابتک جاری ہے۔ اور دراصل اس کے کئی گاؤں
میر صاحب (میر کلو) نے اور خان صاحب (علی اعظم خان بن سید علی مرتضیٰ خان) نے
مدد خرچ شاہ اعظم صاحب پھہراؤن والے میں بطور نذر و نیاز کے دے رکھے ہیں۔

الغرض جناب میر اسد اللہ خان عرف میر کلو سادات امروہہ میں ایک نامی گرامی
ہستی ہوئے ہیں۔ عہد عزیز الدین عالمگیر ثانی میں منصب پنجہزار سوار و پنجہزار ذات سرفراز
ہوئے سلطنت مغلیہ کے دور آخر میں اس منصب عظیم پر سادات امروہہ میں سے کوئی
دوسرا شخص فائز نہیں ہوا۔ آج تک آپ کا نام نامی سادات امروہہ کے لیے باعث
فخر چلا جاتا ہے۔ آپ کے آٹھ فرزندان نامدار ہوئے جن کے نام بدر الدین علیخاں وظہور
علی و عبد الہادی و سعادت اللہ و عنایت حسین و فتح علی و نعیم اللہ و مہدی علی ہیں۔
(شجرہ نشان ۲۲ و ۲۳) ان میں سے دو آخر الذکر کی نسل پسری باقی نہیں ہے۔ اول الذکر
یعنی بدر الدین علی خان عرف میر بباون پانصدی ذات پچاس سوار کے منصب پر فائز
تھے۔ نواب دوندے خاں بہادر کی سرکار میں ان کی بہت عزت تھی اور خاص امروہہ
میں بھی بے حد معزز تھے۔ بباون گنج آپ ہی کے نام نامی سے منسوب ہے۔ میر کلو صاحب
موصوف کے فرزندان سید نعیم اللہ و سید ظہور علی بھی بعہد شاہ عالم گہر ہر ایک پانصد ذات
و یکصد سوار کے منصب پر فائز تھے۔

سید بدر الدین علی خان عرف بباون (بن سید اسد اللہ عرف میر کلو) مذکور کے
دو فرزند علی محمد خاں و فضل اللہ ہوئے علی محمد خان صاحب موصوف نے ایک مسجد (دربار اعظم)

کے سامنے تعمیر کرائی جو ابھی تک اُن کی یاد تازہ کر رہی ہے۔ ان کی نسل پسری باقی نہ رہی
دوسرے فرزند سید فضل اللہ مذکور کے پسر محمد حسین ہوئے جن کے دو پسر سید ظہور اللہ و سید
اسد اللہ ہوئے۔ سید ظہور اللہ صاحب کے فرزند سید مظاہر حسین اور سید اسد اللہ کے
فرزند سید مجتبیٰ حسین ہوئے۔ سید مظاہر حسین صاحب کے فرزند سید حبیب اور سید مجتبیٰ
حسین کے فرزندان اجتبیٰ حسین وارتضیٰ حسن ہوئے۔

سید ظہور علی (بن سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو مذکور) کے فرزند سید نذر علی
ہوئے۔ ان کے فرزند سید محمد علی اور ان کے فرزند مولوی سید علی حسن صاحب ہوئے
سید علی حسن صاحب مذکور کے دو پسران نامدار مولوی سید مصطفیٰ حسن و مولنا السید اعجاز
حسن صاحب ہوئے (شجرہ نشان ۲۲) یہ دونوں برادران عالی قدر بھی اپنے خاندان
میں ماہتاب وافتاب ہوئے۔ اول الذکر مولوی حکیم سید مصطفیٰ حسن صاحب طبیب حاذق
وعالم وفاضل وحاجی اور اپنے وقت میں نامی گرامی افراد سادات میں سے تھے۔
ان کے لائق فرزند حکیم سید معصوم حسن صاحب بہمہ جہت اپنے لائق باپ کے لائق فرزند
اور سادات امروہہ کے منتخب افراد اور روساء عصر میں سے ہیں۔ سید علی حسن صاحب
مذکور کے دوسرے فرزند مولنا سید اعجاز حسن صاحب کی ذات گرامی سادات امروہہ
اور خصوصاً شیعہ سادات کے لیے باعث فخر ہے۔ اپنے وقت کے بے مثل عالم اور صاحب
تصانیف کثیرہ ہیں۔ جناب شریعت مدار مفتی محمد عباس صاحب اعلی اللہ مقامہ مجتہد لکھنو
کے شاگرد رشید اور حج و زیارات سے مشرف تھے۔ گورنمنٹ کے درباری بھی تھے۔
اور آنریری مجسٹریٹ بھی رہے۔ اپنے زمانہ میں شیعہ سادات امروہہ کی قیادت وامامت
کے منصب پر فائز رہے۔ نہایت باوضع خلیق اور علم دوست شخص تھے۔ امارت اور علم

دونوں آپ کی ذات والاصفات میں جمع تھے۔ سنہ ۱۳۴۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا آپکے
خلف اکبر سید ممتاز حسن صاحب نے تاریخ وفات کہی۔

از غم مولوی اعجاز حسن   پیر یارب شدہ ممتاز حسن

سید ممتاز حسن صاحب مذکور آپ کے خلف اکبر لائق فائق اور عہدہ تحصیلداری
پر فائز رہے۔ دوسرے فرزند سید امتیاز حسن صاحب نے طبابت میں ڈپلومہ انگلستان
سے حاصل کیا اور اب ریاست رامپور میں عہدہ دار ہیں۔ جناب مولانا السید اعجاز حسن
صاحب مذکور کے دیگر فرزندان سید محمد سبطین و سید احمد حسنین و سید نسیم حسن ہوئے سید
محمد رضا (بن سید ممتاز حسن بن سید اعجاز حسن صاحب مذکور) مسلم یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں
سید اسد اللہ خاں عرف میر کلو کے ایک فرزند سید عبدالہادی ہوئے۔ جن کے
چار فرزندان نامدار مردان علی و نیاز علی و فرحت علی و سرفراز علی ہوئے ان میں سے
سید نیاز علی کے فرزند محسن علی ہوئے۔ ان کی نسل پسری آگے کو نہ چلی۔ باقی تین کی
نسل پسری موجود ہے۔ سید فرحت علی مذکور (بن سید عبدالہادی بن سید اسد اللہ
خاں عرف میر کلو) کے دو فرزند سید مظہر حسن و سید ابراہیم علی ہوئے۔ اور ان دونوں
برادران نے وکالت میں نام پیدا کیا۔ سید مظہر حسن مذکور کے تین فرزند ڈاکٹر اظہر حسن
و اطہر حسین و اصغر حسن ہوئے۔ سید ابراہیم علی مذکور کے پانچ فرزند مسیح الحسن و شبیہ الحسن
و وجیہ الحسن و ملیح الحسن و محمد احمد ہوئے (شجرہ نشان ۲۲) مسیح الحسن صاحب وکیل ہیں۔
شبیہ الحسن صاحب کے فرزند افسر حسین مراد آباد میں مختار عدالت ہیں۔ ملیح الحسن صاحب
نواب سالار جنگ بہادر (حیدرآباد دکن) کی اسٹیٹ میں عہدہ دار تعمیرات ہیں۔ سید
عبدالہادی (بن سید اسد اللہ عرف میر کلو) کے ایک فرزند سید سرفراز علی ہوئے

جن کے دو فرزند سید محمد جواد و سید کاظم علی ہوئے اول الذکر کی نسل نہیں چلی۔ کاظم علی کے تین فرزندان اصطفیٰ حسن و ارتضیٰ حسن ہوئے اصطفیٰ حسن صاحب مذکور نے طبابت میں خاص شہرت حاصل کی۔ ان کے فرزند سید معجز حسن بی اے ایل ایل بی وکیل ہیں۔ سید مردان علی (بن سید عبدالہادی بن سید اسداللہ خان عرف میر کلو) کے فرزند سید مہدی حسن ہوئے جن کے فرزند سید ابن حسن عالم و فاضل و طبیب حاذق ہوئے۔

سید اسداللہ خان عرف میر کلو کے ایک فرزند سید فتح علی ہیں۔ جن کے دو فرزند عظیم علی و نجیب علی ہوئے ثانی الذکر لاولد ہیں۔ اول الذکر عظیم علی کے چار فرزند احسن علی و جعفر علی و غلام مرتضیٰ علی و غضنفر حسین ہوئے ان میں سے اول الذکر لاولد ہیں۔ باقی کی تین کی نسل پسری موجود ہے۔ جعفر علی صاحب مذکور کے تین پسر ابوالقاسم و محمد زکریا و ابرار حسین ہوئے ان میں سے سید ابوالقاسم کے فرزند سید مظاہر الحسن مختار عدالت مراد آباد ہیں اور علمی مذاق رکھتے ہیں۔ ان کے بھائی سید تہور حسین ڈاکٹر ہیں ان کے فرزند تصویر حسن۔ ایم اے اور مصور حسین فاضل عربی اور تصور حسین زراعت میں انگلستان کے ڈپلوما یافتہ ہیں۔ سید عظیم علی مذکور بھی اپنے وقت میں مشہور و نامدار تھے۔ موجودہ چھتہ کی عمارت انہیں کی تعمیر کردہ ہے۔ (شجرہ نشان ۲۳)۔

میر اسداللہ خان عرف میر کلو کے ایک فرزند میر عنایت حسین کی اولاد میں سید شریعت حسن بن سید رحیم علی بن سید معصوم علی بن سید عنایت حسین مذکور اور سید ارتضیٰ حسن بن مرتضیٰ حسن بن احمد حسن بن معصوم علی بن عنایت حسین مذکور کی اولاد پسری موجود ہے۔

سید اسداللہ عرف میر کلو کے ایک فرزند سید سعادت اللہ بھی اپنے وقت کے

مشاہیر میں سے تھے۔ ان کے فرزند سید نجابت اللہ اور ان کے فرزند سید سیادت اللہ وقف متعلقہ میر اسد اللہ خان کے متولی بھی اصحاب ہوئے اور اب سید سبط رسول بن سید سیادت اللہ مذکور اس کے متولی ہیں۔ ان کے ایک بھائی سید نہال احمد محکمہ زراعت میں ملازم ہیں۔ (شجرہ نشان ۲۳)۔

سید جعفر علی بن سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک بن سید منتجب کی اولاد کی تعداد قلیل ہے اور ان کی سکونت محلہ راجہ سرائے متصل کنگوری میں ہے۔ سید فرحت بن سید یادگار علی بن سید بہار علی بن سید امید علی بن سید عنایت علی بن سید کاظم علی بن سید جعفر علی مذکور کی اولاد میں سے چند افراد باقی ہیں۔ (شجرہ نشان ۱۶)۔

سید مبارک بن سید منتجب کی اولاد امجاد میں سے یہاں تک سید محمد مختار بن سید عبد الغفار بن سید مبارک مذکور کی اولاد کا ذکر ہوا۔ یہاں سید عبد الجلیل بن سید مبارک بن سید منتجب کی اولاد امجاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد محلہ شفاعت پوتہ میں آباد ہے۔ سید عبد الجلیل صاحب عہد اکبری میں صد وبستی ذات کے منصب پر سرفراز تھے آپ کے فرزند ارجمند سید عبد الجبار ہوئے۔ ان کے تین فرزند سید اچھے و سید عبد اللطیف و سید عبد الوالی خان ہوئے۔ اول الذکر دو کی اولاد پسری موجود نہیں ہے آخر الذکر عبد الوالی خاں کے دو فرزند سید محمد شفاعت و سید غلام محی الدین ہوئے۔ ثانی الذکر کی اولاد پسری موجود نہیں۔ سید محمد شفاعت صاحب مذکور کی نسل آپ کے نام سے موسومہ محلہ شفاعت پوتہ مذکور میں آباد ہے۔ سید عبد الوالی خاں بن سید عبد الجبار مذکور چہار صدی ذات کے ویک صد سوار کے منصب پر

سرفراز ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید محمد شفاعت بھی اسی منصب پر بعہد عالمگیر اورنگ زیب سرفراز ہوئے۔ سید عبدالوالی خان صاحب مذکور خطاب خانی سے بھی سرفراز تھے۔ عہد شاہ جہانی میں آپ ہی نے محلہ شفاعت پوتہ اپنے فرزند عالی قدر سید محمد شفاعت کے نام پر آباد کیا۔ اور محلسرائے تعمیر کرائی۔ سید محمد شفاعت کے تین فرزندان نامدار ہوئے۔ جن کے نام سید عبدالہادی و سید عظمت اللہ و سید محمد نجابت ہیں۔ ان تینوں برادران سے نسل پسری باقی ہے۔ (شجرہ نشان ۲۴ و ۲۵)

سید محمد شفاعت (بن عبدالوالی خان بن عبدالجبار بن عبدالجلیل بن سید مبارک مذکور کے ایک فرزند عظمت اللہ کے فرزند سید کریم اللہ ہوئے۔ ان کے فرزند سید ببر علی ہوئے۔ ان کے تین فرزند سید علی اسد علی و سید ہزبر علی ہوئے۔ سید ہزبر علی صاحب سہوان میں مدت تک وکالت کرتے رہے ان کے فرزند سید آل احمد صاحب (جو امروہہ میں اب سید آل احمد سہوانی کے نام سے زیادہ مشہور ہو گئے ہیں) زمانہ دراز تک سہوان میں وکالت کرتے رہے۔ اب امروہہ میں وکالت کرتے اور اپنی ذاتی وجاہت سے امروہہ میں ممتاز ہیں نعیم تخلص ہے۔ ان کے فرزند سید عطا حسین صاحب گریجویٹ ہیں۔ (شجرہ نشان ۲۴)۔

سید محمد شفاعت صاحب مذکور کے دوسرے فرزند سید عبدالہادی صاحب ہوئے۔ ان کے چار فرزند ہوئے جن کے نام سید محمد اصالت و سید محمد سعادت و سید محمد صلابت و سید محمد شہامت ہیں۔ ان میں سے اول الذکر سید محمد اصالت عہد محمد شاہی میں ہفصدی ذات کے منصبدار تھے۔ ان کے بیٹے سید محمد امانت بھی دو صدی ذات کے منصبدار ہوئے اور ... میں ان کی جاگیر تھی سید محمد امانت مذکور کے فرزند سید محمد امین بھی عہد شاہ عالمی میں پانصدی ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے

سید ظفر علی (بن سید محمد سعادت بن سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت) عہد محمد شاہی میں منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب معلوم نہ ہو سکی۔ سید محمد اصالت بن سید عبدالہادی مذکور کے دو پسران سید محمد کرامت و سید محمد رعایت بھی منصبدار ہوئے مگر مقدار منصب معلوم نہ ہو سکی۔

سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت مذکور کے فرزند سید محمد شہامت بھی بعہد محمد شاہی منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب ان کی بھی معلوم نہ ہو سکی۔ سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت مذکور کے ایک فرزند سید محمد صلابت کو بعہد محمد شاہ عبدالوالی خاں خطاب ملا۔ جو ان کے جد امجد کا بھی نام تھا۔ دو صدی ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ اور چکلہ داری مراد آباد کی خدمت پر ان کا تقرر ہوا۔ ان کے فرزند سید علی قوام خاں بھی منصبداران ہائے جلو قدیم میں شامل تھے۔ مقدار منصب ان کی معلوم نہ ہو سکی۔ ان کے فرزند سید فرزند علی بھی منصبدار داخل چوکی تھے مگر مقدار منصب معلوم نہیں۔

سید حسین علی (بن سید محمد سعادت بن سید عبدالہادی بن سید محمد شفاعت مذکور) کے تینوں فرزند امیر علی و مظفر علی و رحمت علی بھی منصبدار تھے اول الذکر سہ صدی ذات اور ماتبقی دو صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ سید رحمت علی صاحب مذکور مشاہیر وقت سے تھے۔ سید امیر علی مذکور کے فرزند سید نیاز علی ہوئے۔ ان کے فرزند سید ابوالحسن امروہہ کے مشہور شاعر ہوئے فرقتی تخلص تھا۔ ان کے فرزند سید حسن مشہور وکیل ہوئے۔ ضیا تخلص تھا (شجرہ نشان ۲۴) ان کے فرزندان سید ابن حسن و زائر حسین و زہیر حسین و محمد حسن ہیں۔

سید محمد شفاعت صاحب (ابن سید عبد الوالی خان بن سید عبد الجبار بن سید عبد الجلیل بن سید مبارک) کے تیسرے فرزند سید محمد نجابت ہوئے. خاندان کی اس شاخ میں علم و فضل متوارث رہا. زمانہ دراز سے اس خاندان میں شیعہ سادات کے پیش نمازی وارشاد و ہدایت اور دینی قیادت کا سلسلہ جاری ہے. سید محمد نجابت صاحب خود بھی عالم و فاضل ہوئے. آپ کے لائق فرزند جناب مولوی سید محمد عبادت صاحب بھی عالم و فاضل و عابد و زاہد ہوئے. ان کے فرزند ارجمند مولانا السید محمد سیادت کا نام نامی آج تک اپنے علم و فضل و زہد و تقوی کے لیے مشہور چلا آتا ہے. نہایت قوی الحافظہ شخص تھے. آپ کے تبحر علمی و قوت حافظہ کے قصے آج تک مشہور ہیں. رجوّن سال کی عمر میں ۱۲۶۵ھ میں وفات پائی. آپ کے لائق و فائق فرزند جناب مولانا السید محمد عسکری صاحب آپ کے جانشین ہوئے. علم و فضل میں یکتائے روزگار شب و روز عبادت گذار تھے. طبیب حاذق بھی تھے ۱۲۸۹ھ میں آپ کی وفات واقع ہوئی. آپ کے فرزند جناب مولانا السید حسین صاحب بھی علم و فضل و زہد و تقوی میں اپنے مقدس و واجب الاحترام باپ کے قدم بقدم اور پیش نمازی وغیرہ میں جانشین رہے سید ابن الحسین صاحب آپ کے فرزند ہوئے (شجرہ نشان ۲۴).

جناب مولانا السید محمد سیادت صاحب (ابن مولوی سید محمد عبادت بن مولوی محمد نجابت بن سید محمد شفاعت) مذکور کے دوسرے فرزند ارجمند علامہ موتمن فخر زمن جناب مولانا السید محمد حسن طاب ثراہ ہوئے. آپ کا علم و فضل و زہد و تقوی یادگار زمانہ ہے طبیب حاذق و غایت درجہ حلیم الطبع بزرگ تھے. ۱۳۱۹ھ میں آپ کی وفات ہوئی. اس نیک اور لائق باپ کے نیک اور لائق فرزند جناب مولانا السید اولاد حسن صاحب

صاحب قبلہ ہوئے۔ اس دور شر و فتن میں آپ کا وجود مسعود در حقیقت سلف صالح کی جیتی جاگتی تصویر تھا۔ عالم و عامل و عابد و زاہد و ناظم و ناثر غرض جمیع صفات حسنہ سے آپ متصف تھے۔ آپ کی خوشنویسی پر اشرف المساجد کے در و دیوار گواہ ہیں۔ آیات قرآنی اس مسجد کی استرکاری پر آپ ہی کے قلم روشن رقم کی تحریر کردہ ہیں۔ تمام مسلمانان امروہہ حتیٰ کہ ہنود کو بھی آپ سے ایک خاص عقیدت تھی شعر خوب کہتے تھے تسلیم تخلص تھا۔ ستر سال کی عمر میں ۱۳۴۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ مولوی سید محمد عبادت صاحب آپ کے لائق فرزند آپ کی یادگار ہیں۔ (سلمہ اللہ تعالیٰ) (شجرہ نشان ۲۴)۔

مولوی سید احمد حسین صاحب (بن سید رحیم علی بن سید حسین علی بن سید محمد درایت بن سید محمد اصالت بن سید عبد الہادی بن سید محمد شفاعت بن سید عبد الوالی خان بن سید عبد الجبار بن سید عبد الجلیل بن سید مبارک) بھی عالم و فاضل اور مذہب شیعہ کے ممتاز مناظر تھے چند کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ سید ابو جعفر و سید محمد آپ کے دو لائق فرزند ہیں۔ سید محمد صاحب مذکور مجتہد مجاز صاحب تصنیف اور پیش نماز ہیں۔ (شجرہ نشان ۲۵)۔

سید مبارک بن سید منتجب کے فرزندان نامدار میں سے سید عبد المجید صاحب عرف سید مجا کا ذکر ابھی باقی ہے۔ سید عبد المجید عرف مجا مذکور عہد اکبری میں چہار ہزاری ذات کے منصب پر فائز تھے آپ کی اولاد نے محلہ مجا پوتہ آباد کیا۔ آپ کے چار فرزند ہوئے۔ جن کے نام سید محمد صادق و سید مجیب و سید عبد الرحیم و سید عبد العلیم ہیں۔ اول الذکر سید محمد صادق صاحب کے چار فرزند ہوئے جن کے نام ابو محمد و سید چھجو و سید عبد الرشید و

سیدراجو ہیں۔ ان میں سے اول الذکر ابو محمد صاحب منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب معلوم نہو سکی اور یہ لاولد بھی ہیں۔ آخر الذکر سید راجو کی اولاد محلہ چھیوڑہ میں آباد ہے سید چھجو مذکور و سید عبدالرشید مذکور کی اولاد موجود ہے۔ سید چھجو کی اولاد میں سید مہدی علی بن سید محمد علی و سید مہدی علی بن سید کرم علی و سید زوار حسین و علمدار حسین پسران سید علی حسین وغیرہ کے خاندان ہیں۔ سید عبدالرشید مذکور بن سید محمد صادق کے فرزند سید غلام بخشو ہوے ان کے دو فرزند غلام شرف الدین و نجم الدین ہوے۔ اول الذکر غلام شرف الدین کے تین فرزند الہی بخش و کریم بخش ہوے آخر الذکر لاولد ہیں۔ الہی بخش صاحب کی اولاد میں سید مجتبی حسن بن احمد رضا و سید ابن علی بن نثار علی وغیرہ کے خاندان ہیں۔ رحیم بخش صاحب مذکور (بن غلام شرف الدین) کے فرزند سید ولایت علی ہوے۔ جن کے پانچ فرزند حافظ سید مہربان علی و انتظار علی و فضل حسین و نذر حسین و تجمل حسین ہوے ان میں سے سید مہربان علی صاحب عالم و فاضل تھے۔ جامع مسجد امروہہ واقع محلہ پان باڑی کی امامت و خطابت تا حیات آپ ہی سے متعلق رہی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ مرید تھے۔ آپ کے برادر زادہ مولوی اجمل حسین صاحب (بن تجمل حسین بن سید ولایت علی مذکور) بھی ذی علم ہیں۔ ان کے ابن عم سید نذیر حسن صاحب بن سید نذر حسین بن سید ولایت علی مذکور بھی ذی استعداد و ہردلعزیز شخص ہیں۔ (شجرہ نشان ۲۸)۔

سید راجو (بن سید محمد صادق بن سید عبدالمجید عرف مجا بن سید مبارک) کے فرزند سید اسحاق ہوے۔ جو بعہد محمد شاہ بادشاہ پانصدی ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ ان کے فرزند سید محمد آیات بھی اسی زمانہ میں یک صد و پنجاہی ذات کے منصب پر فائز تھے ان کے بھائی سید قمر الدین ولد محمد آیات بھی یک صدی ذات کے منصب

ہوے۔ سید غلام شرف الدین بن سید محمد آیات مذکور بھی یک صدی ذات کے منصب پر فائز تھے۔ ان کے فرزند سید نوازش علی بھی بعہد شاہ عالم پانصدی ذات پچاس سوار کے منصبدار تھے۔ سید غلام علی بن سید محمد آیات مذکور بھی پانصدی ذات کے منصب پر فائز ہوے۔ سید نوازش علی (بن سید غلام شرف الدین مذکور) کے فرزند سید مہربان علی اپنی شہزوری کے لیے مشہور رہیں۔ ان کے فرزند سید حسنین علی خاں بھی جو سید دلاور علی خاں (بن سید عاشقان علی نبیرہ دیوان سید محمود) کے نواسے تھے۔ اپنی شہزوری وامارت کے لیے مشہور ہیں۔ ان کے دو فرزند نوازش حسین خان و نیاز حسین خاں ہوے۔ نیاز حسین خان صاحب کے فرزند مبارک حسین خاں ہوے نوازش حسین خان صاحب مذکور کے دو فرزند مہربان حسن خان و دلاور حسن خان ہوے۔ سید محمّد اسحاق (بن سید محمّد صادق بن سید عبد المجید عرف مجا بن سید مبارک) کے دوسرے فرزند سید محمد واسط تھے۔ سید محمّد واسط مذکور کے دو پسران سید عجیب و سید امیر بھی منصبدار تھے۔ مگر مقدار منصب کا علم نہیں ہے۔ خاندان سید راجو مذکور کے اکثر افراد کی سکونت محلہ جیہوڑہ میں ہے۔ (شجرہ نشان ۲۹)۔

سید عبد المجید عرف مجا بن سید مبارک کے دوسرے فرزند سید مجیب کے فرزند سید محمّد سعید ہوئے۔ ان کے دو فرزند سید خاصہ (لاولد) و سید مبارک سعید خاں ہوے۔ سید مبارک سعید خاں کے سات فرزند سید فیض و سید غلام حسن و سید غلام مصطفےٰ و کرم علی و محمد بخش خاں و غلام رسول و غلام نبی ہوے اول الذکر تین لاولد ہیں۔ سید مبارک سعید صاحب مذکور عہد احمد شاہ بادشاہ میں ہشت صدی ذات پچاس سوار کے منصب پر فائز ہوے۔ ان کے فرزند سید محمّد بخش خان صاحب بھی منصبدار ذی اقتدار

تھے۔ مگر تعداد منصب معلوم نہیں۔ ان کے بھائی غلام نبی بن مبارک سعید خاں عہد احمد شاہی
میں یک صدی ذات کے منصبدار تھے ان کے بھائی سید غلام حسن بھی یک صدی ذات
کے منصبدار ہوے۔ ان کے دوسرے بھائی سید غلام مصطفےٰ بھی منصبدار تھے مگر تعداد منصب
کا علم نہیں۔ سید غلام نبی بن سید مبارک سعید خان کے فرزند سید مقصود علی بھی بعہد
عالمگیر ثانی پانصدی ذات کے منصب پر فائز تھے۔ ان کے بھائی سید محبوب علی بعہد محمد
علی بادشاہ اودھ لکھنو کے تھانہ دار رہے۔ ان دونوں بھائیوں کی نسل پسری باقی نہیں
ہے۔ (شجرہ نشان ۲۷)۔

سید عبدالمجید عرف مجا بن سید مبارک کے تیسرے فرزند سید عبدالعلیم ہیں ان کے
فرزند سید اصغر ان کے فرزند سید غلام محی الدین ان کے فرزند سید محمد اور ان کے فرزند
سید عبدالمبارک ہوے۔ جو عالمگیر ثانی کے زمانہ میں منصبدار داخل چوکی تھے۔ مقدار منصب معلوم
نہیں ان کے فرزند امام بخش ہوے ان کے دو فرزند غلام حسین و سید محمد علی ہوے
غلام حسین مذکور کے تین فرزند تصدق حسین و نوازش حسین و نثار حسین ہوئے ۔
(شجرہ نشان ۲۶)۔

سید عبدالمجید عرف مجا بن سید مبارک کے چوتھے فرزند سید عبدالرحیم ہیں۔
ان کی اولاد میں سید ولایت بخش بن سید مبارک بن سید ابوالحسن بن سید عبدالرحمٰن
بن سید عبدالرحیم مذکور بعہد محمد شاہ منصبدار جلو قدیم تھے۔ مقدار منصب ان کی معلوم نہیں
(شجرہ نشان ۲۶)۔

ذکر سادات محلہ بگلہ

یہاں تک سید محمد میر عدل امیر اکبری اور ان کے برادر عالی قدر سید مبارک (پسران سید منتجب) کے حالات اجمالاً تحریر کردیے گئے ہیں۔ سید عبدالعزیز بن مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد کے شجرہ میں سے ایک شاخ سید ارزانی (بن سید یس بن سید راجی بن سید عبدالعزیز بن مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ) کی ابھی قابل ذکر ہے جن کی سکونت محلہ بگلہ میں ہے مورث خاندان کے نام کی رعایت سے اس محلہ کا نام ارزانی پوتہ قدیم کاغذات میں موجود ہے مگر اب محلہ بگلہ کے نام سے زیادہ معروف ہے۔ سید ارزانی مذکور کے پسر سید شرف الدین ہوئے۔ ان کے پسر سید محمد ہوئے۔ ان کے پسر سید عبدالرحیم ہوئے۔ ان کے پسر سید محمد باقر ہوئے جو محلہ بگلہ کے سادات کی اس شاخ کے مورث اعلیٰ کہے جاسکتے ہیں۔ سید محمد باقر صاحب مذکور کے دو فرزند سید ابوالخیر (منقرض) و سید مجو ہوئے۔ سید مجو بن سید محمد باقر مذکور کے فرزند سید محمد تقی ہوئے۔ جن کی نسل میں سادات محلہ بگلہ کے کل افراد ہیں۔ (شجرہ نشان ۲)۔ سید محمد تقی صاحب مذکور بعہد اورنگ زیب عالمگیر یک صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے۔ آپ کے چار فرزند سید علی داد و محمد جواد و شاہ محمد و عطا نظام الدین ہوئے۔ آخر الذکر لاولد ہیں۔ اول الذکر علی داد بعہد محمد شاہ دو صدی ذات کے منصبدار تھے۔ ان کے دو فرزند سید عظمت علی و سید محمد باقر بھی منصبدار ہوئے اول الذکر بعہد محمد شاہ یک صدی ذات کے منصب پر سرفراز تھے ثانی الذکر سید محمد باقر کی مقدار منصب کا علم نہیں ہے۔ سید عظمت علی مذکور (بن سید علی داد) کے فرزند

سید ارزانی ہوئے۔ ان کے فرزند سید داد علی ہوئے جو اپنے وقت میں ذی مقدرت
وصاحب ثروت تھے۔ اور تیراندازی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ ان کے تین فرزند
یاد علی و سجاد علی وارشاد علی ہوئے۔ سید یاد علی صاحب مذکور بھی صاحب ثروت
اور خوشنویس تھے۔ ان کے چار فرزند سید محمد جعفر و سید محمد باقر و سید نذر حسین و سید
محمد حسین ہوئے۔ سید محمد جعفر مذکور کے فرزند سید حسین ہوئے۔ سید نذر حسین صاحب کے
فرزند مولوی سید مصطفیٰ صاحب عالم وطبیب ہوئے۔ ان کے ایک فرزند مولوی سید
مجتبیٰ صاحب عرف چاند ہیں۔ جو ذی علم اور امام المدارس کے سکرٹری ہیں۔ دیگر تین
فرزند ان اتقیٰ حسن و اجتبیٰ حسن و اصطفیٰ حسن ہوئے۔ سید محمد باقر (بن سید یاد علی
بن سید داد علی) مذکور کے دو فرزند سید مبارک حسن، و سید معجز حسن ہوئے۔
اول الذکر کے فرزند سید متقی حسن اور ثانی الذکر کے فرزند سید معز حسن لائق فائق
اور گریجویٹ ہیں۔ سید داد علی (بن سید ارزانی بن سید عظمت علی مذکور) کے دوسرے
فرزند سید سجاد علی صاحب کے سات فرزند ہوئے۔ جن کے نام سید علی محسن و مقبول احمد
و منظور احمد و معصوم احمد و محمود احمد و سبط احمد و صغیر احمد ہیں ان میں سید مقبول احمد صاحب حاجی و ذی استعداد
ممبر میونسپلٹی امروہہ گورنمنٹ کے درباری اور ذی رسوخ تھے۔ ان کے فرزند سید معقول احمد صاحب بی اے ہیں جو
ریاست رامپور میں ملازم ہیں سید سبط احمد صاحب مذکور کے دو فرزند سید سبطین احمد و نورین احمد ہیں صغیر احمد
صاحب کے دو فرزند نصیر احمد و سفیر احمد ہیں منظور احمد صاحب کے دو فرزند منصور احمد
و شکور احمد ہوئے۔ سید منصور احمد صاحب کے فرزند سید محمد ارزانی ہیں سید محمود
احمد صاحب کے فرزند مسعود احمد و خوشنود احمد ہیں۔ سید معصوم احمد صاحب مذکور کی اولاد
دختری موجود ہے . . . . سید علی محسن صاحب

کے دو فرزند علی احسن وعلی مستحسن ہوے۔ علی احسن صاحب کے فرزند سید علی حسن صاحب ہیں۔ سید ارشاد علی (ابن داد علی بن سید ارزانی بن سید عظمت علی)۔ مذکور کے تین فرزند عابد حسین وزاہد حسین وحامد حسین ہوے۔ حامد حسین صاحب مذکور کے دو فرزند سید مجاہد حسین وسید مہاجر حسین ہیں۔ اول الذکر کے فرزند سید مشاہد حسین ہیں ثانی الذکر کے فرزندان سید محمد تقی بی اے ایل ٹی صدر مدرس امام المدرس ومحمد نقی ومحمد نبی ہیں (شجرہ نشان ۳۰) سید محمد تقی صاحب مذکور نہایت درجہ خلیق ومتواضع ذی علم وذی مروت ہیں۔

سید محمد تقی (ابن سید چھجو بن سید محمد باقر بن سید عبدالرحیم) کے دوسرے فرزند سید شاہ محمد ہیں۔ ان کے دو فرزند سید عطامحی الدین وحامد علی ہوئے۔ ان میں سے سید حامد علی عہد محمد شاہ میں منصبدار بندہائے جلو قدیم۔ یک صدی ذات پر سرفراز تھے سید عطامحی الدین کے فرزند سید محمد تقی ہوئے۔ ان کے دو فرزند سید احمد شاہ وسید محمد شاہ ہوئے۔ اول الذکر منقرض ہیں۔ سید محمد شاہ کے پانچ فرزند ابن علی ومحمد احسن ومحمد نصیر ومحمد شریف ومحمد لطیف ہوے۔ سید حامد علی مذکور (ابن سید شاہ محمد بن سید محمد تقی بن سید چھجو) کے دو فرزند علی بخش وحیدر بخش ہیں۔ اول الذکر منقرض ہیں۔ حیدر بخش صاحب مذکور کے فرزند شبیر بخش ان کے فرزند رسول بخش اور ان کے فرزند نبی بخش ہوے جن کا تخلص فلسفی تھا۔ ان کے سات فرزند علی داور وعلی تمکین ونذر امام وحسین بخش وشادمان علی وعمران علی وذیشان علی ہوے۔ (شجرہ نشان ۳۰)۔

سادات محلہ بنگلہ کے مورث سید محمد تقی بن سید چھجو عہد عالمگیر اورنگ زیب کے منصبدار ہیں۔ عہد سلطنت عالمگیری کا آغاز ۱۰۶۸ھ میں ہے۔ پس اگر سید محمد تقی صاحب

مذکور کی عمر سنہ ۱۰۶۸ھ میں تیس سال فرض کی جائے۔ جو بہمہ جہت قرین قیاس ہے تو آپ کا سال
پیدائش سنہ ۱۰۳۸ھ برآمد ہوتا ہے۔ مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا
زمانہ وفات سنہ ۷۴۲ھ دوسری جگہ ثابت کیا گیا ہے پس اس حساب سے سید محمد تقی صاحب
مذکور اور جناب شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کا درمیانی زمانہ قریباً تین سو سال برآمد ہوتا ہے
اتصال نسب کے لیے بموجب قاعدہ اکثریہ مقبولہ قریباً نو پشتوں کی ضرورت اس ما
درمیانی میں ہوتی ہے۔ اور اس شجرہ میں بشمول جانبین گیارہ پشتیں موجود ہیں بایں
طریق:۔ (سید محمد تقی بن سید چھجو بن سید محمد باقر بن سید عبد الرحیم بن سید
محمد بن سید شرف الدین بن سید ارزانی بن سید یٰسین بن سید راجی بن سید
عبد العزیز بن مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ سرہٗ العزیز) پس
شجرہ نسب متصل اور صحیح ہے۔ (ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲ع) سادات محلہ بگلہ کا ذکر ہو لینے
کے بعد سید راجی بن سید عبد العزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کے حد تک سلسلہ
بیان کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ صرف ایک امر قابل ذکر رہ جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ سید
محمد باقر (بن سید عبد الرحیم بن سید محمد بن سید شرف الدین بن سید ارزانی بن
سید یٰسین بن سید راجی بن سید عبد العزیز بن شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ) کے ایک بھائی
سید حاتم بن سید عبد الرحیم مذکور تھے۔ ان کی نسل میں سے ایک صاحب سید
سردار علی نامی نے جبلپور میں سکونت اختیار کر لی اور ان کے فرزندان اعجاز حسین
و ظہور حسین و ناظم حسین وہیں ساکن ہیں۔ اسی نسل میں استاد دلاور علی کا خاندان
محلہ پچدرہ پر ہے۔ اس شاخ کا ذکر جلد دوم میں ہوگا .... سید راجی
(بن سید عبد العزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ) کے ایک بھائی سید محمد الدین

ان کی اولاد میں سید کمال بن سید لال (مصنف اسراریہ) ہیں۔ اور اسی خاندان میں سید فیروز نامی ایک صاحب ہوئے ہیں۔ قلعہ فیروز پور پرگنہ سنبھل جو ویران ہو چکا ہے ان کا تعمیر کردہ ہے۔ اپنے وقت میں یہ امیر کبیر اور صاحب اقتدار و ذی حشمت ہوئے ہیں یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی نسل باقی ہے جلد دوم میں ان کے متعلق بشرط تحقیق حالات لکھا جائے گا۔ (ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲)۔

اس حد تک سید عبدالعزیز بن شرف الدین شاہ ولایت کی اولاد امجاد کا ذکر ہوا۔ ان میں سے دو تین چھوٹی شاخوں کا ذکر باقی رہ گیا ہے۔ جن کی تکمیل بدرجہ مجبوری جلد دوم کی اشاعت تک ملتوی کرنی پڑی۔ سید امیر علی بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا اسم گرامی سید میر علی بزرگ بھی بکثرت کتب تذکرہ میں درج ہے ارادہ تھا کہ سید میر علی موصوف کی اولاد امجاد کا ذکر بھی اسی طرح جلد اول میں بالاجمال کر دیا جائے۔ لیکن بعض ضروری کاغذات اور حالات کے فراہم نہ ہو سکنے کے باعث اسے بھی دوسری جلد پر ملتوی کرنا پڑا۔ جلد اول کی محدود گنجائش بھی مانع آئی۔ پہلی جلد کی ضخامت میں اندازہ سے زیادہ اضافہ ہو جانے کے خیال سے بھی تذکرہ اولاد سید میر علی موصوف بدرجہ مجبوری جلد دوم میں کیا جائیگا۔ اور جلد دوم کی ضخامت بھی اندازہ سے زیادہ ہو چلی ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شائد جلد سوم کا بھی سامان کرنا پڑے پس اب بعض وہ مضامین جو جلد دوم کے لیے مخصوص کئے گئے تھے بلحاظ گنجائش جلد اول یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ افسوس ہے کہ بعض مجبور کن حالات کی بنا پر ترتیب مضامین و تبویب مقالات کا جو سلسلہ ذہن میں قائم ہوا تھا باقی نہ رہ سکا۔ بعض کتب قدیم و دستاویزات باوجود سعی بسیار وقت پر

فراہم نہ ہوسکیں۔ بعض دیگر موانع بھی درپیش ہوئے۔ پس امید ہے کہ ہمیں اس سلسلہ شکنی و عدم ترتیب کے لیے معذور سمجھا جائیگا جلدوں کی مجوزہ ضخامت کے سلسلہ میں کمی بیشی کے لحاظ سے بھی ہم قطعاً۔ مجبور و معذور ہیں۔

ذکر سادات محلہ لکڑہ

سید میر علی بن سید شرف الدین شاہ ولایت رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد میں سے ایک شاخ کا ذکر بلحاظ گنجائش یہاں کیا جاتا ہے۔ یعنی اولاد سید ابدال محمد[1] ابن سید محمد منور[2] بن سید سلطان محمد[3] بن سید عبد الرحیم[4] بن سید سعید خاں[5] بن سید حامد[6] بن سید اسمٰعیل[7] بن سید الیاس عرف منجھو بن سید عبد الستار[9] عرف بڑے بن سید میر علی[10] عرف خاصہ بن سید یحیٰی[11] بن سید تاج الدین بن سید میر علی[13] بن سید شرف الدین شاہ ولایت قدس اللہ سرہٗ العزیز) کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔ شجرہ کی اس شاخ کے افراد کی سکونت محلہ لکڑہ متصل درگاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رح میں ہے۔ (ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۳۲ و ۳۳) مورث خاندان سید ابدال محمد صاحب نے جو ایک نیک دل اور ولی صفت انسان تھے ایک مسجد بر سر راہ محلہ کی آبادی سے متصل بجانب غرب تعمیر کی اس میں پتھر پر حسب ذیل کتبہ موجود ہے۔ جس سے سید ابدال محمد مذکور کا زمانہ اچھی طرح تحقیق ہو جاتا ہے۔ کتبہ کی عبارت یہ ہے۔

سید ابدال حامی اسلام — مسجدے ساختہ است عرش مماس
سال تاریخ او خرد گفتہ — خانہ کعبہ را نہاد اساس

دیگر کثیر شہادت بھی اس کی تائید میں موجود ہے کہ سید ابدال محمدؒ موصوف کا زمانہ
ارہویں صدی ہجری ہے سنہ ۱۱۴۱ھ میں آپ نے یہ مسجد تعمیر فرمائی ہے پس قرین عقل
وصواب ہے کہ آپ کی پیدائش کا زمانہ قریباً سنہ ۱۱۰۰ھ یاور کیا جائے۔ مخدوم
سید شرف الدین شاہ ولایت رح کا سال وفات جیسا کہ دوسری جگہ بتفصیل بیان
کیا گیا ہے قریباً سنہ ۱۴۶۰ھ ہے۔ پس سید ابدال محمد مذکور وحضرت شاہ ولایت کا درمیانی
زمانہ (۱۱۰۰ - ۱۴۶۰ = ۳۶۰) قریباً تین سو ساٹھ سال برآمد ہوتا ہے اور اس زمانہ
درمیانی میں اتصال نسب کے لیے حسب قاعدہ اکثریہ مقبولہ بحساب تین پشت فی صد
سال قریباً گیارہ پشتوں کا شمار میں آنا ضروری ہے۔ شجرہ مندرجہ بالا دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ جانبین (یعنی سید ابدال محمدؒ وحضرت شاہ ولایت رح) کے نام
شمار نہ کئے جائیں تو بارہ پشتیں موجود ہیں۔ پس سلسلہ نسب متصل اور صحیح ہے۔

سید ابدال محمدؒ صاحب مذکور مورث سادات محلہ لکڑہ اپنے وقت کے
مشہور باخدا اور درویش دوست شخص تھے۔ باوجود امارت وثروت تمام عمر مخلوق
خدا کی خدمت اور عبادت میں بسر کی شاہ عبدالرسول صاحب رح دہلوی کے
معتقد اور مرید تھے۔ ان کو اپنے ہمراہ یہاں لے آئے یہیں شاہ صاحب موصوف
کا وصال ہوا۔ اور سید ابدال محمدؒ صاحب کی تعمیر کردہ مسجد میں جس کا ذکر ہوا دفن
ہوئے آپ کی قبر پر سید ابدال محمدؒ صاحب نے گنبد بھی تعمیر کرایا جو موجود ہے۔ صاحب
تاریخ اصغری تحریر فرماتے ہیں:-

"سید ابدال محمدؒ منصبدار شاہی تھے۔ نواب دوندے خاں کے عہد میں
بڑی عزت وتوقیر پائی۔ نواب ممدوح ان کو اپنا پیر کہتے تھے سید موصوف نے

ایک مسجد تعمیر کی اور کنواں بنایا۔ اور شاہ عبدالرسول کا مقبرہ جن کو دہلی سے اپنے ہمراہ لائے تھے مسجد مذکور کے احاطہ میں بنوایا جس کا برج بہت خوبصورت ہے۔ موضع جلال پور وغیرہ جائداد معافی بنام مسجد وقف کرکے اپنے بیٹے سید فیض احمد کو اس کا متولی کیا۔ پھر تعلقات دنیاوی ترک کرکے اسی مسجد کے ایک مکان میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اور چالیس برس عبادت میں مصروف رہے۔ قرآن شریف حفظ تھا۔ (تاریخ اصغری)۔

الغرض سید محمد ابدال رحمۃ اللہ علیہ کے نیک نفس اور صاحب باطن ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کے ساتھ ہی آنجناب عہد محمد شاہی کے منصبدار اور امیر وقت بھی تھے۔ آپ کے فرزند ارجمند سید فیض احمد بعہد محمد شاہ پانصدی ذات کے منصبدار اور داخل جلو قدیم تھے آپ کے دوسرے فرزند سید ولی احمد اسی عہد میں سہ صدی ذات کے منصب پر سرفراز اور داخل جلو قدیم تھے۔ آپ کے تیسرے فرزند سید عطا احمد بھی عہد مذکور میں پانصدی ذات کے منصب پر داخل جلو قدیم تھے۔ آپ کے چوتھے فرزند علی احمد بھی منصبدار جلو قدیم تھے۔ الغرض سید ابدال محمد صاحب کا خاندان بھی اپنی برادری میں کیا بلحاظ علم و فضل و کیا بلحاظ دولت و ثروت ممتاز رہا۔ آپ کے یہ چاروں فرزندان نامدار عالم و فاضل و حافظ و امیر وقت ہوئے۔ اس کے بعد بھی امارت و ثروت کا سلسلہ جاری رہا۔ سید بشیر علی و سید امیر علی پسران سید قائم علی بن سید فیض احمد بن سید ابدال محمد مذکور اپنے وقت کے مشاہیر میں سے ہوئے۔ ثانی الذکر حاجی سید امیر علی طبیب حاذق بھی ہوئے۔ ان کے فرزند سید مرتضیٰ بھی طبیب حاذق اور عالم و فاضل ہوئے۔ ان کے لائق فرزند حکیم سید محمد صاحب

ہوئے جن سے امروہہ کی موجودہ نسلیں اچھی طرح واقف ہیں۔ خداوند عالم نے آپ کو سرگروہ اطبار امروہہ کیا۔ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے آپ نہ صرف طبیب بلکہ حکیم تھے۔ علاج و معالجہ میں حکیم علی گیلانی و بوعلی سینا وغیرہ کی حذاقت و مسیحائی کا مشاہدہ جناب حکیم سید محمد صاحب مذکور کی ذات والا صفات میں صدہا بار کیا گیا جس کے عینی شاہد ابھی بکثرت موجود ہیں۔ حال ہی میں آنجناب کا انتقال ہوا ہے حکیم حاذق ہونے کے علاوہ آنجناب مرد متوکل عابد و زاہد اور باوجود دولت و امارت کے مرد غنی تھے۔ نہ صرف فخر سادات امروہہ بلکہ فخر امروہہ تھے۔ تین فرزند سید محمد و میر احمد و محمد طٰہٰ آپ کی یادگار ہیں۔ سید میر علی صاحب مذکور کے تین دیگر فرزند سید حمزہ علی و سید مصطفیٰ و سید علی ہوئے۔ اول الذکر سید حمزہ علی عالم و فاضل ہوئے۔ جن کے دونوں فرزند سید غلام امام و سید غلام شبیر جوانی میں فوت ہوئے سید غلام امام مذکور کے فرزند بوعلی و غلام شبیر کے فرزند میر علی موجود ہیں۔ سید حمزہ علی صاحب کے دوسرے بھائی سید مصطفیٰ کے فرزند سید مجتبیٰ ہیں۔ سید بشیر علی ابن سید قائم علی بن سید فیض احمد بن سید ابدال محمد کے تین فرزند سید حسین و سید حسن و سید محمد باقر ہوئے۔ ان میں سے سید حسین صاحب کے تین فرزند ابو محمد و موسیٰ رضا و زین العابدین ہیں۔ اور ان سب کی اولاد پسری موجود ہے۔ سید حسین صاحب مذکور کے دوسرے بھائی سید حسن کی اولاد دختری موجود ہے۔ ان کے بھائی سید محمد باقر صاحب مذکور کے چار فرزند امیر باقر و سید احمد و سبط محمد و عباس حسین ہیں آخر الذکر فوت ہوگئے۔ ان کے عقب باقی نہیں ہے۔ سید فیض احمد صاحب مذکور کے دوسرے فرزند سید رجب علی کے فرزند سید مہدی حسن ہوئے۔ جن کے پانچ فرزند ہوئے مانا بخلد

سید سراج حسین ہیں جن کے لائق فرزند سید مختار حسین صاحب ایم اے ایل ٹی۔ الموڑہ کالج میں پروفیسر ہیں۔ سراج حسین صاحب کی دیگر اولاد بھی لائق فائق ہے۔ (شجرہ نشان ۳۲)۔

سید ابدال محمدؒ صاحب کے دوسرے فرزند سید علی احمد صاحب کی اولاد میں سید رزاق علی (بن سید چراغ علی بن سید علی احمد مذکور) و سید علی احسن بن منظور احمد بن سید علی احمد کے خاندان ہیں۔ سید ابدال محمدؒ صاحب کے تیسرے فرزند سید ولی احمد کی اولاد میں سید انصار حسین بن سید نثار حسین بن سید غفور علی بن سید وزیر احمد بن سید ولی احمد مذکور کا خاندان ہے۔ اسی شاخ میں سید غنی حسن بن سید سجاد علی بن سید عظیم اللہ بن سید ولی احمد مذکور ہیں۔ سید ابدال محمد صاحب کے چوتھے فرزند سید عطاء احمد عرف اسرار احمد ہیں۔ ان کی اولاد میں سید نصیر حسن صاحب (بن سید امیر حسن بن سید تصدق حسین بن سلطان احمد بن عطاء احمد عرف اسرار احمد بن سید محمدؒ ابدال کا خاندان ہے۔ سید نصیر حسن صاحب کے پسران کے نام سید شفیق حسن و انیس حسن و نفیس حسن و وحید حسن ہیں۔ سید شفیق حسن صاحب علم دوست اور ذی استعداد ہیں تاریخ سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ سنا ہے کہ آپ تذکرہ کی ایک کتاب مرتب فرما رہے ہیں۔ (شجرہ نشان ۳۳)۔

شجرات نسب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت

جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت نقوی واسطی کا سلسلہ نسب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے (جیسا کہ چند بار اس کتاب میں مختلف مقامات پر ذکر کیا گیا ہے) بواسطہ امام علی نقی علیہ السلام متصل ہوتا ہے آنحضرت صلعم سے اوپر کی جانب حضرت آدم علیہ السلام تک کا شجرہ نسب متعدد کتابوں میں بلکہ نسب کی تمام کتابوں میں تحریر ہوتا چلا آیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حضور سرورکائنات کا نسب تمام عالم کے انساب سے زیادہ صاف وواضح و صحیح ہے۔ لیکن عرب میں اور دیگر ممالک میں بھی عام طور پر قدیم زمانہ میں یہ دستور تھا کہ مشہور مورث سے سلسلہ نسب کے بیان کرنے میں درمیانی وسائط کو طوالت بیان سے بچنے کے لیے ترک کر دیا جاتا تھا پس حضرت آدم علیہ السلام تک جو شجرہ نسب بعض کتب میں درج ہوتا چلا آتا ہے وہ چند در چند وجوہ کے باعث قابل غور ہو جاتا ہے۔ فخر المحدثین جناب شاہ عبدالحق صاحب دہلوی رح تحریر فرماتے ہیں۔ (معد بن عدنان وتا اینجا متفق علیہ است نسب شریف میان ارباب سیر و اصحاب علم انساب و فوق آن معلوم و صحیح نیست۔ باتفاق بر آن کہ آنحضرتؐ از اولاد اسمعیل است و ابراہیم و نوح و ادریس علیہ السلام از اجداد او ہستند و روایت است از ابن عباسؓ کہ گفت چوں آنحضرت صلعم ذکر نسب شریف خود می کرد از معد بن عدنان پس از ان توقف می کرد و گفت کذب النسابون...... واز عدنان تا اسمعیل وتا آدم اختلاف بسیار است ......وچون اعتماد نیست بر آن و مخالف است باقول علما ذکر نکردیم ما ان را واللہ اعلم۔ (مدارج النبوہ)

ہم یہاں قدیم ترین و مستند ترین شہادتوں کی بنا پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام تک درج کرتے ہیں۔

سرسید مرحوم نے بھی یہی شجرہ اپنی کتاب خطبات احمدیہ میں درج فرمایا ہے۔ اور دیگر معتبر کتب انساب میں بھی یہی درج ہے :۔ وہو ہٰذا۔

(۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام (سنہ ۲۰۰۰ قبل مسیح)۔ (۲) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سنہ ۱۹۱۰ قبل مسیح (۳) قیدار (۴) عوام (۵) عوص اول (۶) مُر (۷) سمائے (۸) رزاخ (۹) ناجب (۱۰) معصر (۱۱) ابہام (۱۲) اقناد (۱۳) عیسی (۱۴) حسان (۱۵) عنقا (۱۶) ارعوا (۱۷) یلحی (۱۸) بجری (۱۹) ہری (۲۰) یٰس (۲۱) حران (۲۲) الرعا (۲۳) عبید (۲۴) عنقف (۲۵) عبقیٰ (۲۶) مامی (۲۷) ناحور (۲۸) فاجم (۲۹) کالح (۳۰) بدلان (۳۱) بلدرم (۳۲) حرا (۳۳) ناسل (۳۴) ابی العوام (۳۵) قسادیل (۳۶) برد (۳۷) عوص دوم (۳۸) سلامان اول (۳۹) الہمیع اول (۴۰) ادد اول (۴۱) عدنان اول سنہ ۶ قبل مسیح (۴۲) معد اول سنہ ۵۸۰ قبل مسیح (۴۳) حل (۴۴) ثابت (۴۵) سلامان دوم (۴۶) الہمیع دوم (۴۷) الیسع دوم (۴۸) ادد دوم (۴۹) اد (۵۰) عدنان دوم (۵۱) معد ثانی (۵۲) نزار (۵۳) مضر (۵۴) الیاس (۵۵) مدرکہ (خزیمہ (۵۷) کنانہ (۵۸) النضر (۵۹) مالک (۶۰) فہر (۶۱) غالب (۶۲) لوی (۶۳) کعب (۶۴) مرہ (۶۵) کلاب (۶۶) قصی (۶۷) عبدالمناف (۶۸) ہاشم (۶۹) عبدالمطلب (۷۰) عبداللہ (۷۱) جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جیسا کہ ابھی بیان ہوا یہ وہ شجرہ ہے جس پر اکثر اکابر اہل تاریخ و سیر متفق ہیں۔ البتہ زمانہ بیان شدہ میں اختلافات ہیں۔ مثلاً بعض مورخین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ اس کے خلاف بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض درمیانی اسماء کے

کے تعین میں بھی اختلافات ہیں۔ بہر حال جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب دنیا کا بہترین اور صحیح ترین ہے۔

جناب مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت رح کے ذکر میں تفصیل بیان ہو کر سال پیدائش آنجناب کا تقریباً سنہ ۶۴۰ھ ثابت کیا گیا ہے۔ آنجناب سے حضور سرور کائنات ؐ تک کل بیس نام شمار میں آتے ہیں ملاحظہ ہو شجرہ نشان (۱)۔ پس بحساب قاعدہ اکثریہ مقبولہ بحساب تین پشت فی صد سال سلسلۂ نسب بہمہ جہت متصل و صحیح ہے۔

کتاب ہذا کی جلد اول میں جناب شاہ ولایت رح کے ایک فرزند سید عبد العزیز صاحب کی اولاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ پس اس سلسلہ کے شجرات نسب صفحات آیندہ میں درج کئے جاتے ہیں:۔ بعض کتب تذکرہ میں سید عبد العزیز صاحب مذکور کا نام عزیز اللہ و عزیز الدین بھی تحریر ہے۔ اسی طرح سید عبد العزیز صاحب مذکور کے ایک فرزند سید راجی کا نام بعض کتب تذکرہ و شجرات نسب میں سید راجع بھی تحریر ہے۔

مورث خاندان نقوی - امروہہ
شرف الدین شاہ ولایت رح
بن سید علی بزرگ
ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۱ صفحہ ۳۸۹ کتاب ہذا
عبدالعزیز امیر علی
ملاحظہ ہو جلد دوم کتاب ہذا
سید محمد ابدال سید راجی سید مجد الدین
سید منتجب سید یس
سید چاند سید ارزانی
سید بڑے شرف الدین
سید منتجب ثانی سید محمد
سید مبارک سید محمد میر عدل
شجرہ نشان ۶ تا ۲۷
امیر اکبری
شجرہ نشان ۲
ابوالفضل شاہ ابوالحسن ابوالقاسم ابوالمعالی
شجرہ نشان ۱۵
عبدالخالق عبدالباری عبدالواسع
شجرہ ۱۲ تا ۱۴
سید منعم ابوالحسن بی بی اچھی
زوجہ سراج الدین حسنی
(محلہ کوٹ شجرہ ۳۱)
بی بی بڑی
سید مصطفیٰ میران سید عبدالماجد
سید حامد سید احمد سید محمد دیوان سید محمود
دختر
عبدالخالق غلام مرتضیٰ عبدالباری عبدالعزیز عبدالمعالی سید جعفر

شجرہ نشان ۳

اولاد سید رحم علی خان بن سید عبدالعزیز
بن دیوان سید محمود ـ بڑاؤ بہار

٣٩٢
دیوان سید محمود
عبدالعزیز
یوسف علی خان
رحم علی خان
عاشقان علی خان
قمر علی خان
حسن علی خان
عزت علی خان
شمس علی خان
تہور علی خان
تبارک علی خان
امام علی خان
ولایت علی خان
مصروف علی
محمد تقی خان
منور حسن خان
محمد تقی
سید حسین
عابد حسین
بشیر حسین
بشیر حسن
صغیر حسن
اعظم حسین
علی اعظم
عوض حسین
علی ابن الحسین
اظہر حسن
مظہر حسن
سلمان حسن
سید حسن
انور حسن خان
توصیف الحسن خان
شجرہ نشان ۴
اولاد سید یوسف علی خان بن سید عبدالعزیز
بن دیوان سید محمود

۳۹۳
سید عبدالاحد بن محمود
ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۲ صفحہ ۳۹۰
سید دیوان
غلام مرتضی
رمضان علی
ابو احمد
عتیق اللہ
امین اللہ
رحیم اللہ
انیس علی
عباد اللہ
مظفر حسین
حاجی حسین
محمد محسن
حاجی حسن
مہدی حسین
عبدالقیوم
صفی اللہ
بہادر حسین
محمد نسیم
دلاور حسین
آل احمد
محمد اویس
شبیر النبی
شریف الحسن
شبیہ الحسن
وحید الحسن
یوسف حسن
یونس حسن
محمد ایوب
قمر النبی
آل احمد
نور احمد
ظہور احمد
نہال احمد
وصال احمد
جلال احمد
بلال احمد
جمال احمد عرف خصال احمد
کمال احمد
مولف کتاب ہذا
حسن حسین
اقبال احمد
ضمیر احمد
حبیب المصطفی
شفیق المرتضی
افتخار احمد
مستجاب احمد
سید احمد
خورشید حیدر
سفیر حیدر
شمیم حیدر
نسیم حیدر
شجرہ نشان ۵
خاندان صاحبان

شجرہ نشان ۶

بڑا دربار

اولاد سید عتیق اللہ و یسین علی
بن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضی
بن دیوان سید محمود

دیوان سید محمود
بن سید عبد الماجد (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

عبد الباری
عبد الخالق — شجرہ نشان ۱۱۵
غلام مرتضیٰ — شجرہ نشان ۵۵ و ۵
عبد العزیز — شجرہ نشان ۳۵ و ۳

غلام شرف الدین
عبد الواحد — شجرہ نشان ۸
کریم اللہ عرف لولا
محمد فاضل

افضل علی
فیض علی
محمد امین
عظیم الدین عبد الوالی

احمد علی
محمود علی
حامد علی
محمد علی
مراد علی
دوست علی — شجرہ نشان ۹۰ و ۱

امداد حسین
نذر علی
فتح علی
شرف علی
عباس علی

سبط علی
ولایت حسین
ریاست علی
برخوردار علی
خلافت علی

یوسف علی
وصی حسین
ظہور حسین
آل نبی
محمد علی

ذاکر علی
محمد حسین
جعفر علی
باقر علی
امتیاز علی

منور حسن
نور الحسن

حامد حسن
نادر حسن
سرور حسن
شکور حسن

شجرہ نشان ۷

براد مبار

اولاد سید کریم اللہ و غلام شرف الدین
پسران سید عبد الباری بن دیوان سید محمود

سید محمود دیوان
بن سید عبد الماجد
شجرہ نشان ۲
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
اولاد سید عبد الواجد و
غلام محی الدین پسران سید عبد الباری بن دیوان سید محمود
عبد الخالق
عبد العزیز
عبد الباری
غلام مرتضی
غلام شرف الدین
عبد الواجد
کریم اللہ عرف بولا
محمد فاضل
علیم الدین عبد الوالی
ناصر علی
قربان علی
محمد زمان
قاسم علی
امداد علی
دوست علی
محمد نعیم
محمد فصیح
اکرم علی
منور علی
سید مبارک
سید محمود

٣٩٧
شجرہ نشان ۹
سید محمود دیوان
بن سید عبدالماجد (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
عبدالخالق
عبدالعزیز
عبدالباری
غلام مرتضیٰ
عبدالواحد
کریم اللہ
غلام شرف الدین
محمد فاضل
علیم الدین
عبدالوالی
دوست علی
رحمت علی
کرامت علی
مدد علی
امام بخش
قادر علی
سبحان علی
اسد علی
مردان علی
احمد علی
امان علی
نصیر علی
مظہر علی
حسین بخش
حسن بخش
انور علی
محمد حسین
لطیف علی
شبیر علی
سراج النبی
محمد احسن
حسن مثنیٰ
محمد رضا
شرافت علی
قادر حسن
ضیاء النبی
سالم حسین
عاقل حسین
زوار حسین
ضامن حسین
اقبال حسن
عطاء النبی
معراج النبی
مظہر حسن
ظفر حسن
نجم الحسن
ابوذر حسن
معاون حسین
محسن حسین
امام النبی
محمد فاروق
انیس المرتضیٰ
نفیس المصطفیٰ
محمد رضا
آل سبطین
آل امامین
آل کاظمین
آل سیدین
آل عسکرین
آل حسنین
مبارک حسن
سفیر حسن
وزیر حسن
شریف حسن
مجتبیٰ حسن
طیب حسن
مصیب حسن
فیضان حسن
ارمان حسن
احسان حسن
تطہیر حسن
تنویر حسن
حسین رضا

۳۹۹
سید محمود دیوان
بن سید عبدالماجد
شجرہ نشان ۲ صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
عبدالعزیز عبدالباری عبدالخالق غلام مرتضی
شجرہ ۳ و ۴
شجرہ ۷ تا ۱۰
شجرہ ۵ و ۶
زین العابدین غلام مصطفی
اعظم علی
دختر
عبداللہ غلام مجتبی اسداللہ سعداللہ
یعقوب علی احمد علی
سرفراز علی امیر علی حلیم اللہ
سیف اللہ محفوظ علی
فضل علی
عون علی منظور علی
محمد حسین فضل حسین
نیاز علی
دختر
رضا حسین آغا حسین مہدی حسین
محمد عباس علی حسن محمد فیاض
ضامن حسین
ابرار حسین
ریاض حسن مرتضی حسن
انوار حسین
عون حسن مستفیض حسن محمود حسن

سید چاند بن سید عبدالواسع بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل (شجرہ نشان ۱)

صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا

سید روشن، سید منور، سید مظفر، سید محمد ماہ، سید اوجیالے

شجرہ نشان نمبر ۱۴

شجرہ نشان ۱۳

فقیر علی، دلیر علی، جعفر صادق

شمشیر علی

بلد علی، الطاف علی، غلام علی

جعفر علی، صاحب علی

احسن علی

انور علی، سخاوت علی، امانت علی

فرحت علی

مرتضیٰ حسن

محمد علی، احمد علی، نادر علی، امانت علی

ہدایت علی، سعادت علی

عنایت علی

حمید علی، رمضان علی، امان علی

نیاز علی، امتیاز علی، قربان علی

سید محمد مہدی حسن

محمد حسن، علی حسن، مہربان علی

منظور حسن

آل حسن

شجرہ نشان ۱۲

شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل
شجرہ نشان ۲ صفحہ ۳۹ کتاب ہٰذا
عبدالخالق
عبدالواسع
عبدالباری
سادات جرادبار
سید چاند
سید جہانگیر
عبدالاول
عنایت علی
محمد پناہ
الٰہی بخش
امام الدین
حسن علی
عنایت علی
فیض علی
عبدالواسع
عبدالہادی
غلام شاہ
سید بھیکا
ولی نذر
شاہ نذر علی
الٰہی نذر
شجرہ نشان ۱۳
کریم علی
محمد حنیف
انعام علی
محمد مسیح
نوازش حسین
محسن حسین
تفضل حسین
افضل حسین
اجمل حسین
کاظم حسین
جعفر حسین
راحت علی
رحمت علی
رافت علی
ناصر حسین
عبداللہ
عبدالرؤف
عبدالنور
اعجاز حسین
فیاض حسین
خورشید حسین
منور حسین
مرغوب احمد
محمد ہاشم
ماجد حسین
محمد عارف
صابر حسین
حمید حسن
حبیب حسن
شاکر حسین
نذر علی
وصی علی
موسیٰ علی
صفدر نذر
اصغر نذر
حیدر نذر
جعفر نذر
مبارک حسین
عوض علی
رضا علی
حسن نذر
احمد نذر
محمد نذر
علی محمد
مرتضیٰ حسن
ابوالحسن
حسین نذر
باقر نذر
شاہ حسین
حامد نذر
محمد حسن
محمود حسن
مشتاق حسین
کاظم نذر
صادق نذر
شبیر نذر

۴۰۲
سید چاند
بن سید عبدالواسع بن شاہ سید ابوالحسن
بن سید محمد میر عدل (ملاحظہ ہو
شجرہ نشان ۱۲ و ۲ کتاب ہذا)
شجرہ نشان ۱۴
پُرانی سرا و گھیر کرم علی خان

سید ابوالفضل

بن سید محمد میر عدل الامیر اکبری
شجرہ نشان ۲ صفحہ ۳۹۰

سید ابراہیم

سید عالم — محمد عاقل — محمد عادل — سید اسمٰعیل

مرد علی — رستم علی

غلام علی

مصطفیٰ علی — مظہر علی خان — مجتبیٰ علی — محمد علی

نور علی — منصور علی — صمصام علی — نصرت علی

اکرم علی — مکرم علی — معظم علی

میر علی — مظفر علی

حسین بخش

قایم علی — منور علی

شمشیر علی

نادر علی

نظیر علی

فتح علی

غلام علی — اکبر علی

رمضان علی — مردان علی

ابن علی

دلدار علی

وصی علی — اولاد علی

علی محمد — محمد حسین — سید محمد

مظہر علی

آل علی — سبط نبی — سبط علی

محمد علی

ضامن حسین

امام علی

ابن علی

اعجاز حسن — رشید حسن — خورشید حسن — عزیز حسن — وحید حسن — واجد حسن — ماجد حسن

ضامن حسین — سجاد حسین

ظفریاب حسن — مستجاب حسن

ممتاز حسن — امتیاز حسن — سرفراز حسن — اعزاز حسن

یوسف علی — مظفر علی

محمد حسین — علی حسن

طفیل حسن — رضا حسن

جعفر حسن — حامد حسن

شریف الحسن — محمود حسن

مرتضیٰ حسن — ارتضیٰ حسن — مصطفیٰ حسن

لطف حسن — الطاف حسن

ابوالحسن — منظور حسن — امیر حسن

شجرہ نشان ۱۵

غلام علی

سید مبارک بھائی سید فتح ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۴۹۰ کتاب ہذا
عبدالواحد عبدالجلیل عبدالحفیظ عبدالمجید عبدالغفار عبدالرشید عبدالہادی عبدالرؤف
شجرہ ۲۲ و ۲۵
شجرہ ۲۶ تا ۲۹
محمد مختار
جعفر علی غضنفر علی بہاؤالدین لطف علی
نوازش علی فیض محی الدین حارث علی ہنر علی
شجرہ ۱۶
عبدالغفار عبدالماجد
عطا نظام الدین عبداللہ
حشمت علی بدیع الدین
مرد علی مبارک علی اولاد علی
سعادت علی امانت علی مظفر حسین غضنفر حسین محمد حسین
محمد تقی حیدر علی
مظہر علی ابرار علی اسرار علی
سراج حسین
اکرام علی اقتدار علی ارشاد علی علمدار علی
سید حسین
رضی حسین
مشتاق حسین ذاکر حسین
اکرم حسین اسلم حسین مسلم حسین
نذر حسن کاظم حسین
وصی حسین
رضوان محمد
ناظم حسین
ابو علی
مومن حسین
ذاکر حسین
عمران محمد عون محمد الیاس حسن
شاکر حسین جعفر حسین
سرفراز علی خان ممتاز علی خان نوازش حسن خان نجم حسن خان
محمود علی
منظور حسین
محمد حسین
اولاد حسین
علمدار حسین زاہد حسین
شجرہ نشان ۱۷

سید مبارک بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
عبدالجلیل عبدالرؤف عبدالواحد عبدالغفار عبدالہادی عبدالمجید عبدالحفیظ عبدالرشید
محمد مختار
جعفر علی غضنفر علی لطف علی بہاء الدین
فیض محی الدین ہزبر علی حارث علی وارث علی
مراد علی شجاعت علی علی مرتضی خاں مصطفی علی
ظفر علی انور علی انور علی
اکبر علی اصغر علی
علی الدین حسین علی
علی اعظم خاں
بنیاد علی خاں امان علی خاں
علی آصف خاں علی مظفر خاں
علی منظم خاں علی اسلم خاں
علی نقی خاں علی مجتبی خاں علی مہدی خاں
علی محتشم خاں علی اختر خاں
علی مشفق خاں علی اجتبی خاں
علی معتصم خاں علی منعم خاں علی مہتم خاں
علی ارتضی خاں
علی منتجب خاں محمد علی خاں اسد علی خاں علی قیصر خاں
علی راشد خاں
علی مقتدا خاں علی عطا خاں علی مرتضی خاں علی صابر خاں علی صفدر خاں
علی تجمل خاں علی مظاہر خاں علی اقتدا خاں
گھڑیال والوں کا خاندان

سید مبارک
بن سید فتح ثانی شجرہ نشان ۲
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
عبدالجلیل عبدالرؤف عبدالواحد عبدالغفار عبدالہادی عبدالمجید عبدالحفیظ عبدالرشید
شجرہ ۲۴ ۲۵
شجرہ ۱۶
شجرہ ۲۶ ۲۹
محمد مختار
جعفر علی بہاء الدین غضنفر علی لطف علی
فیض محی الدین حمایت علی ہر بر علی وارث علی
مراد علی مرتضی خان شجاعت علی مصطفی علی
شجرہ ۱۸
(۱)
شجرہ ۲۱ و ۲۲
ہدایت علی فیروز علی فضل علی عرف ظہور منور علی
شجرہ ۲۰
فیض بخش نبی بخش علی بخش
نوروز علی
کریم اللہ اسرار علی رحیم اللہ ابو علی
محمد بخش
حیدر بخش
محمد تقی غلام تقی
انور علی
امیر علی وزیر علی کبیر علی بشیر علی ضمیر علی
اولاد علی آل نبی
امداد نبی
محمد حسین
مظہر علی اکبر علی محمود علی
مراد علی
ناظر حسین ممتاز حسین
مومن حسین آل رسول
رضی الحسن
غلام عباس
ابو الحسن
اعزاز حسین
عرفان حسن
برجیس حسین
محفوظ حسین منور حسین
انتظام علی
کریم علی نذیر علی
غلام الحسن مجتبی حسن
انیس حسین تمیز حسین اظہر حسین
مظہر الدین اظہر الدین عابد حسین
قاسم حسین
ظہیر الدین احمد ظہیر الدین حیدر
مہدی حسین عنایت حسین
نذر حسین
مظہر حسن ظفر حسن
عزیز الدین حمید الدین وحید الدین
بشیر حسین
ریاض الحسین سعید الحسین
نذر حسین موسی رضا جواد حسین نیاز حسین
نذر سبطین
حسنی رضا دستار رضا حسن رضا عسکری رضا
ابرار حسین امجد حسین
ذکی رضا

سید مبارک بن سید منتخب ثانی شجرہ نشان (۲)
صفحہ ۹۰ نمبر کتاب ہذا
عبدالرؤف عبدالجلیل عبدالحفیظ عبدالہادی عبدالغفار عبدالرشید عبدالمجید عبدالواحد
محمد مختار
جعفر علی لطف علی غضنفر علی بہاء الدین
فیض محی الدین حارث علی نذیر علی وارث علی
مراد علی علی مرتضیٰ خاں شجاعت علی مصطفیٰ علی
ہدایت علی فیروز علی فضل علی عرف بکھو منور علی
افضل علی الٰہی بخش عنایت علی ولایت علی
مہربان علی رضا علی
نصیر الدین وصی علی ناصر علی
قربان حسین عاشق حسین شاہ حسین نثار حسین
مظفر علی مہدی علی نذر الحسین
الطاف حسین
نجم حسن
انور علی اختر علی افسر علی
شیدا علی ارتضیٰ علی
متین الحسن رئیس الحسن رفیع الحسن
حمزہ علی مقتدا علی مصطفیٰ علی عزیز علی مجتبیٰ علی شجاع علی
ذاکر علی شاکر علی باقر علی
لقاء علی تقی علی
خادم حسین
سلطان حسین رضوان حسین

سید مبارک بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
عبدالرؤف عبدالجلیل عبدالہادی عبدالحفیظ عبدالغفار عبدالرشید عبدالواحد عبدالمجید
محمد مختار
جعفر علی لطف علی غضنفر علی بہاء الدین
فیض محی الدین حارث علی نذیر علی وارث علی
مراد علی علی مرتضیٰ خان شجاعت علی مصطفیٰ علی
زین العابدین غلام نظام الدین غلام محی الدین غلام قطب الدین سلطان علی غلام اسد اللہ خان عرف میر کلو
سید محمدی سید احمدی امانت علی
غضنفر علی نذیر علی روشن علی امداد علی
نصیب علی امید علی عباس علی
نثار حسین ابرار حسین نیاز حسین اسرار حسین
باسط علی عابد حسین صابر حسین
مراد حسن ملازم حسین
افتخار حسین مختار حسین
منبر علی زائر حسین مظاہر حسین
دلدار حسین انتظار حسین
سرور حسین انصار حسین
انتظام علی مہربان علی قربان علی
ممتاز علی امتیاز علی اعجاز علی داور علی
خادم علی
کرار حسن جرار حسن
حاجی حسن حامد حسن ماجد حسن امجاد حسن
شجرہ نشان ۲۱
محلہ گذری

۴۱۰
بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۹۰ نمبر کتاب ہٰذا
عبدالرؤف عبدالمجید عبدالہادی عبدالحفیظ عبدالغفار عبدالجلیل عبدالرشید عبدالواحد
محمد مختار
جعفر علی بہاء الدین غضنفر علی لطف علی
فیض محی الدین حارث علی ببر علی وارث علی
مراد علی علی مرتضی خان مصطفی علی شجاعت علی
زین العابدین غلام نظام الدین عطا محی الدین غلام اسد اللہ خان عرف میر کلو غلام قطب الدین
عمادالدین علی خاقان ظہور علی عبدالہادی فتح علی عنایت حسین سعادت اللہ حیم اللہ مہدی علی
یعقوب علی غالب علی نجابت اللہ رزاق علی
معصوم علی
عظیم علی مجیب علی
سیادت اللہ
احمد حسن رحیم علی
احسن علی جعفر علی مرتضی علی غضنفر حسین
ابرار حسین محمد زکریا ابوالقاسم ضیاء الحسن
رضا احمد
ظاہر الحسن صفدر حسن سرور حسن تہور حسن
ضیاء احمد شفاء احمد لقاء احمد فدا احمد
امداد حسین
مظفر حسین زوار حسین
مرتضی حسن
سبط رسول نہال احمد ریاست اللہ ضمانت اللہ ضیاء اللہ
انیس حسن لطیف حسن ظریف حسن ریاض احمد
ارتضی حسن
عمدار حسین عباس حسین فضل حسنین
علی اکبر
التقی حسن اجتبیٰ حسن محمود حسن

سادات مبارک
من سید منتجب ثانی (شجرہ نقشہ ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
عبدالواحد عبدالجلیل عبدالحفیظ عبدالمجید عبدالغفار عبدالرشید عبدالہادی عبدالرؤف
محمد مختار
جعفر علی بہاءالدین غضنفر علی لطف علی
فیض محی الدین حارث علی ببر علی وارث علی
مراد علی علی مرتضیٰ خاں شجاعت علی مصطفیٰ علی
غلام نظام الدین غلام قطب الدین عطا محی الدین غلام اسد اللہ خاں عرف میر کلو زین العابدین
بدرالدین علی خاں نعیم اللہ صبیح علی ظہور علی عنایت حسین مہدی علی عبدالہادی سعادت اللہ
علی محمد خاں فضل اللہ نذر علی
نیاز علی سرفراز علی فرحت علی ارمان علی
محسن علی کاظم علی محمد جواد مظہر حسن ابراہیم علی
محمد علی
ظہور اللہ اسد اللہ علی حسن
اعجاز حسن مصطفیٰ حسن
مظاہر حسین مجتبیٰ حسین
سید حبیب
معصوم حسن
ممتاز حسن امتیاز حسن محمد سبطین احمد حسن نسیم حسن
ابوطالب عبدالمطلب
شہنشاہ حسین ذی جاہ حسین ذی وقار حسین عالی جاہ حسین
نصیر حسن سعید حسن

۴۱۴۳
سید مبارک بن سید منتخب ثانی از شجرہ السادات ۲
صفحہ ۲۹۰ کتاب ہذا

سید مبارک
بن سید منتخب ثانی از شجرہ نشان (۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
عبدالرحیم عبدالروف عبدالرشید عبدالجلیل عبدالحفیظ عبدالمجید عرف مجا عبدالغفار عبدالواحد
شجرہ ۲۴ تا ۲۵
شجرہ ۱۶ تا ۲۳
عبدالرحیم عبدالعلیم محمد صادق سید حبیب
شجرہ ۲۸ و ۲۹ شجرہ ۲۷
عبدالرحمن سید چاند
علی اصغر
رستم علی غلام مرتضیٰ ابوالحسن
غلام محی الدین
قطب علی غلام علی
غلام غوث
سید مبارک
روشن علی
وارث علی عارف علی اشرف علی
سید محمد
نور علی منور علی
سید گیسا منور حسین
بندہ علی
عبدالمبارک
کبیر علی
نیاز علی
محمد الیاس
ولایت بخش
امام بخش
اکبر علی محمد علی
ظہور حسن مقبول حسین
غلام حسین محمد علی
محمد بخش شرف الدین علی بخش حسین بخش
تصدق حسین نوازش حسین نثار حسین
محمد حسین جعفر حسین ولی حسین علی حسین
قیوم حسین ایوب حسین یعقوب حسین
حاکم علی احمد بخش حیدر علی مردان علی یوسف علی
ریاض الحسن منظور علی
نثار حسین ثنا حسین
مجتبیٰ حسن
امیر حسن ممتاز حسین
شجرہ نشان ۴۰

۸۱۵
سید مبارک
بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
امام علی
تہور علی
نادر علی
علمدار علی
مبارک سعید
بنیاد علی
شجرہ نشان ۲۷

سلسلہ مبارک
بن سید منتجب ثانی (شجرہ نسب)
صفحہ ۳۹۰ کتاب ہذا
شجرہ نمبر ۲۸
محلہ مجالوتہ

سادات مبارک بن سید منتجب ثانی (شجرہ نشان ۲)
صفحہ ۲۹۰ کتاب ہذا
شجرہ نشان ۲۹

۴۱۸
سید محمد تقی
بن سید حسین بن سید محمد باقر بن سید عبدالرحیم
شجرہ نشان ۲ صفحہ ۴۹۰ کتاب ہذا
شجرہ نشان ۳۰

۴۲۱

سید ابدال احمد
بن سید منور بن سلطان محمد بن عبدالرحیم

فیض احمد ولی احمد عطا احمد عرف اسرار احمد علی احمد

شجرہ ۳۲

قربان احمد سلطان احمد

عظیم اللہ امین اللہ کریم اللہ نعیم اللہ رحیم اللہ وزیر احمد

باسط علی لبشارت علی اعظم علی

رحمت علی

داد علی سجاد علی

موسیٰ علی

قدرت علی اصغر علی

غنی حسن

مومن حسین قاسم حسین

محمد محسن محمد تقی ابوالحسن ظہور حسن

علی حسن

ناظم حسین

حبیب حسن

ابراہیم علی عباس علی علمدار علی یوسف علی

آل حسن آل احمد

نظر حسن

محمد اسمٰعیل

عسکری حسن

عاشق حسین معشوق حسین

معصوم احمد منظور احمد

اظہر حسن

صفدر حسین منصور حسین

انور حسین

غفور علی غضنفر علی ظفر علی

اسد علی احمد حسین تصدق حسین

ثنا حسین

امیر حسن

الصار حسین ابرار حسین

نصیر حسن

اقدس حسین معظم حسین

انیس حسن وحید حسن شفیق حسن نفیس حسن

رضا حیدر

اولاد سید ولی احمد و عطا احمد

اسرار احمد سید ابدال

شجرہ نشان ۳۳

محلہ لکٹرہ

...شجرہ نشان (۱)

ان شجروں کی ترتیب کے بعد ہمیں اس امر کا اظہار کر دینا بھی ضروری ہے کہ ان میں موجودہ نسل کے اکثر خورد سال اور جوان اشخاص کے نام تحقیق ہو کر درج نہ کئے جا سکے جس کی ایک بڑی وجہ مؤلف کی امروہہ سے زمانہ دراز تک مسلسل غیر حاضری اور ترک سکونت ہے امید کہ اس میں ہمیں معذور سمجھا جائے گا۔ اگر اتفاقاً و سہواً کسی مقام پر کوئی اندراج غلط ہو گیا ہو یا اور کوئی لغزش محتاج اصلاح نظر آئے تو براہ کرم اس سے ہمیں مطلع فرمایا جائے۔ کہ کتاب ہذا کی طبع ثانی کے موقع پر یا جلد دوم میں اس کی تلافی و تصحیح کی جا سکے۔

آنحضرت صلعم کے زمانہ مبارک سے ساڑھے تیرہ صدی کا زمانہ گزر چکا ہے حسب قاعدۂ اکثریہ مقبولہ اس (۱۳½) صدی کے زمانہ میں قریباً چالیس اکتالیس پشتیں بغرض اتصال نسب شمار میں آنا ضروری ہیں۔ ان تمام شجرات نسب کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ عام طور پر چالیس اکتالیس پشتیں موجودہ نسل کے لوگوں تک شمار میں آتی ہیں اور اس طرح اتصال نسب کے لیے عدد مطلوبہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ بعض خورد سال اشخاص تک شمار کرنے میں ایک دو عدد کا اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ مگر اوسط چالیس اکتالیس کا برآمد ہوتا ہے ایک دو مقام سے بر سبیل مثال ان شجروں میں سے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ اسی پر موجودہ نسلوں کا قیاس ۱۳½ صدی کی مدت میں آنحضرت صلعم سے اتصال نسب کے لیے کیا جا سکتا ہے اور ایک دو ناموں کی کمی بیشی کے لحاظ سے تمام زندہ اشخاص کا اتصال نسب جناب سرور کائنات صلعم سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

(ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۵) سید افتخار احمد (عمر ۲۰ سال) بن سید حبیب المصطفیٰ

بن سید بدر الحسن بن سید نور احمد بن صفی اللہ بن سید مظفر حسین بن سید عباد اللہ بن سید رحیم اللہ بن سید رمضان علی بن سید غلام مرتضیٰ بن دیوان سید محمود بن سید عبد الماجد بن سید عبد الخالق بن شاہ سید ابو الحسن بن سید محمد میر عدل بن سید منتجب بن سید بڑے بن سید چاند بن سید منتجب بن سید راجی بن سید عبد العزیز بن مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت بن سید علی بزرگ بن سید مرتضیٰ بن سید ابو المعالی بن سید ابو الفضل بن سید داؤد بن سید حسین بن سید علی بن سید ہارون بن جعفر ثانی بن امام علی نقی بن امام علی تقی بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا بنت خیر البشر جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(ملاحظہ ہو شجرہ نشان ۹) سید احسان احمد (عمر ۲۲ سال) بن ظفر حسن بن حکیم ضیاء الیقین بن شبیر علی بن نصیر علی بن قادر علی بن سید دوست علی بن عظیم الدین بن غلام شرف الدین بن سید عبد الباری بن دیوان سید محمود... لہٰذا جملہ اکتالیس پشتیں اسی حساب سے شمار میں آتی ہیں۔

اسی طرح جملہ اسماء مندرجہ شجرات کتاب ہذا کا اندازہ ایک دو پشتوں کی کمی زیادتی سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جو بلحاظ بعد زمانی ہمہ جہت سلسلہ نسب کے اتصال وصحت کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

ہمارا ارادہ ہے کہ جلد دوم کے اختتام پر مخدوم شاہ سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی تمام اولاد کے شجرات مرتب کر کے ایک مستقل کتاب کی شکل میں

شائع کریں گے جس میں آنجناب کے دونوں فرزندان نامدار عبدالعزیز و سید امیر علی کی اولاد کے اسمارِ گرامی موجودہ نسل کے لوگوں تک کامل تحقیق و دریافت کے بعد درج کیئے جائیں گے۔

بنی ہاشم کے باہمی تعلقات و سیادت بنی ہاشم اور بعض قبائل بنی ہاشم کا ذکر

(یہ مضمون بھی جلد دوم کے لیے مخصوص تھا۔ مگر بباعث عدم گنجائش جلد دوم اسے بھی شامل بعض دیگر مضامین کے جلد اول میں مجبوراً جگہ دی جاتی ہے امید ہے کہ ناظرین اس بے ترتیبی کے لیے ہمیں معذور سمجھیں گے۔

سید و سادات کے الفاظ قدیم سے بغرض اظہار نسب بنی فاطمہ اور صرف آل حسنینؑ سے مخصوص چلے آئے ہیں۔ اس پر جلد اول میں تفصیل بحث لکھی جا چکی ہے جس میں اس اصطلاح کی تخصیص اظہار نسب کی حد تک کماحقہٗ ثابت کر دی گئی ہے اور علمائے لغت اور تمام اہل عالم کی مقبولہ شہادت سے یہ دکھایا گیا ہے کہ سید سادات اصطلاحاً و عرفاً صرف آل فاطمہؓ ہی سے متعلق ہیں۔ اور بغرض اظہار نسب کسی غیر سے متعلق نہیں ہیں۔ تمام عالم اسلام بلکہ دیگر ممالک میں بھی ان دونوں لفظوں سے صرف یہی ایک مطلب ہمیشہ سے لیا جاتا رہا ہے اور اب بھی یہی معنی و مفہوم تمام دنیا میں ان کے لیے جاتے ہیں۔ العرض لفظ سیادت کا اطلاق اس محل پر ہمیشہ سے

اسی مفہوم میں ہوتا آیا ہے مگر حال میں بعض مدعیان سیادت نے اس سیادت مطلق کو بعض دیگر قیود سے قید کرنے کی سعی لاحاصل شروع کی ہے۔ سیادت ہاشمی وغیرہ ہمچنین الفاظ بغرض اظہار نسب تمام عالم کی مقبولہ اصطلاح کے خلاف ایک دو صاحبوں نے لکھنے کی جرات کی ہے۔ اور اس بینہ سیادت کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ تمام بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے اور یہ خمس کے مستحق ہیں لہٰذا بغرض اظہار نسب ان کو سید کہنا چاہیے۔ جلد اول میں اس پر کافی بحث ہو کر ثابت کیا گیا ہے کہ حرمت صدقات ایک خالص مذہبی مسئلہ ہے اور وضع اصطلاح سید و سادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تمام عالم اس پر گواہ ہے کہ سید و سادات کا استعمال اظہار نسب کے لیے ہمیشہ سے آل حسنینؑ سے مخصوص ہے دیگر قبائل بنی ہاشم کے افراد نے اپنے ناموں کے ساتھ بغرض اظہار عظمت نسب البتہ لفظ شیخ استعمال کیا ہے، اور اب بھی یہی لفظ اس محل پر استعمال ہوتا ہے۔ صدہا قدیم و جدید دستاویزات و کتب اور حکومت کے کاغذات سے بھی اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ مگر حال میں چند مدعیان سیادت بنی ہاشم نے اپنا قدیم اور موروثی لقب یعنی شیخ استعمال کرنا ترک کر دیا ہے اور بجائے اس کے اپنے ناموں کے ساتھ لفظ سید تحریر کرنا شروع کیا ہے۔ اب ان مدعیان سیادت کے نزدیک بجائے لفظ شیخ کے سید لکھنا فریضہ مذہبی سے کم نہیں ہے۔ اور وہ لقب عزیز جو صدہا سال سے ان کے اسلاف اس محل پر استعمال کرتے تھے اور اب بھی استعمال ہوتا ہے منبوض و مردود قرار پا چکا ہے۔ اب وہی لقب شیخ جو اسلاف کے لئے باعث فخر تھا ان مدعیاں سیادت کے لیے باعث ننگ ہے ان کے خیال میں قوم شیخ ذلیل اور ادنی قوم ہے۔ اور قوم سادات بالاتر و شریف تر ہے۔ اس

خیال کے تمام حضرات کو اور دیگر تمام اہل بصیرت کو اس کا اندازہ اچھی طرح ہے کہ اس جدید سیادت کو قبولیت عام کا درجہ نہیں حاصل ہو سکا۔ جب کبھی اور جہاں کہیں اس سیادت کا اظہار ہوا ہے ہر طرف سے تردد اور شک کا انکاری مظاہرہ اس دعوے وانظہار پر کیا گیا ہے کیونکہ خواص و عوام سید و سادات کے القاب کو اظہار نسب کی حد تک بنی فاطمہ ہی سے مخصوص مانتے آئے ہیں۔

بنو ہاشم کو جو بزرگی قبائل عرب میں حاصل رہی ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں حضور سرور کائنات صلعم کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے بنی ہاشم کو دیگر اقوام عالم سے برگزیدہ کیا ہے۔ بے شک بنو ہاشم اگر ہاشمی ہونے پر برمحل فخر کریں تو سراسر درست ہے۔ سادات بھی بنو ہاشم سے ہیں لیکن ان میں ازدیاد سیادت کا خاص باعث جناب سرور کائنات صلعم کی وہ خاص قرابت قریبہ ہے جس میں کوئی دوسری شاخ بنی ہاشم کی ان کی شریک نہیں ہے اور یہی خاص باعث ان کی زیادت تعظیم و تکریم کا ہے۔ یہی سادات ہیں جن کے مورثوں کی محبت و عظمت حسب صراحت سید الانبیا صلعم اجر رسالت قرار پائی ہے۔ یہی ہیں جن کی محبت (فرض من اللہ فی القرآن انزلہ۔ امام شافعیؒ) بیان کی گئی ہے۔ یہی ہیں جو دیگر بنی ہاشم میں سے نمایاں طور پر سیادت و زیادت تعظیم کے مستحق جمہور مسلمین کے نزدیک قرار پائے ہیں۔ اگر کوئی حاسد ان کی زیادت تعظیم پر چیں بجبیں ہو تو اس کا کیا علاج کہ جمہور مسلمین اس زیادت تعظیم میں ان کو سادات کا شریک نہیں مانتے۔ یہی وہ زیادہ تعظیم و تکریم ہے جس کا اظہار خاصان خدا نے سادات کے لئے اپنی جان کی قربانیوں سے بھی بارہا کیا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کو اسی زیادہ تعظیم سادات کے بدلہ میں زہر کا پیالہ پیش کیا گیا۔ اور وہ

اسے جرعۂ آب حیات سمجھ کر جان بحق ہوئے۔ نور اللہ مضجعہ وشکر اللہ مساعیہ۔
اسی زیادہ تعظیم سادات کے بدلہ میں امام مالک رحمہ نے کوڑے کھائے۔ اسی زیادہ تعظیم
سادات کے صلہ میں امام شافعی رحمہ نے طرح طرح کی ایذا برداشت کی اور رافضی کہلائے
الغرض ہم کہاں تک لکھیں کہ اس مضمون خاص کے لیے ایک دفتر کی ضرورت ہے۔ ہمیشہ
سے جو نمایاں حیثیت سادات کو تمام بنی ہاشم میں باعتبار اپنے مخصوص فضائل کے
حاصل رہی ہے اس کا انکار بجز چند ایسے اشخاص کے جو تاریخ میں خاص طور پر بدنام
ہیں تمام بنو ہاشم میں کسی نے نہیں کیا اور تمام علمار امت بھی جو کانبیار بنی اسرائیل
مانے جاتے ہیں سادات کی بے مثل بزرگی اور زیادہ تعظیم کے قولاً وفعلاً معتقد و
معترف رہے ہیں۔ علامہ فخر الدین رازی جو علمار مفسرین کے پیشوا و امام مانے جاتے
ہیں اپنی مشہور آفاق تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں۔ فروی صاحب الکشاف انہ
لما نزلت ھٰذہ الایۃ یعنی ایۃ المودۃ قالوا یارسول اللہ صلعم ومن
القربیٰ الذین یجب علینا مودتھم فقال صلعم علی و فاطمۃ وابناھما۔
فثبت ان ھٰؤلاء الاربعۃ قربی النبی فوجب اختصاصھم بزیادۃ
التعظیم ثم ذکر اسباب تعظیمھم بالاجمال ثم بالتفصیل (یعنی صاحب
کشاف نے روایت کی ہے کہ رسول صلعم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے وہ اقربا
کون کون ہیں جن کی محبت ہم سب پر واجب کی گئی ہے۔ حضور صلعم نے جواب دیا
کہ وہ علی اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے ہیں پس ثابت ہوا کہ یہی وہ اقربائے
نبی ہیں پس واجب ہوئی خصوصیت ان کی زیادتی تعظیم کے ساتھ پس ذکر کئے گئے
اسباب تعظیم ان کے اجمالاً وتفصیلاً یہی وہ زیادہ تعظیم سادات تھی جس نے حاسد دل

سے فرزندان رسول صلعم پر طرح طرح کے مظالم کرائے بنو امیہ نے اپنی سلطنت میں قریباً
ایک صدی تک اسی زیادۂ تعظیم سادات کو مسدود کرانے کی طرح طرح سے کوشش
کی مساجد میں علانیہ اہل بیت رسول صلعم اور ان کی اولاد امجاد پر خطبوں میں لعنت
کرائی گئی خاندان نبوت پر لعنت کرنا ان کے نزدیک داخل عبادت رہا کوئی دقیقہ
اہانت و ایذار اولاد رسول میں باقی نہ چھوڑا گیا۔ اس کے بعد عباسی دور شروع
ہوا۔ ان کے دور حکومت میں بھی طرح طرح سے زیادۂ تعظیم سادات کو مسدود کرنے
کے لیے سیف و لسان سے کام لیا جاتا رہا۔ کبھی یہ دعویٰ کیا گیا کہ رسول اللہ کے وارث
و جانشین ہم ہیں۔ کبھی کہا گیا کہ آل رسول کو ہم نے عزت بخشی ہے کبھی کہا گیا کہ سادات
آل رسول نہیں ہیں کیونکہ کلام اللہ میں موجود ہے کہ رسول کے کوئی بیٹا نہیں ہے۔ اسی
زیادۂ تعظیم سادات کو مسدود کرنے کے لیے بعض ظالموں نے قرۃ العین نبیؐ اور جوانان
جنت کے سردار کی قبر کو ہل چلوا کر بے نشان کر دینا چاہا۔ کم و بیش پانسو برس تک
اس حکومت کے طویل دور میں سادات کی ایذا و اہانت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی
گئی مستثنیات کا یہاں ذکر نہیں ہے لیکن دنیائے اسلام گواہ ہے کہ حق مظلوم ضرور
ہو سکتا ہے۔ اور مظلوم رہتا آیا ہے مگر مغلوب نہیں ہو سکتا بنی امیہ کی یک صد سالہ
اور عباسیہ کی پانصد سالہ حکومتوں کی کوششیں جو زیادۂ تعظیم سادات کے انسداد
کے لیے سیفاً و لساناً ہوتی رہیں یک قلم بے کار گئیں اور سادات کی زیادۂ تعظیم
اپنے مقام پر باقی رہی اور اس وقت تک اس کا باقی رہنا برحق ہے جب تک کہ
خود سید الانبیاؐ کی محبت و وقعت امت مرحومہ کے نزدیک داخل ایمان ہے
حجۃ الملۃ والدین علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور یہ تحریر فرما گئے کہ بنی امیہ اور عباسیہ

جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے
سیرۃ النبی) اسی کے ساتھ ساتھ ہر شخص بلا خوف و تردید یہ بھی کہنے کا مجاز ہے کہ سادات
بھی اُسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے سادات کے اس مقام
ارفع و اعلیٰ کا بیان ترجمان کلام نبی سیدۃ الطائفہ حکیم سنائی (وہ حکیم سنائی جن
کی قدر و منزلت کے بیان کے لیے عارف رومیؒ کے قلم و زبان کی ضرورت
ہے) اس طرح کرتے ہیں۔

جز کتاب اللہ و عترۃ ز احمد مرسل نماند یادگارے کو توان تا روز محشر داشتن

الغرض تمام عالم میں سادات ہی بغرض اظہار نسب آل رسول ہیں۔ سادات
ہی عترۃ رسول ہیں۔ سادات ہی ذریت رسول ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ جب بقول
جناب باری تعالیٰ شانہ حضرت عیسیٰ اپنے مادری رشتہ سے ذریت ابراہیم ہیں بنی
فاطمہ ذریت محمد نہ کہے جائیں ولو کرہ المخالفون۔ ان کی یہ سیادت ان کی یہ بزرگی
ان کا یہ شرف مخصوص اپنی جگہ ہے ہی ہیں جو بقول فخر رازیؒ وغیرہ اکابر علماء امت وجوباً
آل محمد ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷ کتاب ہذا) ان کے محامد و مناقب اکابر امت و عارفین
حق آگاہ میں سے ہر ایک نے بیش از بیش بیان کیے ہیں بلکہ اگر بغور دیکھا جائے
تو معلوم ہوگا کہ کسی کو صف اکابر میں اس وقت تک جگہ نہیں ملی جب تک کہ اس نے
ان کے محامد و مناقب کا خراج کما حقہٗ ادا نہ کر لیا ان کے مناقب و محامد بدرِ چاچ
اور عنصری کی مدح و ثنا سے مستغنی ہیں جنہوں نے بعض بادشاہان وقت کی ثنا و صفت
بطلب جیفۂ دنیا بیان کی اور اب دنیا میں ان کا کوئی جانشین موجود نہیں ہے۔
یہ شرف سادات ہی کو حاصل ہے کہ باوجود مظلوم و مجبور ہونے اور باوجود دنیوی

شوکت و اقتدار نہ رکھنے کے اکابر امت وخاصان خدا دل وجان وایمان سے ان کے ثنا خواں رہے اور اب بھی عالم اسلام کے ہر گوشہ سے خاندان سادات کی نذر عقیدت بدستور پیش ہوتی رہتی ہے اور انشاءاللہ تا بقیامت یہ سلسلہ باقی رہے گا۔ سادات کے ایک مورث یعنی جناب علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت نگاری کرتے ہوئے زمانہ حال کا سب سے بڑا ناظم وشاعر ترجمان حقیقت علامہ اقبال تحریر کرتا ہے

از ولائے دودمانش زندہ ام　　　　در جہاں مثل گہر تابندہ ام

زمزم ار جوشد ز خاک من ازوست　　　　مے اگر ریزد ز تاک من ازوست

صحابۂ اخیار و تابعین نامدار وفقہائے ابرار وصوفیا رکبار و دیگر خواص وعوام امت نے سادات کے بچے بچے کی جو عزت و وقعت اپنے اقوال سے ہمیشہ کی ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے دنیا کی کوئی ظاہری شان وشوکت غریب و مظلوم سادات کے پاس نہ تھی۔ صرف اولاد رسول ہونے کے باعث مسلمانوں کے ہر طبقہ میں خواہ وہ سلاطین وقت ہوں یا کسی دوسری جماعت کے اکابر ہوں سادات کی وہ عزت وعظمت کی گئی ہے جس کی کوئی نظیر نہ ملے گی۔ حضرت خواجہ فریدالدین عطار رح تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ) امام شافعی رح ایک روز درس میں دس بار اٹھے بیٹھے لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے آپ نے فرمایا کہ ایک سیدزادہ دروازہ پر کھیل رہا ہے۔ جس وقت وہ نزدیک آتا ہے تو میں اس کی تعظیم کے لیے اٹھتا ہوں جائز نہیں ہے کہ فرزند رسول میرے نزدیک آے اور میں اس کی تعظیم کے لیے نہ اٹھوں (تذکرۃ الاولیا) اس قسم کے ہزارہا واقعات کتب تذکرہ میں ملتے ہیں سلاطین وقت نے بھی طرح طرح سے سادات کی عظمت اولاد رسول کی امتیازی شان مدنظر

رکھ کر کی ہے اور ان کی عظمت نسب کا خاص طور پر لحاظ کرتے ہوئے بلا لحاظ خدمات شاہی ان کو املاک عطا کیں ان کے بیش قرار وظائف مقرر کیئے اور ان کی قدم بوسی کو بلحاظ اولاد رسول ہونے کے اپنے لیے باعث فخر و مباہات جانتے رہے اور بمضمون حدیث شریف (اکرموا اولادی... الخ) سادات کی خدمت کرنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے رہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی وفات کے وقت جو وصیتیں تحریر کرائیں ان میں سے ایک نمایاں وصیت یہ بھی ہے کہ سادات کا احترام و اعزاز اور ان کی مراعات کا خاص طور پر لحاظ رکھا جائے کہ اولاد رسول کی محبت خاص رسول کی محبت ہے۔ الغرض اس قسم کے صدہا واقعات کتب تذکرہ میں ملتے ہیں جن کی تفصیل یہاں کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

لیل و نہار کی گردش سے حاسدوں کے ہاتھ میں اب سادات کے مقابلہ کے لیے سیف و سنان تو باقی نہ رہی اور اس کا استعمال اموی و عباسی دور کے ساتھ ختم ہوگیا البتہ اب بھی کہیں کہیں کوئی کوئی حاسد زبان و قلم سے سیف و سنان کا کام لینے کی سعی لاحاصل ضرور کر لیتا ہے مگر باوجود اس طویل مشاغبہ کے سادات اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے۔ کیا ہی خوب کہا ہے بدایوں کے مشہور صوفی بزرگ نے۔ ؎

یہ رتبے جہاں میں کس ولی نے پائے	پائے تو فقط آل نبی نے پائے
مختار جہاں شافع روز محشر	یہ مرتبے اولاد علی نے پائے

شاعر نے ان دو شعروں میں جن امور کا اظہار کیا ہے وہی ہیں جسے دیگر اکابر امت بار بار لکھتے آئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت واہب العطایا جل شانہ

کے علیات و انعامات کسی ایک قوم یہ جماعت سے مخصوص نہیں ہیں اور اس کے فیض عام کی بارش ہر طرف ہوتی ہے لیکن ان میں بھی انعامات و فضائل کی تخصیص و امتیاز کے مدارج ہیں۔ اولیا اللہ ہر جماعت اور ہر قوم کے افراد ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی بفضلہ تعالیٰ سادات کو امتیازی درجہ حاصل رہا ہے۔ اس وقت اولیاء اللہ کی برگزیدہ جماعت میں جو درجۂ امتیاز سلالۂ دودمان خاتم النبیین برگزیدہ آل طٰہٰ ویٰس سراج السالکین محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی جناب غوث اعظم رح کو حاصل ہے اور جو عزت و وقعت اس برگزیدہ بارگاہ ایزدی کو ملی ہے۔ وہ معتقدین سے مخفی نہیں ہے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ بہ عقیدۂ اہل سنت اولیا کی جماعت میں سب سے بلند مرتبہ آپ ہی کا ہے۔ ہندوستان میں بھی سلطان الہند خواجہ غریب نواز چشتی سنجری اجمیری تمام اولیاء ہند کے سرتاج ہیں۔ دکن میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز رح اور دیگر اطراف واکناف ہند میں حضرت مخدوم علی احمد صابر کلیری اور حضرت نظام الدین اولیا اور بعض دیگر مشاہیر اولیا یہ سب جماعت سادات ہی کے افراد ہیں اور بے شک یہ ایک بڑی عزت اور قابل صد شکر انعام الٰہی ہے جس سے جماعت سادات کو نمایاں طور پر اس منعم حقیقی تعالیٰ شانہ نے سرفراز فرمایا ہے۔

خداوند عالم نے اپنے انعامات وافرہ و افضال متکاثرہ سے سادات کو سرفرازی بخشی۔ اس پر بعض کے بعض ہم جد حسد سے جلنے لگے اس کا مظاہرہ بار بار طرح طرح سے ہوتا رہا ہے اور اب بھی کہیں کہیں سے کوئی کمزور آواز ان تاریخی واقعات کی آواز بازگشت کے طور پر سننے میں آجاتی ہے۔ بعض سلاطین نے جن کا نام خاص طور پر تاریخ میں مشہور رہے اسی زیادہ تعظیم سادات اور ان کی امتیازی

شان سے متاثر ہو کر بے شمار نا روا مظالم افراد سادات اور ہمدردان آل رسول پر کئے ہیں۔ اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں اور نہ اس کی کوئی خاص ضرورت ہے کہ اہل نظر اس کی تفصیل سے اچھی طرح واقف ہیں۔ ایک دو واقعات یہاں بر سبیل مثال نقل کئے جاتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی مشہور معروف تاریخ میں تحریر فرماتے ہیں:

سنہ ۲۴۴ھ میں خلیفہ متوکل عباسی نے یعقوب بن سکیت امام عربیہ کو جو اس کے بیٹوں کا استاد تھا مروا دیا۔ ابن سکیت مذکور کی خطا یہ تھی کہ ایک روز متوکل نے اپنے لڑکوں معتز اور مؤید کو دیکھ کر ابن سکیت سے دریافت کیا کہ تمہارے نزدیک یہ دونوں اچھے اور محبوب ہیں یا حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) ابن سکیت نے جواب دیا کہ معتز و مؤید سے تو قنبر حضرت علی کرم اللہ وجہ کا غلام بھی بہتر ہے چہ جائے کہ حسنؑ و حسینؑ سے ان کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ جواب سن کر متوکل نے چند ترکوں کو حکم دیا کہ ابن سکیت کو چت لٹا کر اس کے پیٹ پر اس وقت تک کودو جب تک یہ زندہ رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ متوکل نے ابن سکیت کی زبان تالو سے کھچوائی اور یہ مر گئے۔ (ترجمہ تاریخ الخلفا سیوطی)۔

ہم حیران ہیں کہ ابن سکیت کی اس جرأت و صداقت کی داد دیں اور اس کے حق میں دعاء مغفرت کریں یا اس تاریخی مغالطہ کا بیان کما حقہٗ کریں کہ سادات کے مقابل متشددانہ کارروائیاں ان کی مخالف سازشوں کی پاداش میں سلطنت کی طرف سے عمل میں آتی تھیں خاص خاص واقعات سے اس وقت بحث نہیں یہاں اس ذہنیت کا بیان مقصود ہے جو سادات کی زیادہ تعظیم کے اثر سے مختلف اشکال میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ سادات میں سے کسی نے حکومت وقت کے خلاف

خاص حالات میں کوئی کارروائی کسی وقت کی ہو اور بعض ایسے واقعات تاریخ میں بھی درج ہیں۔ لیکن جب تک کوئی خاص واقعہ یا واقعات پیش نظر نہ ہوں اور فریقین کے دعاوی و بیانات اور مورخین کی آزاد شہادت پر غور نہ کر لیا جائے یہ عام حکم لگانا کہ سادات کی مخالفانہ جد و جہد کی پاداش میں یہ سب تشدد آمیز کارروائیاں کی جاتی تھیں ایک نہایت جلی تاریخی مغالطہ ہے جائے غور ہے کہ ابن سکیت نے سلطنت کے مقابل کونسی مخالفانہ جد و جہد کی تھی جو متوکل نے غایت سفاکی سے اس کی جان لی وہ کونسا خدشہ حکومت کو اس کی ذات سے تھا کہ اس کا خون مباح کر لیا گیا ظاہر ہے کہ یہی زیادہ تعظیم اولاد رسول صلعم ابن سکیت کے لئے واصل بحق ہونے کا ذریعہ ہوئی خدا اسے غریق رحمت کرے اور اس کی دینی حمیت اور اولاد رسول کی محبت و عزت کا کہ عین رسول صلعم کی محبت و عزت ہے اسے اجر عطا فرمائے۔ اسی خلیفہ متوکل نے فرزند رسول اللہ صلعم کو اس کی آخری آرام گاہ میں بے چین کیا اور اس پر ہل چلوائے۔ علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں۔

سنہ ۲۳۶ھ میں خلیفہ متوکل عباسی نے جناب امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر اور ان مقابر کو جو اس کے گرد وپیش تھیں کھدوا دینے کا حکم دے کر وہاں کاشت کرنے کا حکم دیا اور لوگوں کو زیارت کرنے سے منع کر دیا۔ بہت دنوں تک یہ خراب اور جنگل بنا رہا۔ اس کی اس حرکت کی وجہ سے لوگوں کو بہت صدمہ پہنچا اور اس کو ناصبی (خارجی) کا لقب دے دیا اور اہل بغداد نے دیواروں اور مسجدوں پر گالیاں لکھ کر چپکائیں شعرا نے اس کی ہجو میں نظمیں لکھیں از انجملہ ایک نظم یہ بھی تھی۔ (ترجمہ) واللہ بنی امیہ نے پیدا ہو کر نبی کے نواسے کو ظلم سے

قتل کیا اور اب اس کی نسل ایک اور راموی آگیا اور اس نے فرزند رسول کی
قبر اکھڑوا پھینکی متوکل کو رنج و افسوس تھا کہ میں حسین کے قتل میں کیوں نہ شریک تھا
اس لیے ان کی ہڈیاں اکھڑوا دیں (ترجمہ تاریخ الخلفاء سیوطی)۔ فاعتبروا یا
اولی الابصار ؎

اترجو امۃ قتلت حسینا — شفاعت جدہ یوم الحساب (سر الشہادتین)

ترجمہ شعر: شبیر کے قاتل کیا فردائے قیامت میں — امید بھی رکھتے ہیں نانا کی شفاعت کی۔

ایک صاحب جن کو تاریخ دانی کا بڑا دعوی ہے فرماتے تھے کہ متوکل نے قبر پرستی کے امکان و احتمال کی بنا پر قبر حسین کو کھدوا دیا تھا۔ کہ اس خدشہ کا ہمیشہ کے لیے سدباب ہو جائے اور فرماتے تھے کہ حدیث نبوی ہے کہ میری قبر کو صنم نہ بنا لینا اس کی تعمیل میں قبر حسین کے ساتھ متوکل نے یہ عمل کیا ان بزرگ کے اس ارشاد کے متعلق ہم حیران ہیں کہ کیا عرض کریں۔ اگر متوکل کو قبر پرستی کا انسداد ہی مدنظر تھا تو کیا دوسرے ذرایع مسدود تھے۔ اس کا انتظام عمدہ طریقہ سے بطور دیگر بھی ممکن تھا اور اس احتمال و امکان سے تو تمام بزرگان امت و خاصان خدا کی قبور کا تعلق موجود تھا اور ابتک بھی ہے یہ قبر حسین ہی کی کیا خصوصیت تھی کہ نہ صرف اکھڑ دانے کا عمل کیا گیا بلکہ ہل چلوا کر اپنی دانست میں اچھی طرح فرزند رسول کی اہانت بھی کی گئی۔
اب رہے صنم پرستی کے امکانات و احتمالات وہ بہر حال خود قبر مطہر رسول صلعم کے متعلق بھی موجود تھے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ صنم اکبر (خاکم بدہن) کو چھوڑ کر صنم اصغر کے ساتھ یہ عمل کیا گیا۔ اور یہ بھی کوئی طریقہ انسداد ہے کہ قبر اکھڑوائی گئی اور اس پر جانوروں سے ہل چلوا کر اس مقام کو پامال بھی کرایا گیا اور جانوروں کا بول و براز بھی وہاں

پڑتا رہا۔ کیا مسلمانوں کی دینی حمیت کا تقاضا یہی ہے کہ فرزند رسول صلعم کی قبر کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جائے۔ قبر پرستی کے امکانات و احتمالات کے انسداد کا ہر بہتر ذریعہ حکومت وقت کو میسر تھا۔ قبر اکھڑوا کر اس کی توہین جس طرح روا رکھی گئی ہے وہ اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ کیا زنا اور ایسے ہی افعال کے ارتکاب کے انسداد کے لیے کوئی باپ اپنے بیٹے کو خصی کرا دینا پسند کرتا ہے کیونکہ احتمال و امکان زنا کا ہر وقت وجود ہے۔ اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ قبر پرستی کے انسداد کے لیے قبر کا اکھاڑ دینا اور اس کی بے حرمتی کرنا کسی مذہب میں بھی فعل مستحسن نہیں ہے اور کسی طرح بھی پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ کیا اگر کوئی بدبخت شقی قبر مطہر رسول صلعم کے ساتھ یہ عمل کرے تو مسلمانان عالم کے قلوب بے چین نہ ہو جائینگے اور کیا یہ عذر اس وقت قابل سماعت ہوگا کہ قبر پرستی کے امکانات و احتمالات کے انسداد کے لیے رسولؐ کی قبر اکھاڑی گئی اور اس پر ہل چلوائے گئے۔

اصل یہ ہے کہ جو عزت و محبت عامۂ مسلمین کے قلوب میں آل نبیؐ کی تھی وہ آل عباسؓ کی نہ تھی (آل عباس اچھی طرح جانتے تھے کہ قرب رسول جس کی بنا پر ہم نے حکومت حاصل کی ہے۔ اس میں آل رسول کا درجہ ہم سے بڑھ کر ہے۔ تاریخ الامت) اور یہی وجہ تھی کہ سلاطین وقت لوگوں کے اجسام کے ساتھ قلوب پر بھی جبراً حکومت کرنا چاہتے تھے اور زیادہ تعظیم سادات کو جبراً و قہراً روکنا چاہتے تھے۔ صدہا سال تک اسی قسم کی معاندانہ و حاسدانہ کارروائیوں کا سلسلہ جاری رہا جن کے بیان کرنے کے لیے بقول شبلی نعمانی مرحوم و مغفور بڑا سخت دل چاہیے (سیرۃ النعمان) مگر دنیا نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ حق مظلوم ضرور رہا مگر مغلوب نہ ہو سکا

دنیا میں اب بھی آل عباسؓ و آل نبی موجود ہیں اور ان کا فرق مراتب بھی بدستور اسی نسبت سے موجود ہے جو حضرت عباسؓ اور آنحضرت صلعم کے مرتبہ میں تھا۔

اس میں شک نہیں کہ انھیں سلاطین میں بعض نیک دل اور محب آل رسول بھی ہوئے ہیں اور بار بار انھوں نے آل رسول سے مختلف طریقوں سے اظہار عقیدت و محبت کیا ہے۔ اس کی ایک بہترین مثال (بشرطیکہ اس کا دامن قتل امامؑ میں آلودہ نہ ہو) مامون اعظم کی پیش کی جاسکتی ہے کہ اس نے آل رسول کے ساتھ اپنی روحانی وجسمانی عقیدت کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ مصاہرت کا تعلق بھی خاندان سادات سے قائم کیا اور اس قرض کے ادا کرنے کی کوشش کی جو خاندان سادات کا مدتوں سے خاندان عباسیہ پر چلا آتا تھا۔ اگرچہ بقول شبلی نعمانی وغیرہ وہ اس کے ادا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا یعنی یہ کہ ولایت عہد کی تکمیل عملی طور سے نہ ہوسکی اور جس خاندان نے دولت اسلامیہ کو موروثی ترکہ بنا کر دولت عباسیہ بنا لیا تھا۔ اس پر سادات کا یہ قرضہ بدستور باقی رہ گیا اور اب تک بدستور باقی چلا آتا ہے آل عباسؓ میں اب بھی ہزارہا ایسے نیک دل موجود ہوں گے جو سادات کی زیادت تعظیم اور اس قرضہ کے معترف ہوں گے جو آل نبیؐ کا آل عباسؓ پر باقی چلا آتا ہے اور جس کی شہادت مامون اعظم جیسے جلیل القدر بادشاہ اور دیگر اکابر نے بار بار ادا کی ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۵۶ کتاب ہذا)

الغرض آل رسول کی زیادۃ تعظیم و تکریم اور بنی ہاشم میں ان کا نمایاں اور ممتاز ترین مقام ہمیشہ سے تسلیم ہوتے آئے ہیں۔ اور اس وقت تک ان کا باقی رہنا واجبی اور یقینی ہے جب تک خود رسول کریم کی محبت و عظمت امت مرحومہ کے

عقیدہ میں داخل ہے یہی وہ جماعت ہے جو بغرض اظہار نسب آل رسول کہلائی یہی وہ جماعت ہے جو سید و سادات سے تمام عالم میں مخاطب ہوئی۔ یہی وہ جماعت ہے جسے بقول شیعہ خلافت بلافصل ملی اور بقول اہل سنت خلافت راشدہ میں اسے دوہرا حصہ ملا جو نبوت کے بعد عظیم ترین مقام مجد و شرف ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اسی جماعت کا ایک جد سردار انبیا و سردار دو عالم ہوا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الغرض نبوت و خلافت و امامت و ولایت کا کوئی ایسا عظیم الشان شرف باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث سادات کے اجداد امجاد نہ ہوئے ہوں سادات کے لیے بے شک یہ مقام فخر ہے کہ جاہلیت کے کسی شرف سے یہ مشرف نہ ہوئے اور اسلام میں کوئی شرف ایسا باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث یہ نہ ہوئے ہوں۔ آثار جاہلیت و خلافت غیر راشدہ یا بالفاظ دیگر ملک عضوض کا شرف انہیں کو مبارک ہو جو اس کے مدعی ہیں۔ خلیفہ منصور نے اپنی نسبی تعلی کا راگ گاتے ہوئے یہ تو لکھ دیا کہ جاہلیت و اسلام کا کوئی ایسا شرف باقی نہ رہا جس کے وارث و مورث حضرت عباسؓ نہ ہوئے ہوں مگر لکھتے وقت اسے یہ خیال نہ رہا کہ جاہلیت میں جو امور باعث شرف و افتخار سمجھے جاتے تھے ان میں بت پرستی سود خواری دختر کشی قتل و خون ریزی و ہمچنین دیگر افعال بھی تھے۔ کیا کوئی مسلمان ذی عقل ہو کر یہ فخر کر سکتا ہے کہ میرا دادا ان تمام شرفوں سے جاہلیت میں مشرف تھا اور اگر کوئی ان پر فخر کرتا ہے تو کرے ہم ہرگز یقین نہیں کر سکتے کہ حضرت عباسؓ کی ذات گرامی کے لیے یہ امور کسی طرح بھی باعث شرف سمجھے جا سکتے ہیں۔ (اب رہی اسلامی نقطۂ نظر سے حضرت عباسؓ کی قدر و منزلت وہ جس حد تک ہے عقیدتمندوں سے مخفی نہیں ہے) البتہ ایک سقایت الحاج

کا منصب ہے جو آثار جاہلیت میں سے باقی رہ گیا تھا اس کا حال جو کچھ ہے اسلامی
نقطۂ نظر سے اپنی جگہ پر ہے اور جو سابقین اسلام سبقت فی الایمان وسبقت فی الہجرۃ
وسبقت فی الجہاد وغیرہ سے مشرف ہوئے اور خود خداوند عالم نے ان کے مدارج
عالیہ و محامد جلیلہ کا ذکر کلام پاک میں کر دیا ان کے لیے یہ سقایۃ الحاج کا منصب
نہ کوئی دنیوی شرف ہو سکتا ہے اور نہ دینی اور آیہ کریمہ اجعلتم سقایۃ الحاج
وعمارۃ المسجد الحرام کمن آمن باللہ الخ نے اس بہنیہ شرف کی قدر ومنزلت کا
اچھی طرح فیصلہ بھی کر دیا ملاحظہ ہوں تفسیر درمنثور وغیرہ نیز ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۲ کتاب ہذا
بے شک سابقون الاولون من المہاجرین والانصار میں شامل ہونے کا شرف عظیم مجاہد
فی سبیل اللہ ہونے۔ اصحاب بدر میں شامل ہونے۔ عشرہ مبشرہ میں شمار ہونے
کے شرف الغرض سوابق اسلامیہ کے تمام شرف اسلامی نقطۂ نظر سے ایسے شرف
ہیں جن کے سامنے سقایۃ الحاج کے منصب کی قدر وقیمت عقیدتمندوں کے نزدیک
کچھ بھی نہیں ہے قرابتداران رسول اللہ صلعم میں بھی باعتبار قرابت و باعتبار حسب
ونسب علماء خواص وعوام امت کا عقیدہ یہ ہے کہ این چارتن (علی و فاطمہ وابناہما)
عمدہ و نخبۂ این جماعت اند (مدارج النبوہ) بحمداللہ سادات کے اجداد میں ایک
کو سیدالانبیا اور سردار دو عالم ہونے کا شرف اگر حاصل ہے تو دوسرے جد میں وہ
تمام خصوصیات جمع ہیں جو سیدالانبیا کے ساتھ اسی نسبت سے ہیں جو ہارون علیہ
السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی (حدیث متواتر)۔

نیست پیغمبر مگر در پیش گاہ احمدی ہمچو ہارون است پیش موسی عمراں علی

الحمد للہ علی احسانہ کہ سادات کے اجداد کو سرداری دو عالم اور خلافت

راشدہ کا وہ شرف مل چکا ہے کہ دنیا کا کوئی شرف اس کے مقابلہ کے لیے پیش نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ کٹ کہنی حکومت پر فخر کرنے سے بے نیاز و مستغنی ہیں۔ صاحبان عقیدت کے نزدیک اس ملک عضوض کے ہزار سالہ شرف کا مقابلہ خلافت راشدہ کی ایک ساعت کے شرف سے بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

زمانہ حال کے ایک صاحب جو سادات کی زیادہ تعظیم سے بے حد آزردہ خاطر بلکہ برافروختہ معلوم ہوتے ہیں ایک رسالہ میں کسی صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طویل مضمون تحریر فرماتے ہیں جس کے بعض اقتباسات یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

"ہم نہ مانیں گے کبھی نہ مانیں گے کہ بیٹی کا بیٹا اپنے نانا کا بیٹا بھی کسی طرح ہو سکتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ تمام جہاں سے نرالا اور انوکھا اصول خاص اولاد فاطمہ کے لیے کس طرح بنا لیا گیا۔ کیا آپ اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش کر سکتے ہیں کہ فلاں مقام پر بیٹی کی اولاد کو نانا کی ذریت سمجھا گیا ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ مجازاً اپنے نواسہ کو بلکہ غیروں کے بچے کو بھی بیٹا کہکر پکار لیتے ہیں ایسے بیٹے درجہ دوم کے ہوتے ہیں۔ اور اس مجاز سے حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے ..... یہ سب اصطلاحات آل رسول و ذریت رسول و ابن رسول وغیرہ خود ساختہ ہیں جو اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے لیے وضع کی گئی ہیں اور جن کی حقیقت ہمیں اچھی طرح معلوم ہے ..... خلافت عباسیہ کے سر سبز چمن کو پامال کرانے اور اپنی جماعت کے لیے عوام کی ہمدردی حاصل کرنے کے خیال سے طرح طرح کی تدبیریں کی جاتی تھیں۔ از انجملہ ایک یہ بھی

تھی کہ اپنی نسبی فوقیت کا ادعا ہمارے خاندان (یعنی عباسی خاندان) کے مقابل کیا جاتا تھا کہ ہم رسول اللہ کی ذرّیت ہیں اور عباسی خاندان سے فضیلت نسب میں برتر ہیں ..... اور وہ کونسی خدمات جلیلہ بقول آپ کے خاندان سادات نے کی ہیں جن کے لیے ملت اسلامی ہمیشہ ان کی ممنون رہے گی جب دیکھیے اور جہاں دیکھیے سازشوں کا ایک دفتر تھا جو اس نام نہاد ذرّیت رسول نے خلافت اسلامیہ کے خلاف کھول رکھا تھا۔ کبھی خلافت بنی امیہ کے خلاف کیسی سازاور جنگی کارروائیاں کیں اور منہ کی کھائی کبھی عباسی خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین کے خلاف ایسی ہی کارروائیاں کیں اور کچھ بن نہ آئی اور جب ان ظالم مفسدہ پردازیوں کی گوشمالی کی گئی تو لگے پکارنے ہم مظلوم ہیں دوڑو مدد کرو ہماری کیونکہ ہم اولاد رسول ہیں ...... خدا غارت کرے اس نسلی تعصب کو کہ خود کو سید و سادات کہتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہی ہم جدی اور خالص ہاشمی اپنے کو سید لکھے تو اُسے تسلیم نہیں کرتے اور نہ دیگر ہاشمی خاندانوں کو اہل بیت رسول اللہ میں شمار کرتے ہیں ...... خدا غارت کرے اس عقیدہ تفضیل کو یہی پدیدۂ رفض اور تمام فسادات کی اصل ہے .... حیرت ہے کہ مادری رشتہ کو بی بی فاطمہؓ کی نسل میں اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اور نسل سادات میں دیگر اقوام اور ادنیٰ طبقہ کی جو عورتیں اور کنیزیں اولاد کی مائیں بنیں ان کا رشتہ فخر نسب کے وقت فراموش کر دیا جاتا ہے ...... الخ

ان بیانات کی طرف متوجہ ہونیکی کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی کیونکہ یہ وہی خیالات ہیں جن کا اظہار اب مدعیان سیادت بنی ہاشم کی طرف سے بار بار کیا گیا ہے

اور قریب قریب ان تمام امور پر جلد اول کے مختلف مقامات میں بحث لکھی جا چکی ہے لیکن چونکہ یہاں سیادت بنی ہاشم اور فضیلت نسب کا علیحدہ ذکر کیا جا رہا ہے مناسب معلوم ہوا کہ غایت اختصار کے ساتھ ان بیانات کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کر دیا جائے تاکہ اس کی یکجائی بحث بیک وقت نظر سے گزر سکے۔ واضح رہے کہ ہم نہایت ہی اختصار کے ساتھ اظہار خیالات کے لیے مجبور ہیں کیونکہ اب ضروری سے ضروری طوالت کے لیے بھی کتاب ہذا میں گنجائش باقی نہیں ہے۔

لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں (تمام جہان سے نرالا اور انوکھا اصول خاص اولاد فاطمہ کے لیے کس طرح بنا لیا گیا کیا آپ اس کی کوئی ایک مثال بھی پیش کر سکتے ہیں کہ فلاں مقام پر بیٹی کی اولاد کو نانا کی ذریت سمجھا گیا ہے)۔ خود کلام الٰہی اس پر ناطق ہے لہذا کسی دوسری طرف مثال کے لیے توجہ کرنے کی ضرورت نہیں متعدد مقامات پر جلد اول میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہاں بھی اشارۃً جناب سند المتکلمین فخر المتاخرین مولٰنا شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا کلام نقل کیا جاتا ہے۔ (ان ابن البنت لہ حکم الابن و لھذا یعد عیسیٰ فی بنی اسرائیل۔ سر الشہادتین) یعنے نواسہ بیٹے کے حکم میں داخل ہوتا ہے لہذا عیسیٰ بنی اسرائیل کہلائے پس مضمون نگار صاحب کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ تمام جہان سے نرالا اور انوکھا قاعدہ بنی فاطمہ کے لیے نہیں بنایا گیا۔ اس کے بعد مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں (غیروں کے بچے کو بھی بیٹا کہکر پکار لیتے ہیں ایسے بیٹے درجہ دوم کے ہوتے ہیں) فرض کیا کہ درجہ دوم ہی کے ہوتے ہیں لیکن اس سے مضمون نگار کے بیانات کو قوت نہیں پہنچ سکتی کیونکہ ان کے نسب میں ایسا کوئی درجہ دوم بلکہ درجہ چہارم

ونجم بلکہ درجہ سوم کا بھی فرزند رسول موجود نہیں ہے۔ حسنینؑ کو تمام دنیا نے رسولؐ کا نواسہ ہونے کے باعث بیٹا کہا ہے خود حضور نے ان کو بیٹا کہا اور بوقت مباہلہ اپنے عمل شریف سے ان کے فرزند ہونے کی ناقابل تردید تصدیق فرما دی تمام امت نے ان کو اور ان کی اولاد کو اولاد رسول کہا کسی دوسرے سلسلہ نسب میں ابن البنت لہ حکم الابن کے درجہ و منزلت کا اگر کوئی فرزند رسول موجود ہو تو پیش کیا جائے۔ (فقد ثبت بطرق متعددہ ان النبی صلعم قال هما ابنای۔ سر الشہادتین) یعنی بہت روایتوں سے ثابت ہے کہ نبی نے فرمایا ہے کہ حسنین میرے بیٹے ہیں۔ کیا اس شرف عظیم میں بنی فاطمہ کا شریک کوئی دوسرا ہے۔ اس کا جواب یقیناً نفی میں ہے۔

آگے چل کر لائق مضمون نگار صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔ (آل رسول و ذریت رسول وغیرہ خود ساختہ اصطلاحات ہیں جو اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے لیے وضع کی گئی ہیں)۔ بقول مضمون نگار خود ساختہ ہی سہی لیکن جب اس خود ساختہ کو تمام عالم کی طرف سے قبولیت عام و دوام کا درجہ حاصل ہو گیا تو اب یہ مستقل لغت و اصطلاح ہیں اور ان کا استعمال اپنے محل پر سراسر جائز و درست ہے اپنے منہ میاں مٹھو بننے کی مثال اس مقام پر درست نہیں ہے کیونکہ سادات کو تمام عالم ذریت رسول و آل رسول و سادات کے الفاظ سے یاد کرتا ہے البتہ علاوہ سادات کے جن اشخاص نے خلاف آئین و رواج یہ الفاظ اپنے لیے استعمال کرنے کی جرات کی ہے وہ ضرور اپنے منہ میاں مٹھو بنے ہیں۔ کیونکہ تمام دنیا میں ان کو کوئی بھی ان الفاظ سے یاد نہیں کرتا مگر وہ خود اپنے لیے یہ الفاظ استعمال کرنے کی جرات کرتے ہیں اور یہی اپنا منہ میاں مٹھو بننا ہے۔ بقول مضمون نگار سادات کے یہ خود ساختہ الفاظ تمام عالم

ہیں مقبول ہوگئے اور خواص و عوام سادات کو ان الفاظ سے یاد کرنے لگے جائے غور ہے کہ وہ کونسی قوت سادات میں تھی کہ انہوں سے تمام عالم سے اپنے کو سید و سادات سے مخاطب کرالیا۔ کیا کسی دوسرے خاندان میں ایسی قوت موجود نہیں ہے کہ اپنے خود ساختہ الفاظ کو اہل عالم سے تسلیم کرائے۔ اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ (لوگوں کو مغالطہ دیا جاتا تھا کہ ہم رسول اللہ کی ذرّیت ہیں اور عباسی خاندان سے فضیلت نسب میں برتر ہیں۔ اس میں کیا شک ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ ذرّیت ابراہیم ہیں سادات بھی ذریت رسول ہیں۔ تمام عالم اسے تسلیم کرتا ہے اور اسی باعث نہ صرف عباسی خاندان بلکہ تمام بنی ہاشم میں ان کو فضیلت حاصل ہے۔ وا تفاق است علما را کہ انچہ فضیلت و نسب حسنین راست کسی دیگر رانیست (سعادت الکونین) اگر تمام عالم کے علما کی اس متفقہ رائے سے لائق مضمون نگار متفق نہ ہوں تو کم از کم اپنے جد امجد یعنی ہارون الرشید کی رائے سے تو اتفاق فرمائیں۔ جو کہتا ہے کہ حسنینؑ اہل سادات اور فضیلت میں سب سے مقدم ہیں (تاریخ الخلفا سیوطی) اس کے بعد لائق مضمون نگار تحریر فرماتے ہیں (وہ کونسی خدمات جلیلہ خاندان سادات نے کی ہیں جن کے لیے ملت اسلامی ان کی ہمیشہ ممنون رہے گی)۔ اس سوال کے جواب میں ہم خود سائل ہیں کہ وہ کونسی خدمات جلیلہ ملت اسلامی کی ہیں جو خاندان سادات نے انجام نہیں دیں۔ کیا سادات کے مورث اعلیٰ جناب خاتم النبیینؐ نے اپنی خدمات جلیلہ سے اپنی امت کو ممنون نہیں فرمایا کیا قیامت تک کے لیے اہل عالم پر اس خاندان کا یہ احسان باقی نہ رہے گا۔ کیا خاندان سادات کے دوسرے مورث یعنی جناب اسد اللہ الغالبؑ کی وہ بے شمار حربی اور

علمی خدمات لائق مضمون نگار نے یہ جملہ لکھتے وقت فراموش کر دیں جن پر عالم انسانیت کو ناز ہے۔ یاد کریں یوم خندق کو کہ اس روز کی ایک ضرب حیدری کو تمام امت کے اعمال سے جو قیامت تک ہوں گے مخبر صادق نے اعلیٰ و افضل بیان فرمایا ہے (صفحہ ۱۸۱ کتاب ہذا) اور اسی طرح یاد کریں ان تمام محاربات کو جن میں اسلام و کفر کا صدر اول میں مقابلہ ہوا۔ ان سب کی تفصیل یہاں ممکن نہیں اور اگر علمی خدمات باب مدینۃ العلم کی دریافت طلب ہوں تو لائق مضمون نگار اپنے جد امجد حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کریں جو حبر امت و ترجمان قرآن مشہور ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم علی کو علم کے نو حصے حاصل ہیں اور دسویں حصے میں تمام لوگ ان کے شریک ہیں۔ (ازالۃ الخفاء) یہی حضرت ابن عباس دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کو خدا سے علم ملا اور جناب امیرؑ کو رسول اللہ صلعم سے علم ملا اور مجھے جناب امیر سے علم ملا۔ میرا اور تمام صحابہ رسول کا علم بمقابلہ جناب امیرؑ کے علم کے ایک قطرہ ہے دریا کے سامنے (ینابیع المودہ) اگر ان کتابوں کی تحریرات پر لائق مضمون نگار مطمئن نہ ہوں تو چاہیے کہ ہر مسجد و مدرسہ و زاویہ و خانقاہ بلکہ تمام عالم کی در و دیوار سے سادات کی ان خدمات جلیلہ کی گواہی حاصل کریں۔ یہاں اس کی تفصیل ممکن نہیں ہے اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں (کبھی خاندان بنی امیہ کے خلاف سادات نے سازشیں اور جنگی کارروائیاں کیں اور منہ کی کھائی) وہ کونسی سازشیں ہیں جن کا ذکر ہے اگر اس کی تفصیل بیان میں آتی تو شاید بشرط ضرورت جواب بھی دیا جا سکتا نہ ان جنگی کارروائیوں کا کوئی ذکر ہے جن کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ البتہ مشہور ترین واقعہ بنی امیہ اور سادات کے محاربات میں

خلافت راشدہ کے بعد حادثۂ عظیمۂ کربلا ہے اگر لائق مضمون نگار کا یہ خیال ہے کہ سادات نے اس معرکہ میں منہ کی کھائی تو ابو بکر ابن عربی مالکی کے مقلد بن کر ہواخواہان یزید میں شوق سے اپنا نام لکھائیں۔ فخر المحدثین سند المتاخرین مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی آنحضرت صلعم کے کمالات نبوت لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ (لکن بقی لہ کمال لم یحصل بنفسہ وھو الشہادۃ) یعنی آنحضرت صلعم میں ایک کمال باقی رہ گیا تھا کہ حضرت کی ذات میں حاصل نہ تھا اور وہ شہادت ہے۔ اس کے بعد محدث ممدوح الشان رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں (فاقتضت حکمۃ اللہ ان یلحق ھذا الکمال العظیم بسائر کمالاتہ بعد وفاتہ وانقضاء ایام خلافتہ التی تنافی المغلوبیۃ والمظلومیۃ برجال من اہلبیتہ بل باقرب اقاربہ واعز اولادہ ومن یکون فی حکم ابناءہ حتی یلحق حالھم بحالہ و یندرج کمالھم فی کمالہ فتوجھت عنایت اللہ تعالیٰ بعد انقضاء ایام الخلافۃ الی ھذا الالحاق فاستنابت الحسنین علیھما السلام منابہ جدھما وجعلتھما مرآتین لملاحظتہ وخدین بجمالہ۔ (سر الشہادتین)

خلاصہ مطلب یہ کہ حکمت الٰہی کا مقتضا یہ ہوا کہ اس کمال شہادت کا ظہور آپ کی اعز اولاد یعنی حسنین علیہما السلام سے ہو کر کمال آنحضرت صلعم میں ملحق و مندرج ہو جائے۔ اگر کمالات نبوت میں سے اس کمال عظیم و جلیل کو کوئی صاحب منہ کی کھانے کے لیے تعبیر کرنے کے لیے دلیر ہیں تو خوشی سے کریں اور دیکھیں کہ ہواخواہان یزید میں شامل ہو کر عالم اسلام میں ان کا کیسا شاندار استقبال ہوتا ہے۔ عمدۃ الواعظین احسن المتکلمین جناب مولانا مولوی مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن رسالہ القاسم

دیوبند میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس بلند مینارے پر کون قدم جما سکتا ہے جس پر حسین علیہ السلام کھڑے ہوئے تھے ایسی ہمہ گیری وہر دلعزیزی کس کے حصہ میں آسکتی ہے کہ جس کا انتقام دنیا صدیوں سے لے رہی ہے اور اب تک انتقام پورا نہیں ہوا ہے۔ قرنوں سے نفرت کی موسلا دھار بارش یزید اور اس کے ساتھیوں پر ہورہی ہے لیکن تشنگی نہیں بجھتی جس طرح پہلی صدی ہجری میں اس کے اعمال سے لوگوں نے بیزاری ظاہر کی تھی آج تک وہ بیزاری اسی آن بان سے قائم ہے۔ کتنا پختہ رنگ اے خون حسین علیہ السلام تو نے پیدا کیا فرضی اللہ عنک وعن اصحابک۔ امت مرحومہ یوں تو آپ کے گھرانے کے فیوض وبرکات میں از سرتا بقدم غرق ہے اور رہے گی لیکن ان احسانوں میں کتنا بڑا احسان ہے جو آپ نے ہم بیکسوں کے ساتھ کیا اگرچہ آپ نبی نہیں ہیں لیکن نبی زادے ہیں اور اسی لیے آپ سے وہ کام بن آیا جو الوالعزم من الرسل کے شایان شان ہے۔

علماء امت اور خاصان خدا ہمیشہ سے شہادت حسینؑ کو ایک فوز عظیم اور خصائص نبوی میں سے ایک خصوصیت عزیز وجلیل بیان کرتے آئے ہیں لیکن بعض ناصبی خیال کے لوگ اس کے درپے رہے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو اس کی عظمت واہمیت میں کمی کی جائے اور ثابت کیا جائے کہ ملک گیری کی ہوس میں شہید کربلا کا خون بہا۔ اگر اسی کمال نبوت کا ظہور بجائے بیٹے کے باپ سے ہوتا تو ان ناصبیوں کے نزدیک یہ تمام نقصانات اس ملک گیری کے جذبۂ نامحمود کے بجائے بیٹے کے خود باپ صلعم میں نظر

آتے حالانکہ جناب امام ہمام ان کے آباء کرام اور ان کی اولاد عظام کے مدارج
اس سے کہیں بلند ہیں خدا کی قدرت نظر آتی ہے کہ عالم اسلام میں اب بھی ایسے لوگ
موجود ہیں جو شہید کربلا کے فوز عظیم کو منہ کی کھانے سے تعبیر کرنے پر دلیر ہیں۔ اس کے
بعد لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ (کبھی عباسی خلفاء رضی اللہ عنہم اجمعین
کے خلاف سادات نے ایسی ہی کارروائیاں کیں اور بن نہ آئی اور جب
ان ظالم مفسدہ پردازوں کی گوشمالی کی گئی تو لگے پکارنے ہم مظلوم ہیں۔
اس بیان میں بھی لائق مضمون نگار نے کسی خاص واقعہ یا واقعات کا ذکر نہیں کیا۔
کہ اس کے جواب کا کوئی حق ادا ہو سکتا البتہ آل نبی و آل عباس کے محاربات میں
سب سے زیادہ نمایاں واقعات منصور اور دو سید برادران یعنی نفس زکیہ و ابراہیم
کے ہیں۔ ان پر جلد اول میں اجمالاً بحث لکھی جا چکی ہے۔ جو یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی
ہے کہ ان دو فریقوں میں کون ظالم تھا اور کون مظلوم مورخین کی شہادت کے
علاوہ خاصان خدا اور مقربان حضرت جل وعلا کی شہادت بھی اس نزاع میں سادات
کی تائید میں موجود ہے اور ہمیں یقین ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے منصور اور
اس کی جماعت کے قتل کا فتویٰ اسے مظلوم سمجھ کر ہرگز نہیں دیا تھا۔ بلکہ سادات کو
مظلوم دیکھکر انہوں نے مہدی نفس زکیہ کے بھائی کو تحریر فرمایا تھا کہ فافعل کما فعل
ابوك في اهل صفين...... ولا تفعل کما فعل ابوك في اهل الجمل
یعنے یہ کہ آپ اپنے مخالف (یعنی منصور اور اس کے ہواخواہوں) کے ساتھ وہ عمل
کریں جو آپ کے باپ نے اہل صفین کے ساتھ کیا تھا اور وہ عمل نہ کریں جو آپ
کے باپ یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اہل جمل کے ساتھ کیا تھا۔ مطلب یہ کہ محاربت کے

قتل کرنے میں کوتاہی نہ کیجئے بالآخر اسی مظلوم سادات کی حمایت و رفاقت میں امام اعظم رح نے اپنی جان کی قربانی دی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۷۱ کتاب ہذا) اسی مظلوم جماعت سادات کی حمایت میں امام مالک رح نے ظالموں کے حکم اور ہاتوں سے کوڑے کھائے۔ کیا ان امامین جلیلین کی آزاد شہادت دنیائے اسلام میں ظالم ومظلوم کے تعین کے لیے کافی نہیں ہے۔ کیا سادات کی گوشمالی کے ساتھ ان خاصان خدا کی گوشمالی بھی عقیدتمندوں کے لیے محض بے معنی ہے۔ لائق مضمون نگار خلفاء عباسی کے ساتھ رضی اللہ عنہم اجمعین تحریر فرماتے ہیں۔ یہ الفاظ تعظیمی جس مقدس گروہ کے لیے عالم اسلام میں بولے اور لکھے جاتے ہیں انہیں ان خلفاء کا شمار نہیں ہے اور اس محل پر ان کا استعمال کرنا خود ان الفاظ کی عظمت وتقدیس کو کم کرنا ہے اکابر علما ومصنفین ان سلاطین کو بغیر اس قسم کے تعظیمی الفاظ کے بصیغہ واحد غائب یاد کرتے ہیں اسی کتاب میں مشاہیر علما ومصنفین کی عبارات جابجا نقل ہوی ہیں جن سے ہمارے اس بیان کی تصدیق بخوبی ہو سکتی ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو علامہ شبلی نعمانی کی مشہور نظم (جو کتاب ہذا کے صفحہ ۱۰۱ پر درج ہے۔ اس میں حضرت عباس کو بصیغہ جمع غائب تعظیما یاد کیا گیا ہے۔ اور ان کے نام نامی کے ساتھ لفظ حضرت بھی تعظیما استعمال ہوا ہے۔ بخلاف اس کے آنجناب کے پوتے یعنی منصور کو اسی نظم میں بغیر کسی ایسے تعظیمی لفظ کے بصیغہ واحد غائب یاد کیا گیا ہے۔ بے شک خاندان عباس رض میں خود حضرت عباس اور ان کے جلیل القدر فرزند ابن عباس رض کے اسمار گرامی کے ساتھ یہ الفاظ عظمت وتقدیس برمحل استعمال ہوتے ہیں البتہ یہ فخر خاندان سادات ہی کو حاصل ہوا کہ ان کے اجداد کے اسمار گرامی کے ساتھ سلسلہ بہ سلسلہ باوجود منصب نبوت پر فائز نہ ہونے کے علما وخواص وعوام لکھتے

علیہم السلام کے تعظیمی الفاظ ہمیشہ استعمال کئے ہیں ۔ سوائے خاندان سادات کے غیر انبیاء کے لیے یہ الفاظ کہیں استعمال نہیں کئے گئے کیا ہمارے لائق مضمون نگار نے اس مستثنیٰ کی حقیقت پر کبھی غور فرمایا ہے۔ جب تک اس خلافت غیر راشدہ کی گرما گرمی رہی اس قسم کے تعظیمی الفاظ بعض اوقات جبراً و قہراً بھی استعمال کرائے جاتے تھے۔ امیر المومنین ایک عام لقب ان سلاطین کا تھا حتیٰ کہ یزید اور تمام خلفاء مابعد بلا اقتیاز نیک و بد اس لقب سے اب چودھویں صدی ہجری تک ملقب ہوتے رہے علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ اموی کے سامنے کسی نے یزید کو امیر المومنین کہہ کر یاد کیا تو آپ نے اس کی پاداش میں اسے بیس کوڑے لگوائے۔ اگر اب بھی خدا کی قدرت سے ایسا ہی کوئی پاکباز اور عادل خلیفہ برسر اقتدار ہو جائے تو معلوم نہیں کہ ان مقدس الفاظ تعظیمی کے بے محل اور ناجائز استعمال کے لیے کیا سزا تجویز کی جائے گی۔ سلاطین کے ایسے سلسلہ میں جن میں دنیا طلبی اور دنیا داری کے بدترین نمونے موجود ہوں جن میں طلب جیفہ دنیا اپنے حقیقی چچا حقیقی بھائی اور باپ تک کا خون مباح کر لیا گیا ہو طرح طرح کے وسائس اور اعمال فسق و فجور و ظلم و جور ان کے ناموں کے ساتھ وابستہ ہوں ان مقدس تعظیمی الفاظ کا بالحاظ نیک و بد (اجمعین) کی صراحت سے استعمال کیا جانا کیا پسندیدہ نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اور جو خدا کے نیک بندے ان میں ہوئے ہیں وہ بہر حال ظالموں کی فہرست میں نہیں آتے ہیں خدا ان کو غریق رحمت کرے۔ اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ (خدا غارت کرے اس نسلی تعصب کو کہ خود کو سید و سادات کہتے ہیں اور اگر کوئی اپنا ہی ہمجدی اور خالص ہاشمی اپنے کو سید لکھدے تو

اسے تسلیم نہیں کرتے اور نہ دیگر ہاشمی خاندانوں کو اہل بیت رسول میں شمار کرتے ہیں) یہ صحیح نہیں ہے کہ صرف سادات بباعث نسلی تعصب کے غیر فاطمی کو سید نہیں تسلیم کرتے۔ اگر یہ غلطی ہے تو تمام عالم اس غلطی میں مبتلا ہے اور اس کی شکایت تمام عالم سے ہونی چاہیے کہ سوائے بنی فاطمہ کے کسی غیر کے لیے لفظ سید و سادات کو کوئی بھی استعمال نہیں کرتا ہے۔ اب رہا ہجدی ہونے کا سوال۔ اگر یہی سوال تمام قبائل قریش اور اولاد اسمٰعیل کی طرف سے ہو تو چاہیے کہ سب کو سید و سادات سے موسوم کیا جائے کیونکہ یہ سب بلاشبہ ہجدی ہیں کیا لائق مضمون نگار تمام اولاد اسمٰعیلؑ بلکہ تمام اولاد آدمؑ کو بلحاظ ہجدی ہونے کے سید و سادات سے موسوم و مخاطب کرتے ہیں۔ اسی طرح لائق مضمون نگار کا اعتراض اہل بیت رسول صلعم کی حد تک بھی درست نہیں ہے۔

رسول اللہ صلعم کی قرابت قریب کے باعث دیگر ہاشمی خاندانوں پر بھی بعض اوقات اہل بیت کا اطلاق کہیں کہیں بعض مصنفین نے کیا ہے اور اس حد تک بلحاظ قرابت قریبہ و بغرض اظہار تعلق قریبی اس کا استعمال باعتبار اس لفظ کے معنی کے اگر کیا جائے تو غالباً کسی کے نزدیک چنداں لائق اعتراض بھی نہیں ہے البتہ مخصوص آیہ تطہیر کے تحت اہلبیت رسول صلعم میں دیگر بنی ہاشم کا شمول علماء امت کا متفقہ نہیں ہے اور اہل بیت کی حد تک جو کچھ بھی بحث ہے وہ آیہ تطہیر کی حد تک ہی ہے مسلمانوں کے دو بڑے گروہ یعنی شیعہ و سنی اس پر متفق ہیں کہ یہ چار تن نامدار (علی و فاطمہ و ابنا ہما) یقیناً آیہ تطہیر کے تحت اہلبیت نبی ہیں۔ اہل سنت کے علما کی اکثریت اسی خیال و عقیدہ کی ہے کہ سوائے ان چار تن کے آیہ تطہیر میں اور کوئی داخل نہیں ہے البتہ بعض علماء اہل سنن نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو بھی (نیز داخل ستھنا

میں بیان کیا ہے اس کی تفصیلی بحث جلد اول میں ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۸۰ جلد ہذا و
ما بعد) پس لائق مضمون نگار کی یہ شکایت سادات سے فضول ہے یہ شکایت تمام
علماء امت سے ہونی چاہیے کہ سب نے بالاتفاق تمام بنی ہاشم کو آیہ تطہیر میں کیوں
نہ شامل فرمایا فخر المحدثین جناب مولنا شاہ عبدالحق صاحب رح تحریر فرماتے ہیں (ذو اختلاف
است دراں کہ مراد باہلبیت دریں آیہ کریمہ کیست۔ اکثر برآنند کہ مراد بآن فاطمہ وحسن
وحسین وعلی است سلام اللہ علیہم اجمعین چنانچہ اکثر رویات دال برانست وانصاف آنست کہ نساء
مطہرہ نیز داخل اند ..... الخ مدارج النبوۃ) باقی بحث اپنی جگہ پر ملاحظہ ہو۔ اس کے بعد
مضمون نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں (خدا غارت کرے اس مسئلہ تفضیل کو کہ
یہی دریچہ رفض اور تمام فسادات کی جڑ ہے) معلوم نہیں کہ یہ کونسا عقیدہ تفضیل
ہے جس کا ذکر ہے اگر یہ وہی بحث تفضیلیہ اور مفضولیہ کی ہے جو متعارف ہے تو اس پر
اظہار رائے کرنے سے اس مقام پر ہم معذور ہیں البتہ اگر نسبی تفضیل کی طرف لائق
مضمون نگار کا اشارہ ہے جیسا کہ ظاہر کلام سے مترشح ہوتا ہے تو اس کے متعلق
ہمارا مختصر بیان وہی ہے جو تمام علما کا متفقہ ہے اور جسے بار بار اس کتاب میں نقل
کر دیا گیا ہے یعنی یہ کہ جو فضیلت نسب میں حسنین کو حاصل ہوی ہے وہ تمام امت میں
کسی کو حاصل نہیں ہوی۔ یہی ہیں جن کو بقول جناب سند المحدثین مولنا شاہ عبدالعزیز
صاحب دہلوی و دیگر علما واکابر امت سیادت مطلقہ ملی ہے (دا ما کونہما
مراتین لملاحظتہ صلعم نمن وجہین الاول من جہت السیادۃ المطلقہ
...... سر الشہادتین) یعنی حسنین کا آئینہ ہونا واسطے پر تو جمال محمدی کے دو
دلیلوں سے ثابت ہے۔ اول بجہت سیادت مطلقہ .... الخ اس کے علاوہ تمام

عالم کے علما کا اتفاق اس پر ہے کہ حسنین کو جو فضیلت نسب میں حاصل ہوی ہے وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوی پس لائق نامہ نگار غور فرمائیں کہ مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ وغیرہ جو حسنین کی سیادت مطلقہ کے معترف ہیں اور تمام جہان کے علما جو حسنینؓ کی فضیلت نسب کی شہادت بالاتفاق دیتے آئے ہیں دریچہ رفض میں داخل ہو چکے ہیں یا نہیں اس کے بعد لائق مضمون نگار صاحب فرماتے ہیں (حیرت یہ ہے کہ مادری رشتہ کو بی بی فاطمہ کی حد تک اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اور بنی فاطمہ میں دیگر اقوام اور ادنی طبقہ کی جو عورتیں اور کنیزیں اولاد کی مائیں بنیں ان کا رشتہ فخر نسب کے وقت فراموش کر دیا جاتا ہے) یہ ایک طعن ہے جو سادات کی علو مرتبت اور نسبی فضیلت سے حسد رکھنے والوں کی زبان پر کبھی کبھی آجاتا ہے۔ سخت حیرت اس پر ہے کہ کنیزوں کی اولاد کا طعنہ دینے والے کبھی اپنے شجرہ نسب پر طعنہ دیتے وقت غور نہیں فرماتے خود مضمون نگار صاحب جو اپنے کو شاہان عباسیہ کی نسل میں شمار فرماتے ہیں اپنے شجرہ نسب پر اگر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کتنے عجمی و بربری اور دیگر نسلوں کی کنیزوں کی اولاد ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بحث ہی بے کار ہے۔ تمام عالم اسلام اس پر متفق ہے کہ آنحضرت صلعم کا نسب شریف دنیا کا بہترین سلسلہ نسب ہے ارشاد ہوا کہ من بہترین شمام از روے ذات و بہترین ایشان از روے نسب (مدارج النبوۃ جلد ۲) غور ہے کہ نسب کے اس شجرۂ طیبۂ عالیہ میں کتنی امہات غیر خاندانوں کی موجود ہیں حسب صراحت مورخین خود جناب ہاجرہ والدۂ اسمٰعیلؑ ام ولد تھیں۔ کیا ان غیر خاندان کی امہات کی آمیزش سے حضور صلعم کا سلسلہ نسب متاثر ہوا ہے۔ اس کا جواب نفی میں ہے

اگر مضمون نگار کا یہ خیال ہے کہ ان غیر خاندان کی آمیزشوں سے سلسلۂ نسب متاثر ہو سکتا یا ہوتا ہے تو چاہیے کہ سب سے اول اپنے نسب کے متاثر ہونے پر تاسف کریں جائے غور ہے کہ آنحضرت صلعم کا نسب شریف باوجود غیر قبائل کی امہات کی آمیزش کے متاثر نہ ہو سکا اور جو سلسلۂ نسب ہزارہا سال تک باوجود ان آمیزشوں کے سلفاً متاثر نہ ہوا وہ بدرجۂ اولیٰ خلفاً ایسی آمیزشوں سے متاثر نہ ہوگا اور نہیں ہوا دنیا میں وہ کونسا خاندان ہے جو اس کا مدعی ہو سکتا ہے کہ از آدم تا این دم کسی غیر خاندان کی آمیزش اس طرح کی نہیں ہوی۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ صفحہ ہستی پر کوئی خاندان موجود نہیں ہے جس میں زنان غیر خاندان کی آمیزش نہ ہوی ہو۔ حضور سرور کائنات صلعم کے نسبت شریف کے متعلق دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کا بہترین اور صحیح ترین سلسلہ نسب یہی ہے۔ کیا نطفہ زکیہ مصطفویہ کی اصالت وطہارت وکرامت وشرافت میں کسی معتقد کو مجال انکار ہو سکتی ہے۔ اب رہا یہ اعتراض کہ ان غیر اقوام کی امہات کا نام فخر نسب کے وقت کیوں فراموش کر دیا جاتا ہے اور جناب فاطمہ کی حد تک کیوں اس قدر اہمیت دی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو نسبت جس قدر زیادہ قوی وشریف وعزیز وجلیل ہوتی ہے اسی قدر نمایاں اور جلی اور قابل ذکر بھی ہوتی ہے۔ اور قوی تر وشریف تر نسبت کے مقابل کم تر درجہ کی نسبت نمایاں اور قابل ذکر نہیں ہوتی ہے گنگا کا پانی اپنی طہارت ولطافت اور گوناگون خصوصیات کے باعث خاص طور پر مشہور ہے۔ اس کے مخرج پر قلیل مقدار اس لطیف پانی کی پہاڑ سے نکلتی ہے اور جتنا جتنا پانی آگے کو بہتا جاتا ہے بین ہیسار سے بکثرت غیر ندی نالوں کے پانی کی آمیزش اس میں ہوتی جاتی ہے۔

یہاں تک کہ اپنے مدخل تک پہنچتے پہنچتے ہزارہا ندی نالوں کے پانی کی آمیزش اس میں
ہوجاتی ہے۔ اس کے مدخل پر غالباً کئی کرور قطروں میں شاذ و دو چار ہی قطرے اُس
اصیل و لطیف پانی کے ہوں گے جو اس کے مخرج پر موجود تھے مگر باوجود ان ایسا کثیر
آمیزشوں کے مدخل پر بھی اسے گنگا ہی کا پانی بباعث اس کی قوی نسبت کے کہا جاتا
ہے۔ وہاں بھی اس پانی کو کوئی شخص جمنا یا گومتی وغیرہ کا پانی نہیں کہتا ہے کیونکہ
ان آمیزشوں کی نسبت اتنی قوی و جلی نہیں ہے جتنی کہ گنگا کے اصل لطیف پانی کے چند قطروں
کی۔ یہ چند قطرے جو گنگا کے اصل لطیف پانی کے شامل ہیں ان تمام آمیزشوں کی لطافت
و پاکیزگی کے ضامن ہوتے ہیں اور یہ سب پانی گنگا ہی کا پانی کہلایا جاتا ہے۔ اسی پر
قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جناب فاطمہ زہرا کی قوی و جلی نسبت ان تمام درمیانی
آمیزشوں کی غیر قوی اور غیر جلی نسبتوں پر غالب اور خصوصیت سے لائق ذکر ہو جاتی
ہے اور کیوں نہ لائق ذکر ہو کہ دنیا کے اولاد والوں میں کسی کو ایسا باپ نہ مل سکا
جیسا جناب سیدہ کو ملا اگر یہ نسبت اعلیٰ و اشرف بھی خصوصیت سے قابل ذکر نہ ہو تو
اور کونسی نسبت اس کے مقابل قابل ذکر ہو سکتی ہے۔ اگر اس نسبت سے زیادہ
اور کوئی اعلیٰ تر نسبت کسی کے شجرہ نسب میں موجود ہو تو اس کے مقابلہ پر پیش کرے
اسی نسبت کے اعلیٰ و اشرف ہونے کے باعث علما امت باتفاق مانتے آئے ہیں
کہ حسنین کو جو فضیلت نسب میں حاصل ہوی وہ امت میں کسی دوسرے کو نہ مل سکی اور نہ
قیامت تک مل سکتی ہے۔ اسی پر دوسروں کو بھی قیاس کر لینا چاہیے۔ عباسی نسل کے
افراد اپنے کو آل عباس کیوں کہتے ہیں۔ آل سفاح و آل سلامہ بربریہ کنیز
مادر منصور کیوں نہیں کہتے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس سلسلہ نسب میں حضرت عباس

کی نسبت عزیز وجلیل تمام ذیلی اور کم درجہ کی نسبتوں پر غالب اور خصوصیت سے قابل ذکر ہے اور جو عزت اس سلسلہ نسب میں حضرت عباس کو حاصل ہوی ہے وہ کسی دوسرے فرد کو اس تمام سلسلہ میں حاصل نہیں ہے اور اسی لیے خصوصیت سے قابل ذکر بھی ہے (امہات اولاد سے سلسلہ نسب پر تفصیلی بحث جلد دوم میں ملاحظہ ہو)۔

عمدۃ العلما استاذ السلطان نواب فضیلت جنگ مولوی انوار اللہ خان صاحب مرحوم ومغفور جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز کے تلمیذ رشید اور خلیفہ تھے ایک واقعہ نقل فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب قبلہؒ نے ایک وقت دلچسپ مباحثہ ایک سید صاحب اور عباسی صاحب کا نسبی حد تک نہایت دلچسپی سے دیر تک سماعت فرمایا اور بالآخر جب دونوں فریق واد خواہ ہوئے تو حاجی صاحب قبلہؒ نے عباسی صاحب سے مخاطب ہو کر اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ میاں تم کو معلوم ہے کہ تم اگر ابن عم رسول اللہ ہو تو تمہارے مخاطب ابن رسول اللہ ہیں۔ تم اگر ساقی حرم کے بیٹے ہو تو تمہارے مخاطب ساقی کوثر کے بیٹے ہیں۔ خدا نے تمہارے باپ کو دنیوی بادشاہت دی اور ان کے باپ کو دینی بادشاہت دی۔ تمہارے باپ اگر اہل عالم کے بادشاہ و سردار رہے تو ان کے باپ اہل جنت کے سردار ہیں۔ تمہارے باپ کی دنیوی سرداری ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی اور ان کے باپ کی سرداری ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔ تمہارے باپ کی سرداری دنیا کے ساتھ اور عارضی رہی ان کے باپ کے حصہ میں دوامی سیادت مطلقہ آئی۔ ان کے ایک باپ کا احسان تمام اہل عالم کی گردن پر قیامت تک کے لیے ہے۔ تمہارے کسی باپ کا ایسا کوئی احسان اہل عالم پر نہیں ہے...... الخ۔ بس یہی فرق مراتب تمہارے

اوران کے مورثوں میں ہے اس سے خود ہی نسبی فضیلت کا اندازہ کرلو۔

بنو ہاشم میں آغاز سلطنت عباسیہ تک کوئی اختلاف باہمی ظاہر نہیں ہوا۔ البتہ سلطنت عباسیہ کے استحکام کے وقت سے بعض اوقات مختلف وجوہ کی بنا پر سادات اور آل عباسؓ میں مخالفت باہمی کا مظاہرہ ہوتا رہا دیگر بنی ہاشم یعنی جعفری و عقیلی و علوی خاندانوں سے سادات کے برادرانہ تعلقات نہایت خوش گوار رہے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ابھی تک تمام عالم میں سادات عقیلی و جعفری و علوی شیر و شکر کی طرح چلے آرہے ہیں وجوہ کچھ بھی ہوں لیکن یہ امر خالی از افسوس نہیں کہ سادات اور آل عباسؓ میں خاندانی رقابت اور دیرینہ خصومت کے آثار ابھی تک باقی چلے آتے ہیں۔ علوی و جعفری و عقیلی ابتدائے وقت سے سادات کے رفیق اور سچے دوست اور مخلص رہے ہیں۔ امتحان گاہ کربلا میں جب حق و باطل کی آزمایش ہوئی اور کمالات نبوت میں سے ایک بڑے کمال یعنے شہادت کی تکمیل کا وقت آیا اس وقت بھی ان تینوں خاندانوں کے افراد ابتلائے عظیم میں سب سے آگے آگے حق کی نصرت و حمایت کرتے نظر آئے اور خدا کی راہ میں شہید ہوکر زندۂ جاوید ہوئے۔ اور ابن رسول اللہ کی حمایت و نصرت میں قیامت تک کے لیے اپنے نام روشن کرگئے اس وقت تک آل عباسؓ سے خاندان سادات کے تعلقات خوشگوار تھے مگر افسوس ہے کہ اس خاندان کے کسی فرد کا نام مجاہدین کربلا کے زندۂ جاویدناموں میں نہیں ہے۔ خاندان عباسؓ اور خصوصاً حضرت ابن عباسؓ سے سادات کو یہ برادرانہ شکایت چلی آتی ہے کہ اس صعب ترین آزمایش میں وہ حق رفاقت جس کی امید تھی ادا نہ ہوسکا ممکن ہے کہ اپنی مصلحت اندیشی

اور صواب دید یا کسی خاص مجبوری سے ایسا ہوا ہو مگر اس میں شک نہیں کہ بنو ہاشم کے دیگر افراد نے حق رفاقت و برادری ادا کر دیا۔ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

بنو ہاشم متوطنہ امروہہ کے مختصر حالات | بنو ہاشم کی ایک شاخ یعنی خاندان نقوی متوطنہ امروہہ کے تذکرہ میں یہ کتاب خاص طور پر لکھی گئی ہے۔ ان کے علاوہ بعض دیگر خاندان سادات کے ہیں جن سے تعلقات قرابت اس خاندان میں قدیم سے ہوتے آئے ہیں ان کا مختصر ذکر بھی اس کتاب میں ہوا ہے مثلاً سادات دانشمندان و سادات حسنی محلہ کوٹ و سادات نوگیاں ان کے علاوہ بعض دیگر خاندان بھی سادات کے امروہہ میں آباد ہیں جن کا کوئی ذکر اس کتاب میں نہیں ہے۔ بعض دیگر قبائل بنی ہاشم بھی امروہہ میں آباد ہیں۔ ان کا ذکر مختصر طور پر بلحاظ قرابت سادات یہاں لکھا جاتا ہے۔

علوی | حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ اولاد جو بطن مطہرہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے نہیں ہے۔ اصطلاحاً علوی کہی جاتی ہے امروہہ میں اس خاندان کے مورث اعلیٰ شاہ عبد المجید رح ہوئے ہیں جن کا ذکر شریف مقاصد العارفین میں موجود ہے۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ آنجناب حضرت نظام الدین نارنولی کے تلمیذ رشید اور مرید با اخلاص تھے بمزار حضرت شاہ ولایت رح پر امروہہ میں مدتوں معتکف اور مصروف مراقبہ و مجاہدہ رہے۔ اور بالآخر بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۴۲ھ واصل بحق ہو کر عیدگاہ امروہہ کے متصل مدفون ہوئے (رحمۃ اللہ علیہ) زاہد و متقی و خدا رسیدہ بزرگ تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت محمد بن حنفیہ سے متصل ہوتا ہے اس خاندان میں صاحبان فضل و کمال ہوتے آئے ہیں اور یہ گروہ ننگرہ علوی مشہور رہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پنجاب میں ننگرہ

کوئی مقام ہے وہاں سے بقول صاحب آئینہ عباسی ان کے مورث شاہ خدا وند غازی امروہہ میں وارد ہوکر مستقل طور پر ساکن ہوئے قصبہ قندہار ضلع ناندیڑ دکن میں بھی ایک بزرگ سانگڑے سلطان مشکل آسان کا مزار شریف ہے۔ جن کا وطن سانگڑہ بیان کیا جاتا ہے سلطنت آصفیہ کی طرف سے اس درگاہ کے لیے ایک معقول جاگیر مقرر ہے اور شاہ برہان اللہ حسینی صاحب بالفعل اس کے سجادہ نشین ہیں۔

امروہہ کے اس علوی خاندان میں شاہ بہار الدین صاحب نقشبندی متاخرین میں صاحب نسبت بزرگ ہوئے ہیں اس خاندان کے ایک فرد شاہ ضیاء الدین صاحب مصنف مراۃ الانساب ہیں یہ خاندان بلحاظ شرافت وعلم وفضل امروہہ میں ہمیشہ سے ممتاز رہا ہے تفصیلی حالات اس خاندان کے ہمیں معلوم نہیں اور نہ یہ علم ہے کہ سادات نقوی میں اس خاندان سے کوئی قرابت ہوئی ہے یا نہیں۔

جعفری | ذوالجناحین حضرت جعفر طیارؓ کی اولاد جعفری کہلاتی ہے۔ آنجناب حضرت علی مرتضیٰ کے برادر اور آنحضرت صلعم کے ابن عم وہم شباہت تھے مہاجرین حبشہ میں سے ایک آپ بھی ہیں۔ موتہ کی جنگ میں آپ بحکم جناب رسالتمآبؐ مسلمانوں کے لشکر کے کماندار رہے۔ حکم نبوی یہ تھا کہ زید بن حارث لشکر کے سردار بنیں اگر وہ شہید ہوجائیں، تو حضرت جعفر بن ابی طالب سردار کئے جائیں اور جب یہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ سردار لشکر بنائے جائیں اور یہ بھی شہید ہوجائیں تو وہ شخص سردار لشکر بنے جسے سب مسلمان منتخب کریں۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس جنگ میں اسی ترتیب سے یکے بعد دیگرے سرداران لشکر مقرر ہوئے اور شہید ہوتے گئے اور اسی وقت اپنے مقام پر آنحضرت صلعم کشف کے ذریعہ سے ان سب کی

شہادت اور واقعات کا حال بیان فرماتے رہے۔ یہ جنگ بھی ایک خاص جنگ تھی
جس میں تین ہزار مسلمان لشکریوں کے مقابل ایک لاکھ مخالفین کا لشکر جرار مصروف پیکار
تھا حضرت جعفرؓ کی سرداری کی باری جب آئی آپ نے رایت اسلام ہاتھ میں لیا
اور کثیر تعداد مخالفین کی آپ کے ہاتھ سے قتل ہوئی۔ آپ کا گھوڑا زخمی ہوکر
گرا اور آپ پیادہ دشمنوں سے مصروف پیکار رہے۔ آپ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا
تو آپ نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا سنبھالا جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو آپ علم کو
سینے سے لگا کر سنبھالے رہے۔ اور اسی حالت میں شہید ہوگئے اس کے بعد عبداللہ
بن رواحہؓ سردار لشکر بنے اور وہ بھی شہید ہوئے اس کے بعد باتفاق لشکر اسلام
حضرت خالد بن الولید سردار لشکر بنے اور اپنی مختلف تدابیر سے شام کے وقت تک
رومیوں کے لشکر کو منتشر و پسپا کر دیا۔ بقول شبلی نعمانی مرحوم ایک لاکھ سے تین ہزار کا
کیا مقابلہ تھا بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجوں کو دشمنوں کی زد سے بچا لائے حضرت
عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت جعفرؓ کی لاش دیکھی تھی تلواروں
اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے پشت نے
یہ داغ نہیں اٹھائے (سیرۃ النبی) الغرض شہدائے اسلام میں حضرت جعفر طیارؓ کا
مرتبہ عظیم سب کو تسلیم ہے اور آپ کے مدارج عالیہ و محامد جلیلہ میں تمام کتب
تذکرہ ناطق ہیں۔

آپ کی اولاد امجاد میں سے چند خاندان امروہہ میں ہیں۔ ان میں سب
سے زیادہ مشہور خاندان حضرت شاہ محمدی فیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ جو اپنے
وقت میں مشاہیر صوفیہ صافیہ سے تھے ۱۱۰۷ھ میں آگرہ میں وصال ہوا اور

وہیں دفن ہوئے (رحمۃ اللہ علیہ) ان کے برادر زادے حضرت شاہ عضد الدین
مصنف مقاصد العارفین کی نسل سے شاہ معز الدین عرف میاں موج کا خاندان ہے
میاں موج رحمۃ اللہ علیہ شاہ عضد الدین مذکور کے فرزند ارجمند اور اپنے وقت کے مشہور
سالک مجذوب تھے۔ آپ کے خاندان والاشان میں صوفیہ کرام کی ممتاز ہستیاں
ہوئی ہیں۔ میاں موج کے دو فرزند باقی رہے جن کے نام مسیح الدین و بدر الدین
ہیں۔ ثانی الذکر اپنے علم و فضل کے باعث خاص طور پر مشہور رہے مسند ارشاد و ہدایت
پر متمکن رہے ان کے دو فرزند شاہ مجد الدین و شاہ قیام الدین ہوئے متاخرین میں
شاہ قیام الدین صاحب رح کی ذات والا صفات کا شمار امروہہ کے اولیاء کاملین
میں ہے۔ ابھی کثیر تعداد ان اشخاص کی زندہ موجود ہے جو آپ کے دیدار فیض آثار
سے مسرور و فیضیاب ہوئے ہیں (رحمۃ اللہ علیہ) آپ کے دو فرزند سعید الدین و
نظام الدین ہوئے۔ اول الذکر لاولد ہوئے ثانی الذکر کے فرزند ارجمند شاہ علاء الدین
صاحب اپنے آباء کرام کی نشانی موجود ہیں (سلمہ اللہ تعالیٰ) خاندان نقوی متوطنہ
امروہہ سے چند قرابتیں اس خاندان میں ہوئی ہیں۔ جعافرہ کی ایک دوسری
شاخ امروہہ میں وہ ہے جس میں مولوی علی زینبی صاحب پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی
عہد حاضر کے مشہور عالم و ادیب و شاعر ہیں یہ خاندان مولوی محمد حسین صاحب
جعفری کا ہے جو محلہ چاہ شور میں آباد ہے۔ تیسرا خاندان چودھری صاحبان کا
ہے۔ جس میں منشی سبط علی صاحب آنریری مجسٹریٹ وغیرہ کے خاندان ہیں۔
ان کی سکونت چاہ شور میں ہے۔ یہ دونوں خاندان سکیٹ سے منتقل ہو کر امروہہ میں
آباد ہوئے ہیں ان تین جعفری خاندانوں کے علاوہ امروہہ میں اور کسی خاندان کا علم

ہمیں نہیں ہے۔

شیوخ عقیلی حضرت عقیل ابن ابی طالب جناب علیؓ کے منجھلے بھائی ہیں۔ یہ بنی ہاشم میں ماہر انساب تھے۔ امروہہ میں صرف ایک ہی خاندان عقیلی سے مشہور ہے جس کی سکونت قریباً ایک صدی سے محلہ شفاعت پوتہ میں ہے۔ ان کا شجرہ مسلم بن عقیل سے متصل ہوتا ہے۔ نوشاہ صاحب جن کا مزار درگاہ اعزالدین میں ہے اسی خاندان کے فرد ہیں بیان کیا جاتا ہے کہ حکیم رکن الدین اس خاندان کے مورث امروہہ میں آگرہ سے آن کر سکونت پذیر ہوئے۔ اس خاندان کے جملہ افراد اپنے نام کے ساتھ حاذق لکھا کرتے تھے۔ ان میں سے دو صاحبان فیاض رسول اور فیض رسول اب سے کچھ دنوں قبل نمایاں تھے۔ مگر اب کوئی شخص نمودار نہیں ہے۔ معدودے چند اشخاص اس خاندان میں باقی رہ گئے ہیں۔ اس نصف صدی میں چند قرابتیں خاندان سید شرف الدین شاہ ولایت سے بھی اس خاندان کے افراد سے ہوئی ہیں صاحب واسطیہ نے ان کا شجرۂ نسب بھی شائع کیا ہے۔ ان کے علاوہ امروہہ میں اور کسی خاندان عقیلی کا ہمیں علم نہیں ہے۔

شیوخ عباسی بنی عباس کے جد امجد جناب عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ جو حضرت عبدالمطلب کے فرزند اور جناب رسول کریم کے عم نامدار ہیں۔ ابوالفضل آنجناب کی کنیت ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام نتیلہ بنت جناب ہے ولادت آپ کی عام الفیل سے تین سال قبل ہوئی۔ آنحضرت صلعم کو آپ سے خاص محبت تھی۔ جنگ بدر میں آپ لشکر اسلام کے مقابل ہوئے۔ اور گرفتار ہوئے لشکریان اسلام نے آپ کی مشکیں تنگ کسی تھیں۔ جس کے باعث آپ زور سے کراہتے تھے۔ جس سے سرور کائنات بے قرار تھے اور آپ کو نیند نہ آتی تھی۔ دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم

کی بے قراری کا سبب حضرت عباسؓ کی آہ و تاری ہے۔ پس یہ معلوم ہوتے پر کسی
نے بند ڈھیلے کر دیے۔ روایت ہے کہ اسی طرح دیگر قیدیوں کے بعد بھی حضرت عباس
کے طفیل میں ڈھیلے کر دیئے گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباس بطیب خاطر جنگ بدر
میں لشکر اسلام کے مقابل نہیں آئے تھے بلکہ جبراً انہیں لایا گیا تھا۔ اور اسی وجہ سے آنحضرت
صلعم نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص حضرت عباسؓ کے مقابل آئے انہیں قتل نہ کرے
بعض روایات میں ہے کہ آپ جنگ بدر کے بعد ہی مشرف باسلام ہوئے اور بعض
روایات میں ہے کہ جنگ خیبر کے قبل ایمان لائے۔ آپ نے عام الفتح میں ہجرت فرمائی
آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ عباس میرے چچا اور میرے باپ کی جگہ ہیں جس نے
ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔ سقایت حجاج بھی آپ سے متعلق تھی۔ اور روایت
ہے کہ قحط سالی کے زمانے میں حضرت خلیفہ دومؓ نے آپ کو وسیلہ گردان کر دعا ر
استسقا کی تھی اور باران رحمت کا نزول ہوا تھا۔ جنگ حنین میں آپ لشکر اسلام کے
ساتھ تھے جس وقت لشکر اسلام میں انتشار و انہزام کی کیفیت پیدا ہوئی آپ کے پائے
ثبات کو لغزش نہ ہوئی۔ اور آخر تک جناب رسول کریمؐ کی رفاقت میں ثابت قدم
رہے ۳۲ یا ۳۳ھ میں آپ نے ۸۸ یا ۸۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ کے فرزند
نامدار حضرت عبد اللہؓ جو ابن عباسؓ کے نام سے زیادہ مشہور رہیں۔ عالم و فاضل تھے
علماء امت نے آپ کو فقیہ امت و حبر امت و ترجمان قرآن لکھا ہے۔ اور کثیر تعداد
احادیث کی آپ سے روایت کی گئی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ یا بنی عباس کو خلافت راشدہ میں سے تو کوئی
حصہ نہیں ملا اور نہ عشرہ مبشرہؓ میں آنجنابؓ کا شمول ہے۔ البتہ آپ کی اولاد میں

صدہا سال تک حکومت وسلطنت نہایت شان وشوکت سے رہی۔ بڑے بڑے شاہان ذی اقتدار مثلاً ہارون الرشید و مامون الرشید وغیرہ ان میں ہوئے ہیں۔ جن کے تذکروں سے تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں۔

بنو ہاشم میں صرف دو ہی خاندان ایسے ہیں جن کو تاریخ اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ ان میں سے بنی عباس باعتبار اپنے دنیاوی جاہ وجلال وحکومت کے جملہ بنی ہاشم پر سبقت لیے ہوئے ہیں۔ بنی فاطمہؑ باعتبار اپنی دینی حکومت اور نسبی سیادت کے دیگر بنی ہاشم سے امتیاز رکھتے ہیں۔

حال میں حضرت عباس کے نسب شریف پر بھی کچھ اعتراضات سننے میں آئے اور سنا کہ اس پر اچھی طرح بحث مباحثہ کا بازار گرم رہا۔ بالآخر متواترات سے انکار کرنے کا جو حشر ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے وہی اس بحث کا بھی ہوا۔ مرزا حیرت دہلوی نے جناب سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور آپ کے دیگر مسلمہ فضائل سے انکار کیا تو اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ ہمیشہ یہی نتیجہ متواترات پر معترض ہونے کا برآمد ہوا کرتا ہے۔ حضرت عباس کے متعلق بیان کیا گیا کہ آپ جناب عبدالمطلب کے حقیقی فرزند نہ تھے۔ بلکہ ربیب تھے۔ یہ ایک ایسا بیان ہے جو متواترات ومسلمات عالم کے خلاف ہے۔ اور کسی طرح بھی قبول نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اکابر کے انساب پر ہمیشہ سے اس قسم کی بحثیں ہوتی آئی ہیں۔ سنا ہے کہ کسی شریر بد باطن ناصبی نے حضرت امام زین العابدین علیہ وعلی آبارہ الکرام واولادہ العظام الف الف صلوٰۃ وسلام کے نسب شریف پر حملہ کیا تھا جس کی پاداش میں حاکم مدینہ نے اسے قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اور یہ جو ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں درج کر دیا ہے کہ حضرت عباس کی والدہ محترمہ

کے دادا کلیب سفاح جاہلیت (یعنی زنا) کی پیدائش تھے ہمارے نزدیک پایہ ثبوت کو نہیں پہونچتا ہے۔ سفاح جاہلیت کی مختلف اشکال بیان کی جاتی ہیں از انجملہ جاہلیت میں ماں اور بیٹے کے باہمی ازدواجی تعلق کو بھی سفاح کہا جاتا تھا۔ بعض اوقات بیٹا اپنی ماں کو اپنی مدخولہ و منکوحہ کر لیتا تھا۔ ایسے ناجائز اور شرمناک تعلق کو بھی اصطلاح میں سفاح کہا جاتا ہے۔

و در روایت انس کہ خواند آنحضرت "لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم بفتح فاد فرمود من نفیس ترین شما ام از روئے نسب و صہر و حسب و نسب و نیست در پدران من از گاہ آدم سفاح و ہمہ نکاح است۔ مدارج النبوۃ)۔

ہم بتمامی احترام مورخ ابن خلکان یہ بیان کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ روایت۔ (قال اہل العلم بالانساب) الکلبی درج کردیگئی ہے۔ جس کی تائید میں کسی دوسرے مورخ یا نساب کا بیان ہماری نظر سے نہیں گذرا ہمارے نزدیک یہ روایت ہی غلط ہے۔ حضرت عباس کے نسب شریف اور دیگر فضائل و مناقب میں چون و چرا کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے آپ کا نسب وہی ہے جو خود سرورِ کائنات فخرِ عالم و عالمیان جناب رسول کریم صلعم کا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر دنیا میں کونسا نسب ہوسکتا ہے جس کی اصالت و کرامت پر آج بھی دنیائے اسلام میں ہر جمعہ کو مساجد میں گواہی دی جاتی ہے۔ ابن خلکان کی وہ عبارت یہ ہے۔

والقریہ بکسر القاف و تشدید الراء و تشدید الیاء المثناۃ من تحتہا و بعدہا ہاء وہی ام جشم بن مالک بن عمرو وکان عمرو المذکور قد تزوجہا فلما مات تزوجہا

ابنته مالك فاولدها جشم بن مالك المذکور ہوالقریۃ
فی اللغۃ الحوصلہ وبہا سمیت المراءۃ قال اہل العلم بالانساب
لما تزوج مالک بن عمر المذکور القریۃ واسمہا جماعۃ کما تقدم
فی اول الترجمہ اولدہا جشم جد ایوب بن القریۃ المذکور
وکلیبا وہو جد العباس بن عبدالمطلب عم رسول صلعم بن
جہۃ امہ نتیلہ بضم النون وقیل نتلہ بفتحہا بنت حباب بن
کلیب بن مالک المذکور فالعباس من اولاد القریۃ بہذا
الاعتبار (جز اول وفیات الاعیان صفحہ ۸۴ مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر)۔

امروہہ میں اس وقت تین گروہ حضرت عباس کی اولاد مشہور رہیں۔ از انجملہ ایک گروہ وہ ہے جو شیخ نظام کی اولاد مشہور رہے۔ یہ لوگ مزار سید شرف الدین شاہ ولایت رح کے مجاور ہیں۔ اس خاندان کے ذکر سے قدیم کتب تذکرہ مطلقاً خالی ہیں ان کا ذکر غالباً سب سے پہلے صاحب نخبہ نے "می گویند" کے تحت کیا ہے۔ اور اسی کے حوالہ سے صاحب واسطیہ نے بھی نقل کر دیا ہے اس خاندان میں اب صرف معدودے چند افراد باقی ہیں۔ ان سے نہ ہمیں ملنے کا اتفاق ہوا نہ ہم نے کوئی تجسس ان کے حالات کا باغراض کتاب ہذا ضروری سمجھا۔ نہ ان کے حالات کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم ہو سکے۔ مولوی محمود احمد صاحب نے اپنی تاریخ میں چند اوراق پر ان کے نسب سے مفصل بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ شیخ نظام الدین عباسی خلیفہ حضرت شاہ ولایت رح سے جن کا ذکر مقاصد العارفین میں ہے۔ اس خاندان کا کوئی تعلق نہیں ہے اس سے زیادہ ہمیں بالفعل اس خاندان کے حالات کا علم نہیں ہے

دوسرا خاندان امروہہ میں چڑیا عباسیوں کا مشہور ہے۔ صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں (بالفعل اس گروہ میں ننانوے آدمی ہیں باقی عباسی اس خاندان سے علیحدہ ہیں کہ از انجملہ ایک شیخ عنایت اللہ ہیں)۔ اس گروہ میں حکیم مظہر الہادی صاحب و محمد اسمٰعیل صاحب وغیرہ ہیں۔ چڑیا کے نام سے قیاس پیدا ہوتا ہے کہ شائد اس خاندان کے کوئی بزرگ چڑیا کوٹ ضلع اعظم گڑھ سے جہاں ایک مشہور خاندان عباسیوں کا آباد ہے امروہہ میں چلے آئے ہوں۔ اور مستقل سکونت اختیار کر لی ہو۔ ان کے جد امجد محمد اکبر صاحب تک کا شجرہ نسب مولوی محمود احمد صاحب نے تحقیق الانساب کے ص۲۲۹ پر درج فرمایا ہے۔ مولوی صاحب موصوف اسی کتاب کے صفحہ ۹۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

(چڑیا عباسی کی وجہ تسمیہ بھی محقق نہ ہوی۔ اگر فی الواقع یہ خاندان نسباً عباسی ہے جیسا کہ خاکسار مؤلف کو بعض قرائن سے معلوم ہوا ہے تو بہت ممکن ہے کہ ان کے کوئی بزرگ کسی زمانہ میں جس کا حال تحقیق نہ ہوسکا قصبہ چڑیا کوٹ (ضلع اعظم گڈھ) سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے امروہہ آئے ہوں۔ اور نسبت مکانی سے "چڑیا عباسی" کہلائے ہوں۔ واللہ اعلم۔

اس سے زیادہ ہمیں اس خاندان کے حالات کا بالفعل علم نہیں ہے البتہ ایک خاندان عباسی کے حالات صاحب آئینہ عباسی و صاحب تاریخ امروہہ کے بیانات سے بتفصیل معلوم ہوے ہیں۔ ان پر بحث آگے آتی ہے۔

ان تین خاندانوں میں جو امروہہ میں عباسی مشہور ہیں۔ مشہور ترین خاندان وہ ہے جس میں مولوی محب علی خان صاحب مرحوم مؤلف آئینۂ عباسی و مولوی محمود احمد صاحب

مؤلف تاریخ امروہہ میں صاحب نخبۃ التواریخ تحریر فرماتے ہیں۔ (اینان اشہر ترین عباسیاں دودرہم ورواج مستند ترین جملہ شیوخ گویا اہل الحل والعقد اند)۔ اس خاندان کا ذکر اب سے قریباً ۷۰ سال قبل تک کی بعض کتب تذکرہ میں ملتا ہے۔ ایک صدی سے قبل کی کسی کتاب میں کوئی ذکر اس خاندان یا اہل خاندان کا نہیں ہے۔ صاحب تاریخ امروہہ و صاحب آئینۂ عباسی نے تاریخ فرشتہ کی بعض عبارات کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں کوئی نام اس خاندان کے کسی فرد کا درج نہیں ہے۔ اس ایک صدی کے اندر جو کتب تذکرہ امروہہ سے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے البتہ اس خاندان کے حسب و نسب کے متعلق رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ امروہہ کے تذکرہ نویسوں میں سب سے اول مولوی محب علی خاں صاحب نے جو اس خاندان کے ایک عالم اور ذی عزت شخص تھے شجرۂ نسب شائع کیا جس کا سلسلہ مولانا میٹھے و مولانا بہن برادران حقیقی سے اوپر اس طرح آئینہ عباسی مورخہ ۱۲۹۲ھ میں درج فرمایا ہے۔

مولانا رکن الدین بن شمس الدین بن شرف الدین بن معین الدین بن تاج الدین بن محمد یوسف بن محمد حمزہ بن محمد اسحاق بن محمد باقر بن علاء الدین بن قطب الدین بن محمد تقی بن موسیٰ بن امین الرشید (از نقل آئینۂ عباسی)۔

صاحب آئینہ عباسی کا بیان یہاں نقل کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے:—

پھر سلطنت تغلقیہ خراب ہوئی۔ دہلی تباہ ہوئی۔ امیر منتشر ہوئے۔ ہمارے بزرگ بھی پنجاب و سندھ پھرتے رہے۔ چنانچہ دادا لال محمد پیدائش پنجاب ہیں۔ ہندی نام ہے اور ان کے والد مولانا میٹھے اور ان کے چچا بہن و مولانا لال محمد زمانہ اکبر میں آگرہ میں موذن مسجد جامع اکبری تھے……

اسی عرصہ میں اس مقام امروہہ میں کہ یہاں کے سکنا سے ملاقات ہوئی لیکن سادات و شرفا یعنی دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی (از نقل آئینہ عباسی)۔

صاحب آئینۂ عباسی کی تائید میں تاریخ صغری و صاحب تحفۃ التواریخ کے بیانات بھی ہیں۔ اور مولوی محمود احمد صاحب نے بھی اپنی تاریخ امروہہ کی جلد چہارم تحقیق الانساب کے صفحہ ۲۸۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ:-

"مولنا ابن کے پدر بزرگوار مولانا رکن الدین عباسی کی امروہہ میں موجودگی بزمانہ ہمایوں و اکبر دیرینہ تحریرات سے ثابت و محقق ہے۔

ان چاروں تذکرہ نویسوں کے بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مولنا رکن الدین اور ان کے تین فرزند بین و میٹھے وا منٹھن جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے ہم عصر ہیں۔ اکبر بادشاہ کی سلطنت کا آغاز ۹۶۳ھ میں ہوا ہے۔ پس یہ باور کر لینا قطعاً جائز ہے کہ مولنا رکن الدین کی پیدائش قریباً ۹۱۰ھ میں ہوی۔ موسی بن امین کے اوپر شجرہ بالکل صاف ہے۔ اور ہزار ہا تاریخی شہادتیں اس کی تائید میں مل سکتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مولنا رکن الدین اور موسی بن امین کے درمیانی اسما کی تعداد بلحاظ بعد زمانی اتصال نسب کے لئے حسب قاعدہ مقبولہ نسابین کافی ہے یا نہیں۔ جیسا کہ ابھی بیان ہوا مولنا رکن الدین کی پیدائش قریباً ۹۱۰ ہجری میں ہوی اور موسیٰ بن امین کی وفات ۲۰۸ھ میں ہوی۔ پس ان دونوں کا درمیانی زمانہ (۹۱۰ - ۲۰۸) قریب قریب سات سو سال بر آمد ہوتا ہے۔ سات صدیوں میں حسب قاعدہ مقبولہ بحساب تین فی صدی ۲۱ پشتوں کی ضرورت اتصال نسب کے لیے ہوتی ہے۔ ایک دو تین کی کمی بیشی بھی ہو تو

چنداں مضایقہ نہیں مگر جب شجرہ مندرجہ آئینۂ عباسی متذکرہ بالا پر نظر ڈالی جاتی ہے تو مولنٰا رکن الدین اور موسیٰ کے درمیان صرف ۱۱ نام شمار میں آتے ہیں اور ۱۰ پشتوں کی کمی واقع ہوتی ہے پشتوں کی کمی کی تعداد اس قدر کثیر ہے (یعنی ۱۰) کہ اس سلسلہ نسب کو صحیح اور متصل نہیں کہا جا سکتا ہے اس کے بعد صاحب تاریخ اصغری کا بیان بھی توجہ طلب ہے بیان فرماتے ہیں۔

"جب امیر تیمور نے دہلی کو فتح کیا تو یہ لوگ وہاں سے بھی جلاوطن ہو کر پنجاب میں جا رہے اور وہیں مولوی میاں پیشے جن کو طوطی پنجاب کہنا لائق ہے پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلہ گیارہ واسطوں سے سلطان محمدؐ امین تک پہنچتا ہے۔

اس بیان سے بھی سلسلہ نسب کے واسطوں کی حد تک قریب قریب وہی نتیجہ نکلتا ہے جو صاحب آئینۂ عباسی کے بیان سے برآمد ہوا اور جس کا ذکر سطور بالا میں کر دیا گیا مزید وضاحت اب غیر ضروری ہے۔

آئینۂ عباسی کی تاریخ اشاعت ۱۲۹۲ء ہے نصف صدی کی مدت گذر لینے کے بعد مولوی محمود احمد صاحب نے تاریخ امروہہ شائع کی اس کی دوسری جلد تذکرۃ الکرام کے صفحہ ۲۳۸ پر مولنٰا رکن الدین صاحب مذکور کا شجرہ نسب اس طرح درج کیا گیا ہے۔

"مولنٰا رکن الدین[۱] بن نظام الدین[۲] بن شمس الدین[۳] بن شرف الدین[۴] بن معین الدین[۵]، بن تاج الدین[۶] بن محمد یوسف[۷] بن محمد حمزہ[۸] بن محمد اسحاق[۹] بن محمد اسمٰعیل[۱۰] بن محمد باقر[۱۱] بن علاء الدین[۱۲] بن قطب الدین[۱۳] بن محمد نقی[۱۴] بن محمد تقی[۱۵] بن موسیٰ[۱۶] بن امین الرشید[۱۷]۔

آئینۂ عباسی میں جو شجرہ اس خاندان کا درج کیا گیا ہے۔ وہ اوپر نقل ہو چکا ہے۔

اب اس شجرہ سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تین نام (محمد تقی و محمد اسمٰعیل و نظام الدین) زائد ہیں۔ تعجب ہے کہ صرف نصف صدی کی مدت میں ان دو شجروں میں جو اہل خاندان کے مرتب کردہ ہیں تین ناموں کی کمی بیشی نظر آتی ہے۔ اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوی۔ ہمیں یقین ہے کہ اب سے نصف صدی قبل مولوی محب علی خاں صاحب مرحوم نے کامل احتیاط سے شجرہ مرتب فرما کر نام تحریر فرمائے تھے۔ اور اب تک اہل خاندان کا معمولہ و مقبولہ شجرہ نسب یہی تھا۔ اور اب بھی ہے۔ مولوی محب علی خاں صاحب ذی عزت اور باخبر عالم اور اپنے زمانہ میں مشاہیر امروہہ میں سے تھے۔ یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے اپنا شجرہ نسب بلا کافی تحقیق کے غلط شائع کر دیا تھا بہرحال اس اختلاف کی وجہ کچھ بھی ہو دیکھنا یہ ہے کہ مولوی محمود احمد صاحب کے دئے ہوئے شجرہ میں ان تین ناموں کے اضافہ سے کیا شکل قائم ہوتی ہے۔ اور باوجود ان تین ناموں کے اضافہ ہوجانے کے مولانا رکن الدین اور موسیٰ کے درمیانی اسما کی تعداد بغرض اتصال نسب کافی ہے یا نہیں۔ جو نتیجہ آئینۂ عباسی کے شجرہ سے نکلتا ہے وہی مولوی محمود احمد صاحب کے شجرہ سے بھی نکلتا ہے صرف تین کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ یعنی آئینۂ عباسی کے شجرہ سے بغرض اتصال نسب دس واسطوں کی کمی واقع ہوتی ہے۔ اور تاریخ امروہہ کے اس شجرہ سے (۱۰-۳=۷) سات کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ باقی تمام حالات بدستور ہیں۔ یعنی اشخاص وہی ہیں عہد زمانی بھی وہی ہے جو اس صدی کے سب تذکرہ نویسوں کا مقبولہ ہے سات واسطوں کی کمی کی موجودگی میں بھی یہ سلسلہ نسب متصل اور صحیح نہیں ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس میں جانبیں یعنی مولانا رکن الدین اور موسیٰ بن امین کے ناموں کا اضافہ کر لیا جائے۔

تب بھی پانچ واسطوں کی کمی قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ تاریخ امروہہ جلد اول کے صفحہ ۱۹۱ سطر ۴ میں مولنا رکن الدین کو شمس الدین صاحب کا فرزند لکھا گیا ہے جس سے صاحب آئینہ عباسی کے شجرہ کی تائید ہوتی ہے۔ مگر اس کے بعد تذکرۃ الکرام صفحہ ۱۴۰ میں مولنا رکن الدین صاحب کی ولدیت نظام الدین ظاہر کی گئی ہے۔ اور اسی جلد دوم کے غلطنامہ میں جلد اول کے بیان کی اصلاح ہوکر مولنا رکن الدین کو شمس الدین کا پوتا لکھا گیا ہے چونکہ فرزند اور پوتے کی کتابت میں مطبع کے کاپی نویس کی غلطی بظاہر نہیں معلوم ہوتی بعض اصحاب نے ذی علم مصنف کی بدنیتی پر اسے محمول کیا ہے۔ مگر ہم اس سے ہرگز متفق نہیں ہیں۔ البتہ یہ امور صراحت طلب ضرور ہیں کہ آئینہ عباسی کے بیانات سے یہ اختلاف کیوں ہے۔

ایک شجرہ نسب قلمی اس خاندان کا راقم الحروف کے پاس پیش کیا گیا۔ جس کی تاریخ تحریر اب سے ۶۰ سال قبل کی ہے اس میں اسمار مندرجہ آئینہ عباسی سے بھی دو ناموں کی کمی پائی جاتی ہے۔ مگر یہ شجرہ بالفعل اس لئے قابل استدلال قرار نہیں دیا جاسکتا کہ کاتب کا نام تو ضرور درج ہے مگر ہنوز یہ نہ معلوم ہوسکا کہ یہ کون صاحب ہیں دیگر یہ کہ شجرہ اشخاص غیر کے پاس سے پیش ہوا ہے کسی صاحب شجرہ کے پاس سے پیش نہیں ہوا۔

اس خاندان کی نسبی بحث کا دوسرا حصہ ابھی باقی ہے اور وہ یہ کہ سلطان امین الرشید سے بتوسط موسیٰ شجرہ نسب کا اتصال دکھایا گیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ موسیٰ بن امین کے کسی معقب کا کوئی ذکر کسی تذکرہ یا تاریخ یا انساب کی کتاب میں پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اس کا جواب نفی میں ہے۔ یہ سچ ہے کہ عدم

ذکر عدم شئے کو مستلزم نہیں ہے۔ پھر بھی یہ ایک قباحت ہے۔ کیونکہ بقول مورخین موسیٰ بن امین کی وفات ۱۹۶ھ میں ہوئی ہے۔ (ثم دخلت سنۃ ثمان ومائتین .... وفیھا مات موسیٰ بن الامین والفضل بن الربیع فی ذی القعدۃ (کامل ابن اثیر) اور ۱۹۵ھ میں جب کہ یہ بقول مورخین شیر خوار تھے ان کی ولی عہدی کا انعقاد ہوا ہے ثم دخلت سنۃ خمس وتسعین ومائۃ فیھا ابطل الامین اسم المامون من الخطبۃ وکان ابوھما قد عھد الی الامین ثم الی المامون من بعدہ کما ذکرناہ فخطب لھما الی ھذہ السنۃ فقطعھا الامین وخطب لابنہ موسیٰ بن الامین ولقبہ الناطق بالحق وکان موسیٰ طفلاً صغیراً۔ (ابو الفدا .... بقول صاحب تاریخ الخلفا وغیرھم ۱۹۵ھ میں موسیٰ بن امین کی شیر خوارگی تسلیم شدہ امر ہے۔ علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں:-

وبایع بولایۃ العھد لابنہ موسیٰ ولقبہ الناطق بالحق وھو اذ ذاک طفل رضیع فقال بعض الشعراء فی ذالک شعراً

اضاع الخلیفۃ غش الوزیر	وفسق الامیر وجھل المشیر
ففضل وزیر وبکر مشیر	یریدان ما فیہ حتف الامیر
لواط الخلیفۃ اعجوبۃ	واعجب منہ خلاق الوزیر
فلو یستعفان ھذا بذاک	لکان بعرضھما امر تسیر
واعجب من ذا وذا اننا	نبایع لطفل فینا الصغیر
ومن لیس یحسن غسل استہ	ولم یخل عن بولہ حجر ظئر

وماذاک الا بفضل وشکر یریدان طسرل مکتب المنیر
ومانالک لولا انقلاب الزمان فی العیر هذا ان امر فی النفیر

دیکھو محمد امین نے ظلم و تعدی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ اور دونوں بھائیوں۔ (مامون و موتمن) کو خلافت سے محروم کر کے اپنے ایک چھوٹے لڑکے کو جو دودھ پی رہا ہے۔ اپنا ولی عہد بنایا ہے اور اس کی بیعت لی ہے۔ اور خلیفہ ہارون کے لکھے ہوئے عہد نامہ کو خانہ کعبہ سے نکلوا کے ظلماً چاک و تلف کر ڈالا ہے۔ (ترجمہ ابن خلدون) ہم نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے جو عہد کیا ہے اس پر قائم رہنا چاہئے اور موسی کی جو ایک شیر خوار بچہ ہے ہرگز بیعت ولی عہدی نہیں کرنی چاہیے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دوسرا نازیبا کام فضل بن ربیع نے امین سے یہ کرایا کہ مامون کو ولی عہدی سے معزول کرا کر امین کے شیر خوار بچے کو ماموں کی جگہ ولی عہد بنوایا اور اس ملک میں سے جو ہارون کی وصیت اور تقسیم کے موافق ملا تھا کچھ لینا چاہا۔ (تاریخ اسلام اکبر خانی)۔

علامہ طبری وغیرہ بھی اس کی عمر بوقت اعلان ولی عہدی یہی ظاہر کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۵ھ میں موسیٰ بن امین نے (حولین کاملین) کی مدت معینہ رضاعت کو ختم نہیں کیا تھا اور ولایت عہد کے انعقاد کے وقت ان کی عمر ۱۹۵ھ میں کامل دو سال نہیں ہوئی تھی اس طرح امکان پایا جاتا ہے کہ ۱۹۱ھ میں ان کی ولادت ہوئی یا بصورت دیگر ۱۹۴ھ میں دونوں صورتوں میں ان کی عمر تیرہ یا چودہ سال ۲۰۸ھ میں بوقت وفات قرار پاتی ہے۔ اس عمر میں صاحب اولاد ہو جانے کا امکان تو ضرور ہے۔ مگر یہ کہ یہ امر کس قدر قریب الامکان ہے۔ یا بعید الامکان ہے۔ اس کا اندازہ ہر

عاقل و بالغ شخص بجائے خود بھی اور عام مشاہدہ کی بنا پر کر سکتا ہے۔ تائیدی شہادت
ان بیانات کے لیے جب تک موجود نہ ہو ان حالات میں مشکل باور کیا جا سکتا ہے کہ موسیٰ
بن امین کے اس کم سنی میں کوئی عقب باقی رہا ان کے صاحب اولاد ہونے کے
ذکر سے تمام کتب تذکرہ یکسر خالی ہیں بخلاف اس کے ان کی نسل موجود نہ ہونے کی شہادت
موجود ہے مورخ غلام صاحب تاریخ اسلام مولانا اکبر شاہ خانصاحب اپنی مشہور تاریخ میں
تحریر فرماتے ہیں:-

معتصم پڑھا لکھا نہ تھا۔ اس لیے ولی عہدی کے قابل اس کو ہارون نے
نہیں سمجھا۔ مگر وہ خلیفہ ہوا اسی کی اولاد سے بہت سے عباسی خلیفہ ہوئے۔ اور
اسی سے ہارون الرشید کی نسل چلی۔ (تاریخ اسلام اکبر خانی جلد دوم ص۲۴۳)

اس عبارت میں یہ جملہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ اسی سے ہارون کی نسل چلی
لفظ (اسی) حصر کے لیے ہے اس سے ثابت ہوا کہ ہارون الرشید کی نسل بجز معتصم باللہ
کے اور کسی سے نہیں چلی۔ امروہہ کے اس خاندان کا سلسلہ معتصم باللہ کے ذریعہ سے ہارون
تک نہیں بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ موسیٰ بن امین کے ذریعہ سے۔ اس کا اتصال دکھایا گیا
ہے۔ جو معتصم کی شاخ سے قطعاً علیحدہ ہے۔ الغرض زمانہ حال کے تذکرہ نویسوں کے
بیان و اتفاق پر کہ مولانا رکن الدین کا زمانہ اکبر بادشاہ کا زمانہ ہے۔ مولانا رکن الدین
کے شجرہ میں موسیٰ بن امین تک حسب صراحت تاریخ اصغری و آئینہ عباسی دس و حسب
صراحت تاریخ امروہہ سات واسطوں کی کمی اتصال نسب کے لیے ثابت ہوتی ہے۔
موسیٰ بن امین کے عقب کا پتہ تحریری شہادت سے نہیں چلتا نہ ان کی اتنی کم سنی میں
بغیر کسی مخصوص شہادت کے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ صاحب اولاد ہوئے اور ان کی

اُن کی نسل موجود نہ ہونے کی تاریخی شہادت بھی موجود ہے۔ پس ایسا سلسلہ نسب صحیح اور متصل نہیں ہے۔ اور نہ ایسے خاندان کو صحیح النسب ہی کہا جا سکتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ مشہور النسب کہہ سکتے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قریباً ایک صدی سے اس خاندان کو علمی وجہ الشہرت کتب تذکرہ میں عباسی لکھا گیا ہے۔ ایک صدی سے قبل اس خاندان کا کوئی ذکر کسی تذکرہ یا تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ البتہ یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ یہ خاندان ذی عزت ہے اور اس میں عالم و فاضل ہوتے آئے ہیں۔ اور نہ اس خاندان کے شریف النسب ہونے میں کلام کرنے کی گنجائش ہے۔ ان میں مولوی محب علی خان صاحب مرحوم ساکن محلہ کوٹ اور مولوی محمود احمد صاحب مصنف تاریخ امروہہ ساکن محلہ ملا تہ سے کے گھرانے خاص طور پر اپنے خاندان میں ممتاز ہیں۔ مولوی محمود احمد صاحب کے ایک بھائی محمد داؤد صاحب امروہہ میں دور اول کے گریجویٹ اور شاعر شیریں بیان تھے جو لاولد فوت ہوئے۔ دوسرے بھائی مولوی زبید احمد صاحب طبیہ کالج میں پروفیسر ہیں جن کی مصنفہ کتاب سیرۃ العباس رضی اللہ عنہ کافی شہرت حاصل کر چکی ہے تیسرے بھائی مسعود احمد صاحب انجنیر دہلی میں ہیں جو درحقیقت اس خاندان کے گل سرسبد ہیں۔ نہایت درجہ علم دوست اور ہر دل عزیز شخص ہیں۔ خود مولوی محمود احمد صاحب نے سرزمین امروہہ پر جو شہرت تاریخ امروہہ لکھنے سے حاصل کی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ امروہہ میں شائد ہی کوئی شخص ایسا نکلے جو ذی علم مورخ ممدوح سے واقف نہ ہوگا۔ ماشاء اللہ نہایت کثیر المطالعہ شخص ہیں۔ تاریخ امروہہ لکھنے میں جو کوشش اور جانفشانی آپ نے فرمائی ہے اور مختلف خاندانوں کے کاغذات دیرینہ فراہم کرنے اور حالات بہم پہونچانے میں جو محنت شاقہ آپ نے برداشت کی ہے وہ

یقیناً قابل داد ہے۔ اس تاریخ کی جلد چہارم و دوم ہیں جن کے نام علی الترتیب تحقیق الانساب و تذکرۃ الکرام ہیں بعض غیر ضروری مباحث ایسے درج ہو گئے جن کے وجود سے ان کا عدم ہی بہتر تھا نسبی تحقیق کی حد تک اگر بحث رہتی تو مضائقہ نہ تھا غضب یہ ہوا کہ بعض غیر ضروری مباحث ایسے چھڑ گئے جن سے ناگوار مذہبی مباحث کا فتنہ خوابیدہ بیدار ہو گیا کاش کہ ان دونوں جلدوں میں یہ مباحث اور بعض دیگر غیر ضروری مباحث نسلی مفاخرت وغیرہ کے درج نہ کئے جاتے تو یہ تاریخ اہل امروہہ کی حد تک ایک بے مثل تاریخ ہوتی اس تاریخ کی جلد اول شائع ہونے پر جو توقعات باوجود اس کی متعدد خامیوں کے وابستہ ہوئی تھیں افسوس اور ہزار افسوس ہے کہ ان مذہبی مباحث وغیرہ کے درمیان آنے سے دور ہو گئیں بہرحال ہم جناب ممدوح کے شکرگزار ہیں کہ اپنی صریر قلم سے انہوں نے خفتگان خواب غفلت کو بیدار کر دیا۔ اور ایک عام لاپرواہی اور بے حسی کی جو کیفیت حفاظت حالات نسب کی طرف سے پیدا ہو گئی تھی دور ہو کر ہر طرف سے تحقیق نسب و جستجوئے آثار صنادید کے مظاہرے ہونے لگے ہم نے اپنی اس ناچیز تالیف میں حسب دستور جناب ممدوح کے افادات سے جابجا تائیداً و تردیداً استفادہ کیا ہے جس کے لیے ہم ممنون ہیں۔ اور بدل شکریہ ادا کرتے ہیں۔ شجرہ نسب آنجناب کا آپ ہی کی تاریخ امروہہ سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ وہو ہٰذا۔

(محمود[1] احمد مولف تاریخ امروہہ بن مولوی علی[2] محمد بن حضرت شاہ احمد[3] علی بن مولوی سعادت[4] علی بن مولنا عبد الحی[5] بن مولنا عبد[6] الرحیم بن مولنا عنایت[7] اللہ بن ملا نذر[8] محمد بن حاجی محمد صالح[9] بن مولانا محمد[10] بن مولنا بابن[11] بن مولنا رکن[12] الدین بن مولنا نظام[13] الدین بن مولنا شمس[14] الدین بن شرف الدین بن معین الدین بن تاج الدین بن محمد یوسف[15] بن محمد حمزہ[19] بن محمد اسحاق[20] بن محمد[21] اسمٰعیل بن محمد باقر[22] بن علاء[23] الدین بن قطب[24] الدین بن محمد نقی[25] بن

محمد تقی[26] بن موسیٰ[27] بن محمد امین[28] بن سلطان ہارون[29] الرشید بن محمد مہدی[30] بن عبد اللہ المنصور[31] بن محمد[32] بن عبد اللہ[33] بن حضرت عباس[35] ؓ)

[illegible] امروہہ میں اس خاندان سے کسی قرابت کے قائم ہونے کا علم ہمیں نہیں ہے۔

خاتمہ جلد اوّل

الحمد للہ والمنۃ کہ تاریخ سادات امروہہ کی جلد اول ختم ہوتی ہے۔ آغاز کتاب میں بھی وضاحت اس امر کی کر دی گئی ہے کہ یہ کتاب تاریخ امروہہ یا تاریخ جمیع سادات امروہہ نہیں ہے۔ اور اب مکرر ناظرین کی خدمت میں التماس ہے کہ براہ کرم اس کتاب کو تاریخ امروہہ یا تاریخ جمیع سادات امروہہ کے خیال سے ملاحظہ نہ فرمایا جائے اور خاص طور پر یہ امر ملحوظ رہے کہ یہ تذکرہ خاندان مخدوم سید شرف الدین شاہ ولایت نقوی الواسطی الامروہوی کے ذکر کی حد تک محدود ہے۔ بعض ان خاندانوں کا ذکر بھی مختصر طور پر اس میں کر دیا گیا ہے جن سے تعلقات مصاہرت جناب شاہ ولایت مذکور کے خاندان سے قدیم سے قائم ہوتے چلے آ رہے ہیں اور اسی ضمن میں کہیں کہیں دیگر خاندانوں اور بعض دیگر مشاہیر کا ذکر بھی ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دیگر مباحث بھی جو بڑی حد تک تاریخی نہیں ہیں مثلاً بحث سیادت وغیرہ اس میں تحریر ہوئے ہیں۔ بعض الفاظ و اصطلاحات کے معانی و مفہوم پر تاریخی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور حتی المقدور اس کی کوشش کی گئی ہے کہ الفاظ و اصطلاحات کی بحث تاریخی حدود سے گذر کر مذہبی بحث کا پہلو نہ اختیار کرے۔ سادات و شرفا کے بعض دیگر خاندان بھی امروہہ میں آباد ہیں جن کا ذکر ضمناً بھی اس کتاب میں نہیں ہو سکا ہے اور یہ امر اچھی طرح واضح ہے کہ سرزمین

امروہہ پربسنے والے تمام خانوادہائے سادات کے ذکر کی یہ کتاب جامع نہیں ہے۔

جلد دوم بھی مرتب ہو چکی ہے اور امید ہے کہ بہت جلد طبع ہو کر منظر عام پر آئے گی۔ بعض وہ مضامین جو جلد دوم کے لیے مخصوص تھے بوجہ عدم گنجایش جلد دوم اس جلد میں شریک کر دئے گیے اور وہ سلسلۂ بیانات جو ابتدا میں قائم کیا گیا تھا شکست ہو گیا جس کا افسوس ہمیں ہے لیکن بدرجہ مجبوری ایسا کرنا پڑا کیونکہ جلد دوم کی ضخامت انداز سے بہت زیادہ ہو چکی ہے اور ابھی سلسلۂ مضامین میں اضافہ جاری ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ شائد جلد سوم علحدہ مرتب کرنی پڑے۔ جلد اول کے بعض مضامین مثلاً ذکر سادات حسنی محلۂ کوٹ وذکر سادات محلہ لکڑہ وذکر دیگر قبائل بنی ہاشم وغیرہ در اصل جلد دوم ہی کے مضامین ہیں جن کو بدرجہ مجبوری جلد اول میں جگہ دی گئی ہے۔

جلد اول مرتب ہو کر ایک مطبع میں بغرض طباعت دی گئی تھیں افسوس ہے کہ مالک مطبع کے بدمعاملگی کے باعث اس کی طباعت میں ناواجبی تاخیر ہوی ہے اور ایک سال تک طباعت ملتوی رہی۔ بالآخر دوسرے مطبع میں طباعت کا اہتمام کیا گیا۔ راقم الحروف کی دیگر مصروفیتوں کے باعث پروف کی تصحیح کا انتظام جیسا کہ چاہیے نہ ہو سکا زیادہ تر یہ کام ایک دوسرے صاحب کے سپرد رہا جا بجا کتابت کی غلطیاں خصوصاً عربی وفارسی عبارات میں رہ گئیں اور تاریخ اشاعت تک بھی ان کی جامع فہرست بباعث دیگر مصروفیتوں کے مرتب نہ ہو سکی امید ہے کہ جلد دوم میں جلد اول کا جامع غلطنامہ طبع ہو گا۔

جلد اول میں رجال سادات نقوی متوطنہ امروہہ کا ذکر اجمالاً شجرات نسب کی وضاحت اور مختصر طور پر تعارف کے لیئے کر دیا گیا ہے جلد دوم میں ماضی قریب و

حال کے ارباب کمال واکابر علما وصوفیا وشعرا وحکما ورؤسا ومشاہیر سادات کا ذکر تفصیل ہوگا اور ان کی تصنیفات اور دیگر آثار پر گفتگو ہوگی جلد اول میں سید عبدالعزیز بن سید شرف الدین شاہ ولایت رح کی اولاد کے حالات بیان ہوئے ہیں جلد دوم میں سید امیر علی بن شاہ ولایت رح کی اولاد امجاد کے حالات بتفصیل بیان ہونگے سادات دانشمندان وسادات نوگیان وغیرہ کا ذکر اور ان سب کے شجرات نسب بھی جلد دوم میں ہیں ان کے علاوہ بعض دیگر مضامین مثلاً علم نسب وتحفظ نسب وفخر نسب وغیرہ پر تاریخی روشنی میں بحث فرہنگ اسمار رجال اور بعض قدیم دستاویزات کے چربے اور اسی قسم کے دیگر مضامین جلد دوم میں دئیے گئے ہیں علم الانساب پر اصولی بحث نہایت تفصیل سے کی گئی ہے اور مشاہیر علما، وعلم الانساب کے بیان کردہ مختلف اصول اور نظریوں سے تاریخی حدود کے اندر استفادہ کیا گیا ہے۔

فخر نسب کے متعلق بھی اجمالاً یہاں بیان ہوجانا ضروری ہے اس کی تفصیلی بحث جلد دوم میں درج ہے یہاں ہم اس مسئلہ خاص پر اپنے مسلک واعتقاد کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام نے جات پات کے تمام امتیازات کا سدباب کیا اور نسلی وقومی ووطنی الغرض ایسی تمام خودساختہ حدبندیوں کو دور فرماکر ایک عالمگیر اسلامی برادری کی بنا ڈال دی ہے جس میں من وتو کا کوئی سوال باقی نہیں رہا اور تمام بنی نوع انسان کو از روئے مذہب ایک ہی سطح مستوی پر لے آیا گیا۔ خدا کے نزدیک بنی آدم میں اکرم وہی ہے جو اتقیٰ ہے ارشاد نبوی ہے۔ الناس کلھم بنو آدم وآدم من تراب (خطبہ فتح) اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ ہمارے اعتقاد میں نسب کو مذہب میں کیا

دخل ہے تو ہمارا وہی جواب ہے جو اپنی غایت مقبولیت کے باعث ضرب المثل بن چکا ہے (کہ درین راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست) الحمد للہ تعالیٰ ہم اس نبی آمی کی امت میں ہیں جس نے اہل دنیا کو مساوات کا درس فطرۃً دیا اور بے شمار بندگان خدا کو ان کی چھنی ہوی آزادی واپس دلاکر غلامی و محکومی کے صنم اکبر کو پاش پاش کر دیا۔ و لنعم ما قیل۔

غلامی سے چھڑایا تو نے آکر نسل انساں کو　　جہاں میں بج گیا ڈنکا ترے انعام احساں کا

اب رہا خاص فخر نسب کا مسئلہ۔ یہ بھی مثل دیگر معاملات کے نسبتی ہے۔ یعنی یہ کہ اس میں سوال نیت اور برمحل ہونے کا نہایت اہم ہے۔ اگر نیت بخیر اور فخر برمحل ہو تو عین صواب اور خیر محض ورنہ اگر نیت میں فتور ہوا اور بے محل فخر کیا جائے تو یہی عین خطا اور بزرگوں کی استخواں فروشی اور (پدرم سلطان بود) کی رٹ ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مثال کے لیے خود آنحضرت صلعم کا عمل شریف ہمارے سامنے ہے۔ حضور نے اپنے نسب شریف پر بار بار مختلف عنوان سے مختلف مقامات پر فخر فرمایا ہے حتّٰی کہ ہنگامہ جنگ کی گرما گرمی میں بھی آپ نے اپنے نسب شریف کی اصالت و عظمت کی سپر سے برمحل کام لیا ہے۔ مسلمان یوم حنین کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے کہ پہلی ہی ٹکر میں بارہ ہزار مسلمانوں کے پاؤں (جن پر ان کو اس روز بڑا ناز تھا) اکھڑ گئے اور وہ سراسیمگی اور ابتری لشکر اسلام میں نمایاں ہوی کہ اگر اس شکست کی تکمیل ہو جاتی تو شاید شرک و کفر کو توحید و اسلام پر کامل غلبہ حاصل ہو جاتا مگر وہی ایک صدائے رعد آسائے کفر سوز و ایمان نواز تھی جو ایک طرف لشکر کفار پر صاعقہ شرربار کی طرح گری اور دوسری طرف اس نے

لشکر اسلام کے انتشار و انہزام کو جمعیت و قوت سے بدل دیا اور نسیم فتح علم اسلام کو لہرانے لگی وہ یہی صدا تھی (انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب) کیا کوئی ذی عقل اس برمحل فخر پر معترض ہو سکتا ہے اس سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ اگر فخر برمحل اور نیت بخیر ہو تو فخر نسب خیر محض ہے اور کیوں نہ ہو کہ آباء صالحین کے اعمال و افعال حسنہ اخلاف کے لیے بہترین رہنما ہو سکتے اور ہوتے ہیں۔ اگر فخر نسب کا بالآخر یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ خود کو یا دوسروں کو اس سے اعمال نیک کی ترغیب و تشویق ہو تو یہ عمل بلاشبہ ایک پیغمبرانہ عمل ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو آباء صالحین کے قصص مطالعہ کرنے کے بعد اعمال نیک کی توفیق ملے۔ خاص اسی نیت سے اس کتاب کو تحریر کیا گیا ہے۔ بزرگان سادات کے ان حالات کو پڑھ لینے کے بعد منجملہ ان ہزارہا اشخاص کے جن کے مطالعہ سے یہ کتاب گزرے گی اگر کسی ایک فرد واحد کی رگ حمیت میں حرکت پیدا ہو کر جذبہ اسلامی اور ولولہ عمل پیدا ہو جائے تو ہم بے اختیار کہیں گے (نازم از زندگی خویش کہ کارے کردم) وما توفیقی الا باللہ۔ بزرگوں کے حالات بیان کرنے سے ہمارا مقصود تفاخر بیجا و تعلی ہرگز نہیں ہے بلکہ موجودہ انحطاط و پستی میں بقول مولانا نظامی رح (بلندی نمودن در افگندگی + فراہم شدن در پراگندگی) عمل پیدا ہوتا ہے۔ اور نسل سادات کو یہ دکھانا ہے کہ تم پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو۔ ہم نے بعض تذکرہ نویسوں کی طرح اس کتاب میں تحصیلداروں اور حکام پرگنہ کی خوشنودی کی چٹھیوں کے نقول درج نہیں کی ہیں۔ بلکہ اکابر سادات کے قصص کو متاخرین سادات کی عبرت و موعظت کے لیے درج کیا ہے اور بس۔ اسی ضمن میں بمصداق افسانہ از افسانہ می خیزد بعض دیگر امور بھی تحریر ہو گئے ہیں

دبے محل اور برمحل فخر نسب اور اُن کے بُرے بھلے نتائج کی تفصیلی بحث اور متعلقہ مسائل کے لیے ملاحظہ ہو جلد دوم) ہم نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ اپنے بزرگوں کے کارنامے دیگر ایسے مصنفین کے عبارات میں بیان ہوں جن کو کوئی تعلق ہمارے خاندان سے نہیں ہے۔

راقم الحروف پر اہل خاندان ودیگر احباب کی ایک ضیافت واجب الادا چلی آتی تھی اور قریب میں کوئی شکل اس قرضہ کے ادا ہونے کی بباعث ترک سکونت ودیگر امور لاحقہ نظر نہ آتی تھی۔ اس سے سبکدوش ہونے کے لیے یہ تجویز قرار پائی کہ بجائے دعوت طعام کے یہ معنوی ضیافت جملہ احباب کرام کی کر دی جائے۔ پس ایک ہزار جلدیں اس کتاب کی بلا معاوضہ ہدیتہً پیش کی جاتی ہیں اہل نظر سے امید ہے کہ اس ہدیہ کو شرف قبول سے مشرف اور خلعت پسند سے مخلع فرمایا جائیگا

من قصۂ اولادِ نبی خواندم ورفتم ۔۔۔ دریاب کہ لعل وگہر افشاندم ورفتم

سیادت نسبی ہاشمی پر مفتیان شرع متین کے فتوے

سید و مرزا و سادات و خان و میر وغیرہ یہ سب نسبی ولقبی اصطلاحات ہیں جن کے متعلق علمار دین و مفتیان شرع متین سے بحیثیت علمار دیں ومفتیان شرع متین فتویٰ طلب کرنا اور ان اصطلاحات ومحاورات کے معانی ومطالب اور عرف عام کی حد تک ان کا محل استعمال دریافت کرنا قطعاً بے محل ہے۔ البتہ علمار لغت ونسب وواقفان حالات سے بشرط ضرورت ان کے متعلق دریافت کیا جا سکتا

اس کی بحث جلد ہذا کے ایک مستقل باب میں لکھی جا چکی ہے۔ جس میں کا حقہ وضاحت اس امر کی کر دی گئی ہے کہ سید و سادات کا استعمال اظہار نسب کی غرض سے محض عرفی و اصطلاحی ہے مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اور عرف و اصطلاح کے قائم ہونے کی وجہ بھی ظاہر کر دی گئی ہے کہ سادات کے مورثوں کے حصہ میں جس قدر سیادتیں حسب ارشادات نبوی آئی ہیں وہ کسی دوسرے سلسلۂ نسب میں موجود نہیں ہیں (ملاحظہ ہو صفحہ ۶۰ جلد ہذا) سادات ہی کے مورثوں کے حصہ میں سیادۃ مطلقہ آئی (ملاحظہ ہو صفحہ جلد ہذا) سیادت مطلقہ یعنی ہر طرف کی سرداری میں سیادت نسبی بھی داخل ہے۔ ان تمام سیادتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اظہار نسب کے لیے عرفاً و اصطلاحاً آل فاطمہؑ کو اولاد نبی صلعم ہونے کی بے مثل شرافت کے لحاظ سے جمہور اہل اسلام نے اپنے متفقہ عمل سے سید و سادات سے موسوم و مخاطب کیا ہے۔ اور اقصائے عالم میں سوائے بنی فاطمہ کے کوئی گروہ ان الفاظ سے بغرض اظہار نسب عرف و اصطلاح کی حد تک موسوم و مخاطب نہیں ہوا ہے۔ سرزمین ہند کی حد تک ہم میں سے ہر شخص ان الفاظ متعارف کا محل استعمال اچھی طرح جانتا ہے جس کی زیادہ تفصیل و توضیح کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ لغت اردو کی مستند ترین و مبسوط ترین کتاب جو اس وقت تک اپنا ثانی اور نظیر نہیں رکھتی ہے اور جو سلطنت آصفیہ کے خاص شاہانہ امداد و سرپرستی سے معرض طبع میں آئی ہے اور جسے دہلی کے ایک نامور ادیب و مستند زبان دان نے مرتب کیا ہے۔ **فرہنگ آصفیہ** ہے۔ اس میں ان الفاظ کے یہ معانی تحریر ہیں **سادات** قوم **سید** وہ قوم جو حضرت علی کی اولاد اور حضرت فاطمہ کے بطن سے ہے۔ **سید** اسم مذکر۔ امام۔ پیشوا۔ رہنما۔ سردار۔ سردار قوم۔ حضرت۔

فاطمہؑ کی اولاد جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے حسنین کی اولاد وسبط رسول۔ اہل بیت۔ آل پیغمبر علیہ السلام۔ سیدزادہ۔ اسم مذکر اولاد حسنین۔ سید کی اولاد۔ از نسل سادات۔ سیدانی۔ قوم سادات کی عورت۔ سید کی بیوی جو اپنی ہی قوم سے ہو۔

ممالک اسلامیہ کی حد تک ہم نے ایک زندہ اور معتبر شہادت حضرت علامہ سید محمد بغدادی مدظلہٗ العالی کی کتاب ہذا کے صفحہ ۶ پر درج کردی ہے جو وہاں کے عرف و اصطلاح کی وضاحت کے لیے کافی ووافی اور بہمہ جہت لائق اعتبار ہے اور جس کی صحت میں کسی چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے کہ عیاں راچہ بیاں۔ دعوے کے ساتھ اور غایت وثوق سے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ سید وسادات کا استعمال بغرض اظہار نسب نبی فاطمہ ہی سے مخصوص رہا ہے۔ علامہ شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی لفظ سید پر بحث لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں (فمتی اطلق لا ینصرف لسواھم (الشرف المؤبد لآل محمد مطبوعہ مصر) یعنے جب لفظ سید باظہار نسب) کہا جاتا ہے تو بجز اولاد حسنین کے اور کوئی مراد نہیں ہوتا ہے۔ علامہ موصوف کا یہ بیان سراسر درست اور بجا ہے تمام عالم اس کا گواہ ہے۔

لفظ شریف کی حد تک اس کتاب میں ہم نے اپنی بحث کو وسعت نہیں دی ہے۔ اور جو کچھ بھی بحث ہے وہ صرف سید وسادات کی حد تک ہے۔ اور ہم نے یہ بھی بیان کر دیا ہے کہ جن اصحاب کو لفظ شریف بغرض اظہار نسب لکھنے کی خواہش ہے وہ بتائید بیان مندرجۂ رسالہ زینبیہ اپنے ناموں کے ساتھ شریف کا اضافہ کر دیکھیں اور اس کے جواز کے لیے زمانہ کی قبولیت عام کے منتظر رہیں۔ اگر رسالۂ زینبیہ کے اس بیان میں کوئی حقیقت اور اصلیت ہے کہ لفظ شریف کا استعمال کسی زمانہ بعید میں تمام

ہاشمی افراد کے لیے ہوتا تھا (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۳ کتاب ہذا) تو اب یہ امر درجۂ یقین ثابت ہے کہ لقب شریف سے ملقب ہونے کے لئے اہل عالم کے نزدیک سوائے بنی فاطمہ کے دیگر بنو ہاشم اب مستحق نہیں ہیں کیونکہ تمام عالم کے متفقہ و مقبولہ عمل کی بنا پر لفظ شریف کا اختصاص صرف بنی فاطمہ کے ساتھ قرار پا چکا ہے اور عرف و اصطلاح کا قیام بغیر قبول عام و دوام کے ممکن ہی نہیں ہے۔ جس سے بر تقدیر تسلیم صراحت مندرجہ رسالہ زینبیہ ثابت ہوتا ہے کہ جمہور مسلمین کے قبول عام و دوام کے معیار پر غیر بنی فاطمہؑ کامل العیار ثابت نہ ہوئے اور لفظ شریف کا استعمال ان کے لیے متروک و خارج از اصطلاح ہو گیا۔ اہل حجاز کی اصطلاح میں حسنی و حسینی سادات میں سے شریف مخصوص حسنی سادات کے لیے بولا جاتا ہے (للتفرقۃ بینھما) علامہ شیخ یوسف مذکور الصدر تحریر فرماتے ہیں (قال ابن حجر المکی ولا یدخل غیر ذریۃ الحسن والحسین فی الوقف علی الاشراف والوصیۃ لھم لان الوقف والوصیۃ منوطان بعرف البلد و عرف مصر ونحوھا اختصاصھم بذریۃ الحسن والحسین (الشرف المؤبد لآل محمد مطبوعہ مصر)۔ یعنی علامہ ابن حجر رح فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے اشراف کے نام سے وقف و وصیت کی ہو تو اس وقف و وصیت میں سوائے اولاد حسنینؑ کے اور کوئی داخل نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ وقف و وصیت عرف بلد پر منحصر ہے اور مصر وغیرہ کے عرف میں لفظ شریف حسنینؑ کی اولاد سے مخصوص ہے) ان تمام تحریری شہادتوں پر زیادہ غور و فکر کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ شہادت تمام اہل عالم کی اس وقت بھی موجود ہے۔ ہر وقت اور ہر مقام پر اس کی تصدیق کی جا سکتی ہے

ہر وہ شخص جو مدعی سیادت ہو سب سے اول اسے اہل عالم کی مروجہ ومسلمہ ومقبولہ اصطلاح پر کار بند ہونے کی ضرورت ہے ورنہ خلاف عرف و رواج اور بلا لحاظ اصطلاح ان مخصوص نسلی ونسبی الفاظ کا بے محل استعمال بہر نہج لائق اعتراض اور انتساب الی غیر الآبا کا باعث ہے جو عرفاً ممنوع عقلاً مکروہ اور شرعاً بھی درست نہیں ہے۔ ہر وہ شخص جو جماعت بنی فاطمہ میں اپنا شمول نہ بیان کرے اور مدعی سیادت نسبی ہو اچھی طرح غور کر لے کہ اقصاء عالم میں کسی مقام پر بھی اس کی جماعت کو سید وسادات سے مخاطب کرنے کا دستور ورواج ہے یا نہیں اور اظہار نسب کے محل پر تمام عالم میں سید وسادات سے کونسی جماعت کے افراد موسوم ومخاطب ہوئے اور ہوتے ہیں۔

ہمارا ارادہ نہ تھا کہ سید وسادات کی اصطلاح کی حد تک علماء دین کو جواب لکھنے کی تکلیف دی جائے۔ جلد ہذا کی طباعت ختم ہو رہی تھی کہ اتفاقاً ایک مدعی سیادت بنی ہاشم کی ایک تحریر نظر سے گذری جس میں بنی ہاشم کی عرفی واصطلاحی سیادت زیر بحث کا دعوی بایں الفاظ کیا گیا ہے کہ (بنی ہاشم پر بوجہ اس فوقیت نسبی کے جو رسول صلعم کی قرابت قریب کی وجہ سے دیگر قریشی خاندانوں پر ان کو حاصل تھی صدقہ وزکواۃ حرام ہوئے اور یہ مستحق خمس قرار پائے اور اسی بنا پر بنی ہاشم بغرض اظہار نسب سید وسادات سے موسوم وملقب ہوئے)۔ اس دعوے کے متعلق بھی چند مقامات پر جلد ہذا میں ہم نے اظہار کر دیا ہے کہ حرمت صدقات واستحقاق خمس خالص شرعی مسائل ہیں اور وضع اصطلاح سید وسادات سے اظہار نسب کی حد تک ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چونکہ حرمت صدقات واستحقاق خمس

کی بحث درمیان آجانے سے سوال کا مذہبی پہلو نمایاں ہو جاتا ہے اور بقول مدعیان سیادت بنی ہاشم یہی بنا، خاص عرفی و نسبی سیادت بنی ہاشم کی ہے اور ممکن ہے کہ ہماری اس کتاب کے بعض ناظرین کے خیال میں بھی اس مذہبی مسئلہ کے تعلق سے اس سوال کا حل ہونا ضروری ہو ہم نے مناسب خیال کیا کہ سوال زیر بحث کی مذہبی حیثیت اور صرف مذہبی حیثیت کی حد تک علمار کرام سے طے کر لیا جائے جس سے اچھی طرح اندازہ ہو سکے گا کہ ہم نے جو کچھ اظہار خیال کیا ہے علمار دین کے عقیدہ میں احکام شریعت سے مغائر ہے یا نہیں۔ سوال کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے یہی ایک عبارت بغرض تحریر جواب مشہور و معروف علمار دین کے پاس روانہ کی گئی اور ان سب جوابات میں مفتیان شرع متین بلا استثنا متفق اللفظ و متحد اللسان ہیں کہ حرمت صدقات و استحقاق خمس سے اس عرفی و نسبی سیادت کا کوئی تعلق شرع شریف میں نہیں ہے۔ ان سب جوابات کی نقل ہونے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور ہمارا مصمم ارادہ ہے کہ ایک مستقل کتاب جس کا نام تحقیق سیادت نسب تجویز ہوا ہے۔ خاص اس مبحث پر لکھ کر شائع کریں گے جس میں تمام عالم کے مشاہیر علمار دین کے فتوی بھی بحث کے مذہبی پہلو کی حد تک درج ہوں گے اور سیادت نسب کے تاریخی و مذہبی و رواجی و اصطلاحی غرض ہر پہلو پہ تفصیل سے بحث درج کی جائے گی۔ سب سے اول سوال کی عبارت ملاحظہ ہو اور وہ یہہ ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمار دین و مفتیان شرع متین اس سوال کے جواب میں۔ کیا مذہب اسلام کا یہ حکم ہے کہ جن افراد پر از روے شرع شریف صدقہ حرام ہے اور وہ مستحق خمس ہیں۔ ان سب کو بغرض اظہار نسب سید و

سادات سے موسوم و مخاطب کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

اسی ایک سوال کے چند جوابات بلحاظ گنجائش کتاب ہذا یہاں نقل کئے جاتے ہیں دیگر تمام جوابات کے نقول اور اس مبحث پر تفصیلی بحث کے ملاحظہ کے لیے ناظرین ہماری موعودہ کتاب "تحقیق سیادت نسب" کی اشاعت کے منتظر رہیں۔

نقل جواب عالیجناب مولانا محمد عمر صاحب جانشین مولانا احمد حسن صاحب محدث کانپوری رح و تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند رح وصدر دار العلوم عربیہ کرنول

ھو الموفق للصواب سید کے لغوی معنی سردار اور بزرگ کے ہیں جب کوئی شخص کسی قوم کا سردار ہوتا ہے تو اس کو سید کہتے ہیں یقال ساد قومہ فھو سید اور کبھی سید کا اطلاق مربی آقا خاوند........ اور کبھی پیشواؤں اور رہبروں پر سادات کا اطلاق ہوتا ہے بفحواء قولہ تعالیٰ تعالو ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا۔ ظاہر ہوا کہ سید کا لفظ متعدد معنوں میں مستعمل ہوتا ہے بناءً علیہ وہ افراد جن پر صدقہ حرام ہے اور مستحق خمس ہیں اور جن کا سلسلہ نسب علی رضی اللہ عنہ اور فاطمۃ الزہرا رض اور حسنین علیہما السلام سے جا ملتا ہے جن کی شان میں انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ وارد ہے اور جن کی فضیلت میں سرور کائنات نے مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینۃ نوح الخ اور انا تارك فیکم الثقلین فرمایا اور (ان فاطمۃ سیدۃ النساء المومنین وان الحسن والحسین سید اشباب اھل الجنۃ) ارشاد فرما کر صاف الفاظ میں سید اور سیدہ سے موصوف فرمایا پس اہل بیت کا مذکورہ آیات واحادیث سے بلحاظ نسبی شرافت فضیلت اور عظمت میں فائق ہونا ثابت ہوا اس لیے بغرض

اظہار نسب بطور اصطلاح سید کہنا قرار پایا اور عرفاً سید و سادات کے لفظوں سے موسوم کئے جانے لگے مذہب اسلام یہ تو حکم نہیں دیتا ہے کہ ان کو سید و سادات کہہ کر پکارا کرو لیکن اصطلاحاً سید و سادات کہنا درست و جائز ہے اور شرعاً بھی سید و سادات سے انھیں مخاطب کرنا ناجائز و نادرست نہیں ہے اور عرفاً بھی سید و سادات کا اطلاق بنی فاطمہؓ کے واسطے مخصوص ہے (خادم الطلبہ محمد عمر عفی عنہ)۔

نقل جواب علامہ سید سلیمان ندوی مؤلف سیرۃ النبی و جانشین حجۃ الملۃ و الدین علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور و رکن اعظم دار المصنفین اعظم گڈھ۔ سید اور سادات شرعی اصطلاحیں نہیں ہیں بلکہ عرفی ہیں جن سے صرف آل فاطمہ مراد لئے جاتے ہیں۔ اور صدقہ بنی ہاشم یعنی آل عباس آل جعفر آل عقیل اور آل حارث بن عبد المطلب پر حرام ہے (دیکھو فتاوی عالمگیری مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۸۹) چونکہ سید و سادات سے صرف آل فاطمہؓ مراد لئے جاتے ہیں اس لیے اُن کے علاوہ یہ القاب پورے خاندان بنی ہاشم کے لیے نہیں استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اس سے نسب کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ ہے اور قرآن مجید اور احادیث نبی کریم صلعم میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے کہ ایک کا نسب دوسرے کی طرف منسوب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ادعوھم لآبائھم ھو اقسط عند اللہ یعنی ان کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے بلایا کرو یہی بات خدا کے نزدیک زیادہ ترقرین انصاف ہے۔ نبی کریم صلعم نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جو اپنے کو غیر حقیقی باپوں کی طرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ من ادعی الی غیر ابیہ او انتمی الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ

المتابعہ الی یوم القیامۃ یعنی جو شخص کسی حقیقی باپ کو اپنا باپ بنائے یا اپنے کو اپنے غیر آقا کی طرف منسوب کرے اس پر پے در پے قیامت کے دن تک خدا کی لعنت ہے (علامہ) سید سلیمان ندوی۔

نقل جواب عالی جناب مولٰنا مولوی مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت علماء ہند (دہلی)۔ صدقہ بنی ہاشم پر حرام ہے ان سب کے لیے لفظ ہاشمی ایسا لفظ ہے جو اظہار نسب کے ساتھ اظہار حرمت صدقہ کے لیے کافی ہے۔ سید کا لفظ اس معنی میں محاورات عرب میں مستعمل نہ تھا ہندوستان میں بھی اتنے عام معنی میں متعارف نہیں ہے بلکہ حضرت علیؓ کی تمام اولاد پر بھی حاوی نہیں ہے صرف اولاد فاطمہ زہرارضؓ پر عرفاً بولا جاتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ شریعت میں کسی ایسے حکم کا وجود نہیں ہے کہ لفظ سید اپنے نام کے ساتھ حرمت صدقہ کے اظہار کی غرض سے لکھنا یا کہنا ضروری ہے (مولٰنا) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہٗ (مہر)

نقل جواب جناب علامہ و مولٰنا مفتی عبدالقدیر صاحب بدایونی مفتی عدالت العالیہ عثمانیہ ممالک محروسہ آصفیہ:— ہر دو جوابات مسلکہ (یعنی جواب علامہ سید سلیمان ندوی و جواب عالی جناب مفتی کفایت اللہ صاحب جن کی نقل ہوی بہترین صواب ہیں۔ شرعی بات صرف اس قدر ہے کہ تمام آل ہاشم پر صدقہ حرام ہے اگرچہ بعض متاخرین نے اس میں بھی کلام کیا ہے کہ جب بیت المال موجود نہیں اور دیگر ذرائع امداد بھی مفقود ہیں تب یہ حکم باعث تکلیف آل ہاشم ہوگا لیکن قول جمہور وہی ہے جو مذکور ہوا۔ رہا لفظ سید کا استعمال یہ ایک عرفی چیز ہے اہل حجاز تو سادات بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا میں بھی تفریق کرتے اور بعض کو اشراف اور بعض کو

سادات کہتے ہیں اس پر کسی فریق کو اصرار نہ چاہیے کہ اصل مسئلہ عرفی ہے جہاں جیسا عرف ہو وہی رکھا جائے فقط

فقیر محمد عبد القدیر القادری بدایونی۔

نقل جواب عالی جناب فقیہ دکن مولٰنا شاہ محمد مخدوم صاحب قادری مفتی مدرسہ عربیہ نظامیہ بلدہ حیدرآباد دکن:۔

(جناب مفتی صاحب ممدوح الشان نے نہایت تفصیل سے سید و سادات کے مطالب و معانی و محل استعمال پر عالمانہ تبصرہ فرما کر جواب تحریر فرمایا ہے جس کی کامل نقل کے لیے کتاب ہذا کے تین۳ چالیس۴۰ صفحات درکار ہوں گے پس بوجہ عدم گنجائش اس کا ضروری اقتباس شکریہ کے ساتھ درج کیا جاتا ہے اس جواب کی کامل نقل ہماری موعودہ کتاب "تحقیق سیادت نسب" میں کی جائے گی۔ درحقیقت یہ جواب اس بحث پر برہان قاطع ہے)۔ اقول مستمدا و مستعینا باللہ الذی ھو ملھم الحق والصدق والصواب وعندہ ام الکتاب واضح ہو کہ مذہب اسلام نے کسی کو بھی بغرض اظہار نسب سید و سادات سے موسوم و مخاطب کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیا ہے یہ تو صرف عرف و اصطلاح پر موقوف ہے ابن عبد الوہاب نجدی اور اس کے ہم عقیدہ اشخاص نے تو حدیث (انما السید اللہ) سے استدلال کرکے سید کا معنی اللہ قرار دیا ہے اس لئے غیر اللہ کو سید کہنا کفر و شرک تبلایا ہے حتی کہ سید المرسلین .... ان عبارات سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ پر بھی لفظ سید کا اطلاق جائز ہے۔

.... نیز الکواکب الزاہرہ صـــ۲۶۴ـــ میں حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ کو السید موسیٰ کہا گیا ہے اس سے بھی تعریف و توصیف مقصود ہے اظہار نسب مقصود نہیں ہے۔

اور عرفی اصطلاحی اظہار نسب کی غرض سے اپنے نام کے ساتھ لفظ سید لکھنا صرف
بنی فاطمہ کے ساتھ خاص ہے غیر بنی فاطمہ خواہ اولاد علی از غیر فاطمہؓ ہو یا اولاد عباسؓ
وجعفرؓ وعقیلؓ ہو ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے نام کے ساتھ لفظ سید لکھنا
عرف معروف کے خلاف ہے کیونکہ صرف بنی فاطمہ ہی کو سید وسادات کہنے کا عرف
ہو گیا ہے۔ سید کہتے ہی صرف بنی فاطمہ کی طرف ذہن کا تبادر ہوتا ہے ان کے
سوائے کسی دوسرے بنی ہاشم کی طرف خیال نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے غیر بنی فاطمہ کو سید
کہنا نسب میں اختلاط کا موجب ہے ...... اس لیے غیر حسنین کی اولاد کو سید کہنا
خلاف عرف مسلمین ہے جس سے بنی فاطمہ میں عرفاً فرق وامتیاز باقی نہیں رہتا ہے۔
اور اپنے آباؤ اجداد کے غیر کی طرف انتساب ہو جاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے من ادعیٰ
الیٰ غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام متفق علیہ یعنی جو
شخص اپنی ولدیت اپنے والد کے غیر کی طرف منسوب کرنے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ منسوب
الیہ اس کا والد نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے ..... اور تفسیر مدارک میں سورہ
انعام کی تفسیر میں بیان ہوا ہے (جس کا مطلب یہ ہے) کہ زکریا ویحییٰ کے ساتھ عیسیٰؑ کو ذکر
کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ ماں کی طرف سے بھی نسب ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو نوح کی ذریت میں داخل کیا ہے حالانکہ عیسیٰؑ نوح کے
ساتھ اپنی والدہ مریمؑ کے نسب کے ذریعہ سے ملتے ہیں اور حجاج نے جب بنی فاطمہ کے
اولاد نبی ہونے سے انکار کیا تو اس کو یہی جواب دیا گیا (مدارک) .... واللہ اعلم بالصواب شرح دستخط۔
جناب مولنا شاہ محمد مخدوم صاحب قادری نظامی مفتی مدرسہ عالیہ نظامیہ۔ مدیر المنار بقلم خود بحیثیت مولنا ابو الوفا ثناء اللہ تحریر
فرماتے ہیں شخصی تعظیم سے کسی کو سیدی کہنا جائز ہے۔ باقی مذکورہ بالا جوابات صحیح ہیں (مولنا)
ابو الوفا ثناء اللہ کفاہ اللہ امرتسری

بعض امور وضاحت طلب

یہاں بعض وہ اُمور درج کئے جاتے ہیں جن کا ذکر ضروری ہے مگر کسی نہ کسی وجہ سے ان کا اندراج جلد ہذا کی طباعت میں نہ ہوسکا۔

ف ۱۔ جلد ہذا کے صفحہ ۳۰۸ پر میر سید محمد میر عدل (امیر اکبری) کے فرزندان نامدار کا شجرہ تاریخ امروہہ کی جلد دوم تذکرۃ الکرام کی عبارات کے سلسلہ میں نقل ہوا ہے۔ اس میں ذی علم مصنف نے قلت مبالاۃ و عدم تجسّس کی بنا پر نہیں بلکہ سہواً یہ تحریر فرمادیا ہے کہ سید عبدالخالق بن شاہ سید ابوالحسن بن سید محمد میر عدل کی اولاد میں سادات محلۂ گذری و شفاعت پوتہ و مجاپوتہ ہیں۔ ان تینوں محلوں کے سادات دراصل میر سید محمد میر عدل کے برادر عالی قدر میر سید مبارک کی اولاد میں ہیں۔ دیگر مقامات پر تاریخ امروہہ میں جابجا ان کا ذکر صحیح طور پر ہوا ہے۔

ف ۲۔ دیگر مصنفین کی کتابوں کی جو عبارات کتاب ہذا میں نقل ہوی ہیں راقم الحروف نے ان سب کی اصل سے ان کا مقابلہ کرلیا ہے۔ کتب تذکرۂ مقامی میں سے صرف ایک ہی کتاب ایسی ہے جس کی اصل راقم الحروف کی نظر سے باوجود کوشش و تلاش نہیں گذرسکی اور اس کی نقل النقل جابجا کتاب ہذا میں ہوی ہے۔ یہ آئینۂ عباسی ہے اور اس کا اشارہ آغاز کتاب میں بھی کردیا گیا ہے۔ پس اگر اتفاقاً کسی مقام پر اصل سے کوئی اختلاف رونما ہو تو وہ نقل اول پر مبنی ہوگا۔

ف ۳۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ مصنف اپنی ایک رائے کا اظہار یا کوئی بیان کرتا ہے اور اس کے بعد اپنی تائید یا تردید میں دیگر مشاہیر کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔ ہم نے بھی اس

کتاب میں یہی طریقہ رکھا ہے۔ البتہ بعض مقامات پر غیر معمولی طوالت سے بچنے کے لیے اسے ترک کر دیا گیا ہے مثلاً غزوات وغیرہ کے بیان میں ہم نے بجائے اس کے کہ اپنے الفاظ میں ان کو بیان کرتے مشہور و مقبول و مستند مصنفین کی عبارات کی نقل پر ہی اکتفا کیا ہے اسی طرح بعض مقامات پر عربی و فارسی کی اصل عبارات مع ترجمہ کے لکھی گئی ہیں اور بعض مقامات پر ترجمہ ہی طوالت سے بچنے کے لیے لکھ دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر اس کے برعکس بھی عمل ہوا ہے جو عمل جس مقام پر مناسب معلوم ہوا راقم الحروف نے اپنی ذاتی صواب دید پر وہی عمل کیا ہے۔ اور اس کا بھی خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ اصل و ترجمہ کے اندراج کی طوالت سے بچنے کے لیے بجائے متقدمین کی عبارات کے زمانہ حال کے مشہور و مستند علما و مشاہیر کی عام فہم عبارات حتی الامکان نقل کی جائیں۔ مولف نے اپنے خاندانی حالات کے بیان میں بھی خاص طور پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ بجائے اپنی عبارات کے حتی الامکان دیگر مصنفین کی عبارات میں یہ سب حالات بیان ہو جائیں

۴ - کتب تذکرہ میں شجرات نسب کی طباعت ایک اہم مسئلہ ہے۔ ہر کتاب میں ایک نیا انداز اس کا نظر آتا ہے۔ صاحب تاریخ واسطیہ نے محلہ واری ذکر لکھ کر ہر محلہ کا شجرہ ساتھ ہی ساتھ دیدیا ہے۔ یہ طریقہ چنداں لائق اعتراض تو نہیں ہے مگر مختلف فروع کی اصل دریافت کرنے کے وقت متجسس کو بعض اوقات سخت دشواری کا سامنا اس میں ہوتا ہے اور مختلف شاخوں کی تطبیق و ترتیب میں جب تک کہ متجسس کو کافی علم انساب کا نہ ہو چند در چند مشکلات درپیش ہو جاتی ہیں۔ البتہ تاریخ واسطیہ میں شجروں کی طباعت و کتابت صاف اور واضح ہے اور باپ بیٹے اور بھائی وغیرہ کا فرق صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے مولوی محمود احمد صاحب کی تاریخ

امروہہ میں جو شجرات طبع ہوئے ہیں ان میں علاوہ دیگر داخلی اغلاط کے بعض مقامات پر ایک سخت عیب کتابت کا یہ نمایاں ہے کہ دوائر کے بے محل اتصال اور خطوط اتصال کے جا بجا غلط وصل سے باپ بیٹے بھائی کی تمیز جا بجا مشکل ہو گئی ہے کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بد نما عیب کتابت شجرات کا ہے کہ دیکھنے والے کو کسی سلسلہ کی تلاش میں غیر ضروری الجھن پیدا ہو جائے۔ صاحب تاریخ امروہہ نے جو محنت شجرات کی ترتیب میں برداشت کی ہے وہ بے شک قابل داد ہے مگر کتابت کی خرابی کے باعث بعض مقامات پر شجرات کی ترتیب کی محنت شاقہ بار آور نہ ہو سکی اور صاحبان شجرہ کو بجائے شکریہ کے شکایت کا موقع ملا۔ ہماری اس کتاب کی طباعت کے دوران میں بھی یہی صورت درپیش ہوی۔ تمام شجرات کی کتابت منسوخ کر دی گئی۔ دوبارہ کتابت ہوی اس میں بھی یہی عیب جا بجا باقی رہا بالآخر یہ دوسری کتابت بھی منسوخ کر دی گئی اور مؤلف نے بحالت سفر اپنی ذاتی نگرانی میں ان شجروں کی کتابت بدرجہ مجبوری ایک ایسے شخص سے کرائی جس نے تمام عمر میں کبھی کاپی نویسی نہیں کی اس میں شک نہیں کہ شجرات کی موجودہ کتابت میں حسن صورت موجود نہیں ہے مگر حسن سیرت سے خالی بھی نہیں ہے۔ ہر سلسلہ علیحدہ علیحدہ نمایاں ہے اور باپ بیٹے اور بھائی وغیرہ کا فرق صاف طور پر نمایاں ہے جس مقام سے کوئی شاخ شجرہ نسب کی علیحدہ ہوتی ہے وہیں شجرہ نسب کا نشان لکھدیا گیا ہے۔ جس سے بآسانی مورث اعلیٰ تک نسب کا اتصال واضح ہو سکتا ہے۔ اور بآسانی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ایک اصل کی فروع کون کون اور کس کس صفحہ پر ہیں۔ اگر کتاب کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر کا احتمال نہوتا اور مؤلف کو سفر درپیش نہوتا تو کتابت کی بدنمائی کا یہ ظاہری عیب بھی باقی نہ رہتا۔ بدبخ

مجبوری یہ کتابت باقی رکھی گئی ہے۔ شجرات کی بار بار کتابت اور اس ردوبدل میں تین مہینے تک طباعت ملتوی رہی اور اگر موجودہ کتابت باقی نہ رکھی جاتی تو مزید تاخیر کا امکان موجود تھا۔ امید ہے کہ جلد دوم میں اس تجربہ سے استفادہ ہوکر یہ عیب باقی نہ رہنے گا۔

ف ۵۔ ہم حیران ہیں کہ دوران طباعت کی مختلف قسم کی اغلاط کے متعلق کن الفاظ میں معذرت کریں۔ ہمارا خیال ہے کہ ناممکنات کی اگر کوئی فہرست مرتب کی جائے تو شاید صحت کتابت کو بھی اس میں نمایاں جگہ دینی پڑے گی۔ ہماری یہ کتاب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ بعض وہ اغلاط جن کی دو دو بار اصلاح بھی ہوی بدستور موجود ہیں۔ اور یہ صورت عربی و فارسی عبارات میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ اسکی ایک بدترین مثال کتاب ہذا کے صفحہ (۲۹۲) پر موجود ہے کہ باوجود مکرر ہدایات کے غلط اعراب کے ساتھ عربی نظم درج ہوگئی ہے اسی طرح بعض دیگر مقامات پر عبارات کے درمیان سے عبارت کم ہوگئی ہے۔ اور خطوط فاصلہ، اور نقاط وغیرہ کی اغلاط بکثرت باقی رہ گئی ہیں۔ جابجا (ا) اور (ی) میں فرق باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ مثلاً بعض مقامات پر بجائے ابی طالب کے ابو طالب غلط طور پر تحریر ہوگیا ہے وہمچنیں دیگر اغلاط کہیں (من) کو (عن) لکھدیا گیا ہے۔ کہیں (ان) کو (عن) تحریر کردیا ہے اور (نجیب) کو (غیب) لکھدینا تو ایک معمولی بات ہے۔ راقم الحروف کو افسوس ہے کہ کتاب کے بعض حصول کا پروف بذات خود نہ دیکھا جا سکا صحت نامہ کی ترتیب سے ان اغلاط کی طولانی فہرست معلوم ہوسکے گی جو جلد دوم میں طبع ہوگا۔

ف ۶۔ اس کتاب کا تاریخی نام (تاریخ سادات امروہہ) قرار پایا ہے جس سے

سال تحریر ۱۹۲۴ء برآمد ہوتا ہے ختم طباعت پر بعض احباب کے لکھے ہوے قطعات تاریخ وصول ہوے جن میں براہ ذرہ نوازی راقم الحروف کی ہمت افزائی فرمائی گئی ہے۔ ان سب کا شکریہ عرض کرتے ہوے التماس ہے کہ ان کی طباعت جلد دوم میں ممکن ہوگی جلد ہذا میں اب گنجایش باقی نہیں رہی مختلف تاریخی مادے جو منظوم ہوکر وصول ہوے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(تاریخ محب آل نبی) (گلدستۂ اخبار) (گنجینۂ تواریخ) (باغ عارف)۔ (گلدستۂ خرد) (نغمۂ انوار) (تذکرۂ اخلاص) وغیرہ وغیرہ۔ ابھی کتاب کی اشاعت نہیں ہوی ہے۔ ممکن ہے کہ ابھی ان منظومات میں اضافہ ہو۔ جلد اول اب تمام ہوتی ہے۔ ابھی بہت کچھ عرض کرنا باقی ہے۔ اور بپایان آمد این دفتر حکایت ہمچناں باقی، کا مضمون بہمہ جہت صادق ہے۔ ناظرین جلد دوم کے منتظر رہیں۔

از جلوہ بیارام دمے کایں ہمہ سامان
در حوصلۂ دیدہ بیک بار نگنجد

ربنا لاتواخذنا ان نسینا او اخطانا

سوار دوش احمد آن نونہال احمد[1]
می تا وقت کز نیتش صیقش بود جمال احمد

سر شاہا دوش تیشہ کشف کمال احمد[2]
درودیست بر لا الہ شد معراج آل احمد[3]

۱؎ ۔ یعنی سیدنا امام حسین علیہ السلام ۔ ۲؎ ۔ اس شعر کے مضمون کی وضاحت کے لیے دیکھو جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی کتاب سرالشہادتین ۔ نیز دیگر کتب تصوف

۳؎ ان دونوں شعروں میں مؤلف کتاب ہذا کے والد مؤلف کتاب ہذا و مؤلف کے برادر حقیقی اور مؤلف کے حقیقی دادا کے نام علی الترتیب واقع ہوئے ہیں ۱۲

اعلان

تاریخ سادات امروہہ کی جلد اول طبع ہوکر سادات عظام و دیگر احباب کی خدمات میں پیش کیجاتی ہے۔ اس کتاب کی قیمت مع جلد (صہ) فی عدد قرار پائی ہے مگر جیسا کہ مؤلف کتاب نے اظہار کردیا ہے اس مکمل کتاب کی ایک ہزار جلدیں بلاقیمت ہدیتہً نذر کی جائینگی۔

جلد دوم بھی زیر ترتیب ہے جس میں رجال سادات نقوی متوطنہ امروہہ کے مشاہیر علما و فضلا و شعرا و حکما و امرا کا مفصل تذکرہ اور دیگر مضامین متعلقہ اور فرہنگ اسماء رجال و شجرات انساب وغیرہ درج کیے گئے ہیں

المعلن

مؤلف کتاب ہذا